استاد مطہری کی حسین شناسی

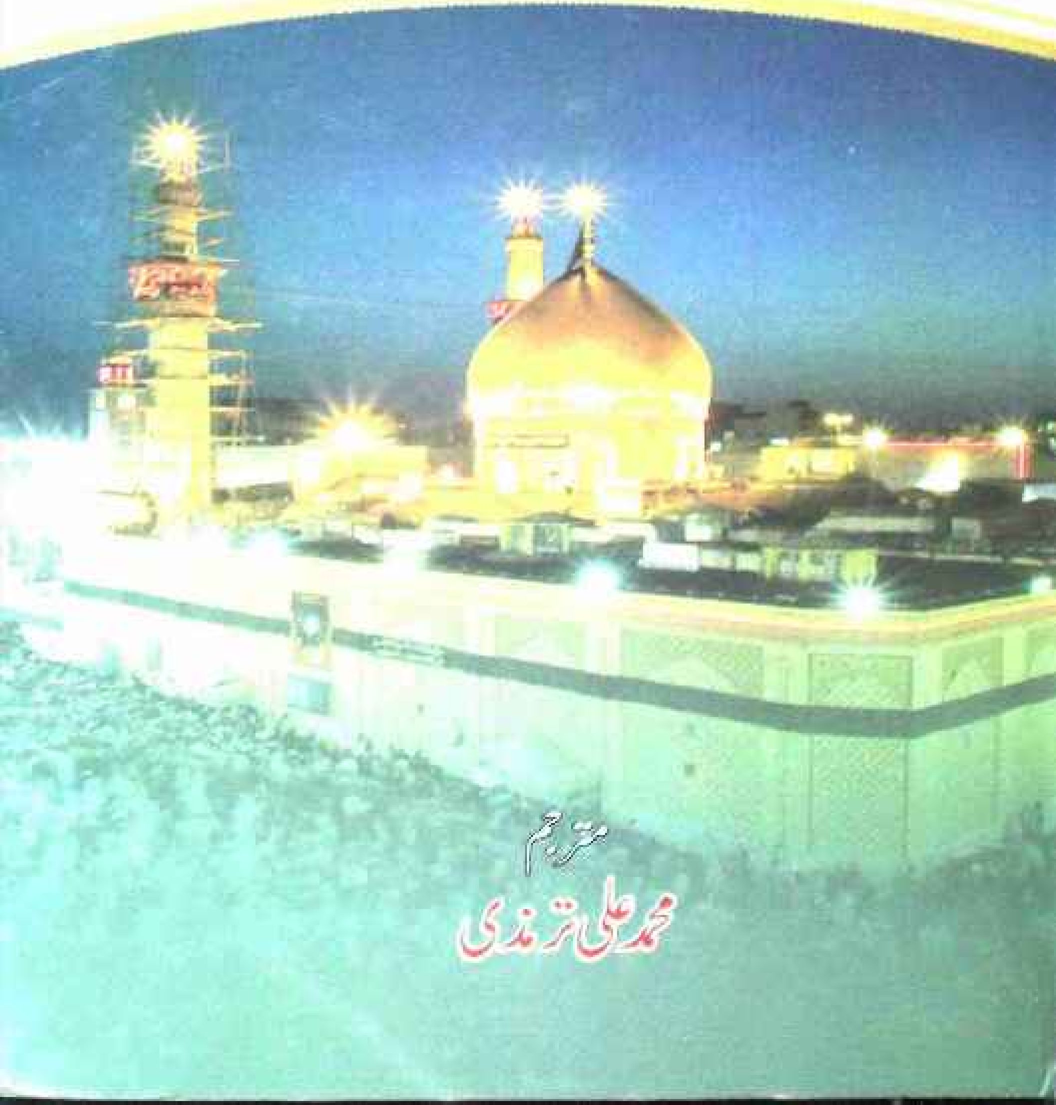

مترجم

محمد علی ترمذی

2329

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استاد مطہری

کی

حسینؑ شناسی

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران. کراچی
شمارہ دیری :
شمارہ ثبت : ۸۳۲۹-۱۵
تاریخ ثبت :

البیان' لاھور ...... پاکستان

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب کا نام:	استاد مطہری کی حسینؑ شناسی
مترجم:	سید محمد علی ترمذی
تصحیح وتدوین:	سید نثار علی ترمذی
کمپوزنگ:	سید حیدر نقوی
سال اشاعت:	اگست 2007ء
تعداد:	600
قیمت:	150 روپے
ناشر:	البیان لاہور پاکستان
فون:	0300-4982565

مطالب کی فہرست

مقدمہ	۵
فضائل امام حسین علیہ السلام	۷
قیام امام حسینؑ کا فلسفہ	۱۴
حصہ اول: یزید کی بیعت سے انکار	۲۹
حصہ دوم: امر بالمعروف ونہی از منکر کا احیاء	۳۹
جہاد وشہادت سے امام حسینؑ کی آگاہی اور شوق	۶۱
کربلا: اخلاقی فضائل کی تجلیگاہ	۸۹
حصہ اول: حسینؑ کرامت وعزت نفس کا مظہر	۸۹
حصہ دوم: کربلا: ایثار و جوانمردی کی نمائشگاہ	۱۰۱
حصہ سوم: حسین غیرۃ اللہ کا مظہر	۱۱۳
نماز وعبادت امام حسین علیہ السلام	۱۲۰
حصہ اول: شب عاشورا! دعا ومناجات کی شب	۱۲۰
حصہ دوم: روز عاشورا کی نماز	۱۲۳
حصہ سوم: تحریک عاشورا کا عرفانی پہلو	۱۲۹

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور مددگاروں کے فضائل اور خصوصیات	۱۳۳
فضائل ومصائب خاندان ابی عبداللہ الحسینؑ	۱۶۱
حصہ اول: حضرت علی اکبرؑ کے فضائل ومصائب	۱۶۱
حصہ دوم: امام حسن مجتبیٰؑ کے فرزند قاسم اور عبداللہ بن الحسن کے مصائب	۱۶۷
حصہ سوم: فضائل ومصائب حضرت عباس بن علی علیہ السلام	۱۷۳
امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات کا جائزہ	۱۸۱
امام حسینؑ اور دیگر ائمہ علیہم السلام کے دور میں شرائط اور تقاضوں کا موازنہ	۱۹۲
امام حسینؑ کی تحریک کا دیگر تحریکوں اور قیام سے مقایسہ	۱۹۸
تحریک وحادثہ عاشورا کی ماہیت کا تجزیہ وتحلیل	۲۰۸
مکتب امام حسینؑ کی خصوصیات	۲۱۹
تحریک عاشورا کے درس	۲۲۲
ہمیشہ زندہ رہنے والی تحریک کا راز	۲۲۶
مصیبت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے کا فلسفہ	۲۳۱
حادثہ کربلا میں خواتین کے کردار کی تاثیر	۲۳۷
حصہ اول: تاریخ میں خواتین کا کردار	۲۳۷
حصہ دوم: کربلا حضرت زینبؑ کی شخصیت کی تجلیگاہ	۲۴۱

☆☆☆☆☆

مقدمہ

شعر اقبال:

تا قیامت قطع استبداد کرد　　　　موج خونِ او چمن ایجاد کرد

کتاب ''استاد مطہری کی حسینؑ شناسی'' شہید مطہری کی چند کتب کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ امام حسینؑ ایک آفاقی شخصیت ہیں اس لیے ان کے بارے میں شہید کے افکار سے آگاہی وقت کی اہم ضرورت ہے یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ شہید نے امام حسینؑ کی شخصیت اوران کے افکار کا ہر لحاظ سے دفاع کرنے کا حق ادا کر دیا ہے اپنے ان افکار کی بدولت اگرچہ بعض ناعاقبت اندیش اور کج فہم افراد ان کے شدت سے مخالفت کرتے رہے لیکن شہید نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

اردو زبان میں شہید کے افکار کو منعکس کرنا اگرچہ آسان کام نہیں ہے بہت سے ادارے شہید کے افکار کی پاسداری کے لیے میدان عمل میں ہیں۔

امام خمینی کے اس عزیز فرزند نے عزیز فرزند ہونے کا ثبوت دیا۔ ملحدانہ مکاتب فکر کے پیروکاروں کے لیے استاد مطہری کی سرگرمیاں ناقابل برداشت تھیں چنانچہ انہوں نے آپ کو دہشت گردی کے ذریعے منظر عام سے ہٹانے کا فیصلہ کیا اور شہید نے شہادت کا جام نوش کر کے راہ حسینی کے قافلہ شہادت میں شریک ہوئے۔

شہید مطہری کی شخصیت انقلاب اسلامی کی فکری بنیادوں کے معماروں میں شمار ہوتی ہے۔

امام حسینؑ کی اس انقلابی تحریک کو سمجھنے کے لیے پاکستانی قارئین کے لیے یہ ایک گرانقدر کتاب ثابت ہوگی۔ شہید مطہری پاکستانی مفکرین سے آشنا تھے ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے علامہ اقبال کے بارے میں شہید مطہری اپنی کتاب میں یوں گویا ہیں۔

''علامہ اقبال'' واقعی ایک گرانقدر اسکالر ہے وہ ایسا شخص ہے جس نے اسلام پہنچانے کا کام اپنے ذمے لیا اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر ہر اچھا اور شرعاً جائز وسیلہ استعمال کیا۔ اس نے جو وسائل استعمال کیے ان میں سے ایک وسیلہ شعر کا ہے علامہ اقبال کی غیر معمولی نظمیں اور ترانے سن کر میں خود رو دیا ہوں۔

شہید مطہری نے امام حسینؑ کی تحریک کے خدوخال واضح کیے ہیں دشمن کی سازشیں عیاں کی ہے مسلمانوں کوان کی ذمہ داری سے آگاہ کیا ہے اور اسلام کے حقیقی اہداف ومقاصد بتانے کے لیے بڑی محنت کی ہے یہی وجہ ہے کہ امام خمینی نے آپ کی شہادت پر یہ فرمایا کہ میں طلبہ اور دین دوست روشن فکر طبقے کونصیحت کرتا ہوں کہ وہ اجازت نہ دیں کہ غیر اسلامی سازشوں کے ذریعے اس عزیز استاد کی کتب فراموش ہوجائیں۔

موجودہ کتاب جوکہ شہید مطہری کی متعدد کتب سے استفادہ کرتے ہوئے تیار کی گئی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ہم کس طرح امام حسین علیہ السلام کا اور کربلا کے حادثے سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت کوایک مفکر، فلسفی اور دانشور کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے نہ کہ اس شخص کی نگاہ سے جس کا اسلامی تعلیمات اور دیگر امور سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا ہو یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں پر امام حسین علیہ السلام اور کربلا کی انقلابی تحریک کا روشن پہلو آشکار نہ ہوسکا امید ہے یہ کتاب حسینؑ شناسی کے حوالے سے ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگی۔

اس کتاب کا انتساب بانی انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ کے نام کرتے ہیں جنہوں نے کربلا کی تحریک کو پھر سے رواں دواں کردیا ہے۔

موجودہ کتاب میں اسی کوشش کو مدنظر رکھا گیا ہے۔یہ کتاب کیسی ہے ہم اسے قارئین کے مطالعہ کی نظر کرتے ہیں۔امید ہے کہ قارئین ادارہ البیان کی دیگر کتب کی طرح اسے شرف پذیرائی بخشیں گے۔

مہرداد رخشندہ

ڈائریکٹر

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

راولپنڈی۔پاکستان

۱۳۸۶ ہجری شمسی

فضائل امام حسین علیہ السلام

۱۔ احترام

امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا خصوصی احترام کرتے تھے اس لیے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ حضرت زہراؑ کی اولاد تھے اور ان کے احترام کو پیغمبر اکرمؐ اور زہراؑ کے احترام کے مترادف سمجھتے تھے۔

۲۔ وضو کی تعلیم

حسنینؑ (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) نے بچپن میں ایک بوڑھے [شخص] کو وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ اس کا وضو باطل ہے' آپ دونوں اسلامی روش سے آگاہ تھے فوراً متوجہ ہوئے کہ اس بوڑھے شخص کو بتانا ضروری ہے کہ اس کا وضو باطل ہے، دوسری طرف اگر براہ راست اسے ایسا کہیں کہ تمہارا وضو باطل ہے تو اس کی شخصیت مجروح ہو جائے گی اور ایسا کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بوڑھا شخص ردعمل کے طور پر کہے گا کہ کوئی بات نہیں اور اسی طرح بہتر ہے۔ پھر جو بھی کہیں گے وہ ہماری بات نہیں سنے گا' آپ آگے بڑھے اور کہا: ہم دونوں آپ کے سامنے وضو کرنا چاہتے ہیں' آپ نے دیکھ کر بتانا ہے کہ کس نے سب سے بہتر وضو کیا ہے۔

(عام طور پر بزرگ افراد بچوں کی اس بات کو قبول کر لیتے ہیں) تو اس نے کہا: وضو کریں تاکہ میں فیصلہ کر سکوں۔

پہلے امام حسنؑ نے اس کے سامنے مکمل وضو کیا' پھر امام حسینؑ نے۔ اسی وقت یہ بوڑھا شخص متوجہ ہوا کہ خود اس کا وضو درست نہیں ہے۔ پھر اس نے کہا: آپ دونوں کا وضو درست ہے جبکہ میرا وضو ٹھیک نہیں ہے۔' اس طرح سے اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔

اگر یہاں فوراً کہہ دیتے اے بوڑھے شخص! شرم نہیں آتی؟ سفید ریش ہوتے ہوئے وضو کرنا نہیں آتا؟ اس صورت میں ہوسکتا تھا وہ نماز سے بھی بیزار ہوجاتا۔

۳﴿ مادیات فدای معنویات

قرآن انصار کے بارے میں فرماتا ہے:

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَة

ترجمہ: اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

یا امیرالمومنینؑ [وحضرت زہراؑ و حسنینؑ کے بارے میں قرآن نے فرمایا:]

و یطعمون الطعام علی حبه مسکیناً و یتیماً و اسیراً

ترجمہ: (وہ ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ (کی رضا) کے لیے کھلا رہے ہیں۔

ایثار اور فداکاری کا یہ انداز بشر دوستی کی اہمیت کو بیان کرتا ہے کہ انسان اپنے مادی منافع کو اس پر فدا کردیتا ہے۔

۴﴿ برداشت

عصام بن المصطلق نامی شخص شام سے مدینہ آیا۔ اس نے مسجد میں ایک پر ہیبت اور باجمال شخص کو دیکھا جس نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اس مرد نے پوچھا: یہ شخص کون ہے جو وہاں بیٹھا ہوا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی [بڑی] شخصیت ہے۔ کسی نے کہا: یہ تو حسینؑ بن علی بن ابی طالب ہیں۔

جیسے ہی اس نے سنا کہ حسینؑ پسر علیؑ تو کہا: قربةً الی الله جاتا ہوں اور چند دشنام (گالی) دیتا ہوں۔ وہ آیا اور بڑی جرأت سے کہنے لگا کہ تم نے اسلام کو خراب کردیا ہے۔ تم منافق لوگ ہو اور اسی طرح،

جیسے ہی اس نے اپنی بات ختم کی تو امامؑ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ ایک غافل شخص ہے آپ نے فرمایا: اَمِنْ اَهْلِ الشَّامِ اَنْتَ ؟ آیا تم اہل شام سے ہو؟ اس نے کہاہاں: آپ نے فقط ایک جملہ کہا: شِنْشِنَةٌ اَعْرِفُهَا مِنْ اَخْزَمٍ [ضرب المثل ہے]

میں جانتا ہوں کہ شامی اسی طرح کے ہوتے ہیں' اس لیے کہ تم ہمارے شہر میں غریب الوطن ہو' ہمارے مہمان ہو' ہمارے مہمان کی حیثیت سے میرے گھر چلو تا کہ تمہاری خدمت کرسکوں' اگر زادِ راہ کم ہے' وہ بھی دیں گے' خود یہی مرد کہتا ہے میری حالت ایسی ہوگئی کہ کاش یہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں غرق ہو جاؤں۔

۵ میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے

پیغمبر اکرمؐ امام حسینؑ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اسی لیے فرمایا: "حسینٌ مِنّی وَ انا مِن حُسَینٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْناً. حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اللہ اسے دوست رکھتا ہے جو میرے حسین کو دوست رکھتا ہے۔

۶ نفس مطمئنہ

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: سورہ الفجر کو اپنے فرائض و نوافل میں تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ ہمارے جدِ بزرگوار حسینؑ بن علی کی سورہ ہے۔

عرض کیا گیا کہ کس مناسبت سے یہ آپ کے جدِ امجد کی سورہ ہے؟ آپ نے فرمایا سورہ کی آخری آیات کے مصداق حسینؑ بن علی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ق ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ج فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ لا وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (۵)

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف پلٹ آ، اس حال میں تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

۷۔ سورہ امام حسینؑ

عجیب ہے انسانی مقام کے بارے میں جو آیات قرآن میں موجود ہیں کہ [جس سے پتہ چلتا ہے] انسان کی حد کہاں تک ہے؟

امام فرماتے ہیں کہ سورہ والفجر ہماری جد امام حسینؑ کی سورہ ہے۔ اگر کوئی اتفاق سے سورہ والفجر سنے تو شروع میں اس کی توجہ ان پانچ آیات کی طرف ہوگی۔ تو پہلے کہے گا کہ یہ سورہ فرعون کی ہے اور یہ سورہ قوم عاد کی ہے کیونکہ یہ اس طرح سے شروع ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَرَا كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ . اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ. الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ. وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ . وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ. الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ. فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ. فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ.

ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟ ستونوں والے ارم کے ساتھ۔ جس کی نظیر کسی ملک میں نہیں بنائی گئی۔ اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں وادی میں چٹانیں تراشی تھیں۔ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔ ان لوگوں نے ملکوں میں سرکشی کی۔ اور ان میں کثرت سے فساد پھیلایا۔ پس آپ کے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

کہنے لگے: یہ کس طرح آپؑ کے جد کی سورہ ہے فرمایا: آخر سے دیکھو:

البتہ یہ سورہ فجر مقام عبادت اور خاص عبادت سے شروع ہوتی ہے۔

وَالْفَجْرِ. وَلَيَالٍ عَشْرٍ. وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ.

صبح کی سفیدی کی بات ہے دس راتوں کی بات ہے۔ (دس راتوں سے کونسی دس راتیں مراد ہیں قابل بحث ہے۔ بالآخر بندگان خاص کے لیے راتوں کا ذکر ہے۔)

نماز شفع اور وتر کی بات ہورہی ہے، گیارہ رکعات میں سے نماز وتر کی بات ہو رہی ہے۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ. ان چیزوں کی قسمیں اٹھائی ہیں یعنی طلوع اور ابتداء۔ شروع میں اس طرح کی بات ہے اور پھر

بعد والی آیات میں عاد، ثمود اور فرعون کا ذکر ہے۔ لیکن آخر میں جن آیات کا ذکر ہے اس کا اظہار شروع والی آیات کی طرف ہے۔

کہنے لگے: کس طرح یہ سورہ آپؑ کی جد حسینؑ بن علی علیہ السلام کی سورہ ہے فرمایا: ان آخری آیات کو دیکھو اس کا ظاہر اور واضح مصداق وہی ہیں۔ یہ فرمایا: امام حسینؑ نے کربلا میں ندائے الٰہی کا جواب دیا۔ یعنی ہر طرف سے حق و حقیقت کی صدائیں آ رہی تھیں۔ اے حسین! اے الٰہی انسان اور اطمینان رکھنے والے! آپ اطمینان الٰہی کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے کوئی چیز بھی آپؑ کے راستے کی رکاوٹ نہیں رہی، سختی اور مصیبت بھی آپ کو پریشان نہ کر سکی۔ آپؑ تو وہ ہستی ہیں کہ جو اس مقام تک جا پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے تمہیں پسند کر لیا ہے اور تم نے ہمیں، اب تم ہمارے خاص گروہ میں شامل ہو جاؤ۔

اب حسینؑ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟ معلوم ہے کہ اس گروہ میں کہ جس میں پیغمبر اکرمؐ علیؑ و فاطمہؑ ہیں وگرنہ بندوں کے گروہ تو موجود تھے اور ایک گروہ سے جنگ کر رہے تھے لیکن میرے بندے وہ ہیں جو کسی اور چیز کے بندے نہیں ہیں۔ (میرے علاوہ کسی کی بندگی نہیں کرتے (وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ)

یہاں آیت کا بیان اس طرح ہے: رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً یہ کلام خدا ہے: امام حسین علیہ السلام کی آخری بات (آخری کلام) یہی تھی، آخری بات جو امام حسینا الحسینؑ کے مقدس وجود سے سنی گئی یہی تھی، یعنی اس وقت جب وقت آخر آن پہنچا، جب گھوڑے سے گرے، یعنی وہ لحظہ جب مرکب سے زمین پر آئے اس وقت یہ جملے سنے گئے:

رِضیً بقضائِکَ وَ تسلیماً لِاَمرِکَ لا معبودَ سِواکَ یا غیاثَ المستغیثین

۸۔ حضرت سید الشہداءؑ کی شان میں آیت کا نزول

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسٰنًا ط حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا ط وَحَمْلُہٗ وَ فِصٰلُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا ط حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً لا قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ

اَلَّتِیٓ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ج اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ.()

ہم نے انسان کو سفارش کر دی ہے کہ اپنے ماں باپ سے نیکی کرے مس انے بڑی سختی اور تحمل سے اس کا بوجھ اٹھائے رکھا اور جنم دیا' حاملہ ہونے سے لیکر دودھ پلانے تک کا عرصہ تیس ماہ پر مشتمل تھا' جب چالیس سال کا ہوا تو کہا' اے میرے پروردگار! کہ مجھے القاء کر واس نعمت پر کہ جو ماں اور باپ کی صورت میں عنایت فرمائی شکر اور قدر دانی کروں اور ایسا عمل انجام دوں جو تیری رضا اور خوشنودی کا باعث ہو' اے پروردگار میری نسل کو صالح بنا دے میں تیری طرف واپس آ رہا ہوں اور ان میں سے ہوں جو تیرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہیں۔

9 ⟵ تربت سید الشہداؑ کی اہمیت

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اگر کوئی خاک شہید سے برکت حاصل کرنا چاہتا، تو وہ خاک حسینؑ ابن علیؑ سے حاصل کرتا تھا۔

ہم جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور دوسری طرف کھانے اور پہننے والی چیزوں پر سجدہ جائز نہیں۔ تو خود ہی مٹی یا پتھر اٹھا لیتے ہیں لیکن ہمارے پیشوا کہتے ہیں کہ جب مٹی پر سجدہ کرو تو وہ مٹی سید الشہداؑ کی قربت سے لی گئی ہو۔ اگر خاک کربلا اپنے لیے حاصل کرو تو اس میں سے شہید کی خوشبو آئے گی۔ یعنی آپ خدا کی عبادت کرتے ہو' کسی طرح کی بھی مٹی پر بھی سر رکھ دو نماز درست ہے' لیکن اگر سر اس خاک پر رکھ دو کہ جو چھوٹی سی قربت' ہمسائیگی شہید کے ساتھ رکھتی ہو وہ بوئے شہید دیتی ہے اور آپ کا اجر و ثواب سو گنا ہو جائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ہماری جد بزرگوار امام حسینؑ بن علیؑ کی تربت {خاک} پر سجدہ کرو کیونکہ اس تربت مقدس {خاک} پر ادا ہونے والی نماز ہفتگانہ حجاب (سات پردوں) کو پارہ کر دے گی۔ یعنی شہید کی اہمیت کو سمجھیں' اس کی

تربت کی خاک تمہاری نماز کو کس مقام پر لے جاتی ہے۔

۱۰۔ امام حسینؑ کو شہید کا لقب عطا ہوا

اصطلاحی طور پر 'شہید' کا لقب امام حسین علیہ السلام کو عطا ہوا۔ ہم عموماً آپ کو اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ الحسینؑ الشہید

قیام امام حسینؑ کا فلسفہ

اول: اہل کوفہ کی دعوت

۱۔ اٹھارہ ہزار مسلمانوں کے دستخط

کوفہ اصل میں چھاونی تھا' شروع سے ہی اس کی تعمیر اسی طرز پر کی گئی تھی' یہ شہر خلیفہ عمر بن الخطاب کے زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا' پہلے 'حیرہ' تھا' یہ شہر سعد وقاص نے تعمیر کروایا تھا۔ جو مسلمان فوجی تھے' انہوں نے وہیں اپنے گھر تعمیر کر لیے' لہٰذا یہ شہر دنیا کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا۔

اس شہر کے لوگ امام حسین علیہ السلام کو دعوت دیتے ہیں۔ ایک فرد نہیں دو نہیں' ہزار نہیں' پچاس ہزار نہیں' نہ دس ہزار افراد' بلکہ اٹھارہ ہزار خط لکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض خطوں پر کئی کئی لوگوں کے دستخط تھے۔ بعض پر تو ایک سو افراد کے دستخط بھی تھے' مجموعی طور پر ایک لاکھ افراد تک یہ تعداد جا پہنچتی ہے۔

یہاں امام کیا کریں؟ حجت آپ پر تمام ہو چکی ہے۔ مثبت ردعمل اور عمل کا جواب تعاون ہے۔ یعنی مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور امامؑ ان کی مدد کو پہنچیں۔ یہاں امامؑ کا ردعمل منفی کے بجائے مثبت ہونا چاہیے' کام کا آغاز دوسری طرف سے ہو چکا ہے۔ امام حسینؑ کو ان کی دعوت کا مثبت جواب دینا پڑے گا' یہاں وظیفہ کیا بنتا ہے؟ یہاں نہ کہہ دینا وظیفہ ہے' بیعت کے لحاظ سے امامؑ فقط نہ کہہ سکتے ہیں اور اپنے آپ کو علیحدہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر امام حسینؑ ابن عباسؓ کی رائے پر عمل کر لیتے اور چلے جاتے۔ یمن کے

پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے' یزیدی لشکر سے محفوظ ہو جاتے' اولین ذمہ داری ادا ہو جاتی' کیونکہ وہ بیعت کے طلبگار تھے' آپؑ اس کے لیے آمادہ نہیں تھے' وہ کہتے تھے بیعت کرو' آپؑ کہتے تھے نہیں کرتا۔ بیعت کے تقاضہ اور تقویٰ کے لحاظ سے امام حسینؑ یہاں منفی جواب ہی دیں گے' یمن کے پہاڑوں میں ابن عباسؓ کے مشورے چلے جانے سے وظیفہ تو ادا ہو جاتا لیکن یہاں دعوت کا مسئلہ ہے' ایک جدید وظیفہ ہے' مسلمانوں نے اٹھارہ ہزار خطوط جن پر ایک لاکھ افراد کے دستخط ہیں' یہاں اتمام حجت کا مسئلہ ہے۔

۱۲۔ امام حسینؑ کے کوفہ آنے کا سبب

اہل کوفہ اعلان کرتے ہیں کہ اگر امام حسین علیہ السلام کوفہ تشریف لے آئیں تو ہم آپؑ کی مدد کریں گے' یہاں امام حسینؑ تاریخ میں ایک دوراہے پر کھڑے ہیں' اگر اہل کوفہ کے تقاضوں کے مطابق اقدام نہ کریں تو تاریخ آپؑ کو الزام دے گی اور آئندہ کی تاریخ یہ فیصلہ کرے گی کہ اسباب موجود تھے' حالات بہتر تھے' لیکن امام حسینؑ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے یا نہیں چاہتے تھے' یا ڈر گئے تھے۔ اس طرح کی باتیں شروع ہو جاتیں۔ امام حسینؑ نے اتمام حجت کے لیے ایسے لوگوں کا ساتھ دینا چاہا جنہوں نے مدد کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

ان کے تقاضے کا جواب دیتے ہیں' تفصیل میں گئے بغیر جو آپ نے سن رکھی ہے یہاں یہ تحریک کی شکل' ماہیت ایک اور طرح کے رنگ میں ڈھل جاتی ہے۔

۱۳۔ کوفیوں کا دعوت نامہ

معاویہ دنیا سے رخصت ہو گیا' اس حادثے سے بیس برس قبل یعنی پانچ سال پہلے حضرت علیؑ نے اس شہر میں زندگی بسر کی تھی۔ ان کی تعلیم و تربیت کے آثار ابھی باقی تھے۔ (البتہ بہت سے لوگوں کو ہٹایا گیا اور کئی بزرگترین افراد مثلاً حجر بن عدیؓ، عمر بن حمق خزاعیؓ، رشید ہجریؓ اور میثم تمارؓ جیسے افراد کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا تاکہ اس شہر کو علیؑ کی فکر و عمل سے خالی کر دیں، تاکہ ان کے احساسات سے علیؑ کو فائدہ نہ پہنچ سکے۔ اس کے باوجود ان تعلیمات کا اثر باقی تھا)۔

جیسے ہی معاویہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے یہ سب ایک دوسرے کے گرد جمع ہو جاتے ہیں تا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا سکیں، اس سے پہلے کہ یزید فائدہ اٹھائے حسینؑ بن علیؑ ہمارے درمیان موجود ہیں ہمارا امام برحق حسینؑ بن علیؑ ہے۔ ہمیں اب تیار ہو جانا چاہیے اور آپؑ کو دعوت دینی چاہیے کہ کوفہ تشریف لائیں۔ ہم آپؑ کی مدد کریں گے۔ کم از کم یہاں شروع میں ایسا مرکز قائم ہو جائے، پھر خلافت کو اسلامی خلافت میں تبدیل کرلیں گے۔

یہاں ایک دعوت ہے ان لوگوں کی طرف سے جو کہ مدعی ہیں اور دل و جان سے آمادہ ہیں۔ ''ہمارے درخت ثمر آور ہو چکے ہیں'' اس جملے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ بہار کا موسم ہے اور اب پھل تیار ہے۔ بعض اس طرح بیان کرتے ہیں کہ درخت سرسبز ہو گئے ہیں اور پھل کی آمد آمد ہے آقا! یہ پھل کا موسم ہے آئیں مثلاً پھل کھائیں۔ ایسا نہیں ہے یہ تو مثال ہے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آمادہ ہیں۔ آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔ آپ اس باغ میں قدم رکھیں

۱۴﴾ دعوت کا مثبت جواب

یہ جو ہم کہتے ہیں کہ اس تحریک کی حقیقت کے چند پہلو ہیں۔ اس کے عامل (بیعت) کے مقابلے میں امامؑ کا کوئی وظیفہ نہیں بنتا، سوائے اس کے کہ بیعت نہ کریں' اگر ابن عباسؓ کے مشورے پر بھی عمل کر لیتے کہ کسی پہاڑ کے دامن میں پناہ لے لیتے' تب بھی اس وظیفہ پر عمل تھا' اس وظیفہ کی انجام دہی میں امام حسین علیہ السلام کی ذمہ داری یہ نہیں تھی کہ کسی اور کو بھی ہمراہ لے جائیں' کہ مجھ سے بیعت طلب کی گئی ہے میں بیعت نہیں کرتا۔ وہ میرے دامن شرافت کو آلودہ کرنا چاہتے ہیں' اس لیے میں بیعت نہیں کرتا' جبکہ کوفیوں کی دعوت کے مقابلے میں امامؑ کا وظیفہ یہ بنتا تھا کہ انہیں مثبت جواب دیا جائے کیونکہ اتمام حجت ہو چکی تھی۔

۱۵﴾ اتمام حجت

کسی نے سوال کیا ہے کہ تاریخ کے مقابلے اتمام حجت کی کیا حیثیت ہے؟ پھر امامت کا مسئلہ کیا ہوا؟

امامت کے مسئلے کا معنی یہ نہیں ہے کہ کوئی شرعی وظیفہ انجام نہیں دینا یا اتمام حجت کا کوئی معنی ہی نہیں ہے۔علی علیہ السلام خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں:

لَوْلَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَ قِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ وَ مَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ اَنْ لَا يُقَارُّوْا عَلٰى كِظَّةِ ظَالِمٍ وَّلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَا لْقَيْتُ حَبْلَهَا عَلٰى غَارِبِهَا وَ لَسَقَيْتُ اٰخِرَهَا بِكَاْسِ اَوَّلِهَا(۲)

اپنی خلافت کے دور میں فرمایا: اگر لوگ حاضر نہ ہوئے ہوتے،لوگوں کا حاضر ہونا اتمام حجت کر دینا ہوتا ہے،اگر خدا نے علماء اور داناؤں سے یہ وعدہ نہ لیا ہوتا کہ جہاں لوگ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ بسیار خور پیٹ بھر کر سوئیں جبکہ بھوکے بھوک و پیاس کے حالت میں زندہ رہیں کہ وہ اس نامطلوب موقع پر بھوکے اور پیاسے لوگوں کی خاطر ان بسیار خوروں کے خلاف قیام کریں تو خلافت کو قبول نہ کرتا۔ میں ذاتی طور پر اس خلافت کی جانب رغبت نہیں رکھتا۔لیکن یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی۔

امام حسین علیہ السلام کو بھی اسی طرح کی صورت حال کا سامنا تھا۔اصل میں امام امامؑ ہیں' نمونہ ہیں' پیشوا ہیں' ہم امام کے عمل سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح اپنا وظیفہ تشخیص دیا اور کس طرح عمل کیا۔

۱۲۔ قیام کے متعدد عوامل

اس تحریک حسینی میں کئی عوامل موجود تھے' یہی عوامل اس بات کا سبب بنے جبکہ تاریخی لحاظ سے یہ واقع تفصیل طلب تھا' لیکن تفسیری نظر سے اور حقیقت کے لحاظ سے ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ ہے' اس لیے بہت زیادہ پیچیدہ بھی ہے۔حقیقتاً اس عظیم تاریخی واقعہ سے سوء استفادہ بھی ہوا۔اس داستان کی پیچیدگی کی وجہ وہ عوامل ہیں جو اس کو برپا کرنے میں کارگر ثابت ہوئے۔اس حادثہ میں بہت سے عوامل دیکھنے کو ملیں گے' ایک جگہ امامؑ سے بیعت کا تقاضہ ہے اور امام حسینؑ اس کا انکار کر دیتے ہیں' دوسری طرف کوفہ والوں کی دعوت ہے اور امام حسین علیہ السلام اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں' امام کلی طور پر ان عوامل سے صرف نظر کرتے ہیں کہ آیا بیعت کے مسئلہ کو اہمیت دیں یا کوفہ والوں کی دعوت کو بلکہ حکومت وقت کی کارگزاری پر

تنقید کرتے ہیں۔ فحاشی اور فساد کا ذکر کرتے ہیں' اس پر بات کرتے ہیں کہ اسلام کی حقیقت کو تبدیل کیا جارہا ہے۔ اسے بیان کرتے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام حلال کیا جارہا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان مرد کے لیے ان حوادث کے مقابلے میں خاموش رہنا بعید از قیاس ہے۔

اس موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نہ بیعت کی بات کرتے ہیں اور نہ ہی کوفہ والوں کی دعوت کی' نہ تو اس بیعت کی بات کرتے ہیں جو یزید نے طلب کی ہے اور نہ ہی اس دعوت کی بات کرتے ہیں جو اہل کوفہ نے دی ہے مسئلہ کیا ہے؟ کیا مسئلہ فقط بیعت کا تھا؟ یا دعوت کا مسئلہ تھا؟ یا منکرات کے خلاف اعتراض کا مسئلہ تھا؟ ان میں سے کونسا ایک مسئلہ تھا؟ ہم اس مسئلے کی کس بنیاد پر توجیح کریں گے؟ اس کے علاوہ یزید اور امامؑ کے زمانے سے پہلے اور اب کے دور میں کیا فرق تھا؟ بالخصوص معاویہ اور امام حسن علیہ السلام کا دور کہ امام حسین علیہ السلام نے ایک قدم بھی صلح کے لیے نہیں بڑھایا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام عوامل مؤثر تھے۔ یعنی یہ عوامل موجود تھے اور امام علیہ السلام نے ان عوامل پر ردعمل کا اظہار کیا' یہ عوامل یعنی بیعت کا انکار اور کوفہ والوں کی دعوت قبول کرنا اور اس دور میں منکرات اور فساد کے خلاف امامؑ کے ارادوں کو طاقت بخشی۔ یہ تمام عوامل حادثہ کربلا کے برپا کرنے میں مؤثر رہے جو کہ امام حسین علیہ السلام کے ارادوں اور ردعمل پر مشتمل ہیں۔

۷ا۔ اہل کوفہ کی آمادگی

ایسے عوامل بھی تھے جو اس تحریک حسینیؑ میں مؤثر رہے۔

الف: امام کی شخصیت' لائق' منصوص من اللہ' وارث خلافت اور معنوی مقامات کی حامل تھی' اس لحاظ سے آپ کے والد اور بھائی یکساں مقام کے حامل تھے۔ جس طرح یزید اور معاویہ کی حکومت ایک جیسی تھی۔ فقط خلافت کے لائق و وارث ہونا اور امامت کا معنوی مقام رکھنا امامؑ کو اس سلسلے میں اقدام کرنے کا ذمہ دار نہیں بنا دیتا۔ اگر لوگ یہ تشخیص کرلیں امام ہی سب سے صالح ہیں اور اس کے بعد ان کی بیعت کرلیں تو درحقیقت اس بیعت کے ذریعے وہ امامؑ کی ذمہ داری قبول کرتے اور اپنی صلاحیت اور آمادگی کا اعلان

تے ہیں، پھر امامؑ بھی اسے قبول کر لیتے ہیں، لیکن جب صورتحال یہ ہو کہ ایک طرف لوگ آمادہ نہ ہوں ور دوسری طرف حالات مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہوں تو ان دو عاملوں کی موجودگی میں امامؑ کا ۃ مخالفت کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا ساتھ دینا اور ہمراہی کرنا ہے۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے ایسا ہی کیا۔ پؑ خلفاء کے ساتھ سیاسی اور قضاوتی مشوروں میں شریک ہوتے تھے خود آپؑ نے فرمایا:

لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّی اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا مِنْ غَیْرِیْ وَ وَ اللّٰهِ لَاُسْلِمَنَّ مَا سَلِمَتْ اُمُوْرُ الْمُسْلِمِیْنَ وَ لَمْ یَکُنْ فِیْهَا جَوْرٌ اِلَّا عَلَیَّ خَاصَّة

تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کے لائق ہوں اور خدا کی میں اس وقت تک باہم صلح و آشتی کی راہ پر چلوں گا جب تک مسلمانوں کے امور ٹھیک رہیں اور ظلم ف میری ذات تک محدود رہے۔ (۷)

ب: یزید امامؑ سے بیعت لینا چاہتا تھا اور اس کام میں ذرا سی بھی گنجائش نہیں چھوڑی تھی، یزید نے لکھا: خُذِ الحسینَ بِالْبیعَةِ اَخذًا لَیْسَ فِیهِ رُخْصَة حسینؑ سے سختی کے ساتھ بیعت لو اور اس کام میں کوئی ئش نہ چھوڑی جائے۔

بیعت سے مراد دستخط کرنا، قبول کرنا اور تائید کرنا تھا۔

ج: امامؑ کے بیعت سے انکار کے بعد اہل کوفہ نے آپؑ کو دعوت دی اور قیادت کے حصول میں آپؑ مدد کے لیے اپنی تیاری اور آمادگی کا اعلان کیا۔ مسلسل خطوط آئے۔ امامؑ کے قاصد نے بھی لوگوں کی آمادگی کی تائید کی۔

د: اسلام میں ایک اصول امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے خصوصاً اس موقع پر کہ جہاں "عمل" جزئی مسائل کے حدود سے تجاوز کر گیا ہو، جہاں حرام حلال ہو جائے اور حلال حرام، بدعتیں پیدا ہو جائیں، عام لوگوں کے حقوق پامال ہو جائیں، ظلم زیادہ ہو، وہاں اس اصول پر عمل ہر مسلمان پر واجب ہے۔ امامؑ نے بارہا اسی اصول کو بیان کیا ہے۔ ایک جگہ پر فرمایا:

اِنِّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَلَا بَطِراً وَلَا مُفْسِداً وَلَا ظَالِمًا، وَ اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِی اُمَّةِ جَدِّی، اُرِیدُ اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنْهٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اَسِیرَ بِسِیرَةِ جَدِّی وَ اَبِی

میں شر پیدا کرنے، وحشت پھیلانے، فساد پھیلانے اور ظلم کرنے کے لیے نہیں نکل رہا ہوں بلکہ میں صرف اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے نکل رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو نیک کام کرنے کا مشورہ دوں اور برائیوں سے منع کروں اور اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کی سیرت پر چلوں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ جَدِّی رَسُولَ اللّٰہِ: مَنْ رَاٰی سُلْطَاناً جَائِراً مُسْتَحِلاً لِحُرَمِ اللّٰہِ

میں نے اپنے جد بزرگوار رسول اللہ سے سنا ہے: جو بھی ایسے حاکم کو دیکھے جو حرام خدا کو حلال کر رہا ہو۔۔۔

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ، وَ اَنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاهٰی عَنْهُ؟! لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِی لِقَاءِ اللّٰهِ مُحِقاً، اِنِّی لَا اَرَی الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَ الْحَیَاةَ مَعَ الظَّالِمِینَ اِلَّا بَرَمًا

کیا تم لوگ نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا، اور باطل کی کوئی انتہا ہی نہیں، اس صورتحال میں مومنین کے لیے سزاوار ہے کہ وہ مرنے کی تمنا کریں۔ میں موت کو سعادت کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتا او ظالمین کے ساتھ زندہ رہنے کو ذلت وخواری گردانتا ہوں۔

۱۸﴾ اہل کوفہ کی دعوت کی وجہ؟

یہ دعوت کس لیے تھی؟ قطعی طور پر زمام حکومت پر قبضہ کرنے، صاحب قدرت ہونے اور کوفہ کو مر

بنانے کی خاطر تھی۔کوفہ دنیائے اسلام کی فوجی چھاؤنی تھا۔کوفہ کے اشراف اور بڑے لوگوں نے جو خطوط لکھے تھے وہ مضبوط اصولوں پر مبنی تھے۔ان خطوط کو ہم نے نہضت حسینی کی یادداشت کے باب نمبر۱۶ میں نقل کیا ہے:

اما بعد فالحمد لله الذی قصم عدوک الجبار العنید الذی انتزیٰ علی هذه الامة فابتزها امرها' و غصبها و فیئها' و تأمر علیها بغیر رضاً مها' ثم قتل خیارها' واستبقیٰ شرارها' و جعل مال الله دولة بین جبابرتها و اغنیائها' فبعداً له کما بعدت ثمود' انه لیس علینا امام فاقبل لعل الله یجمعنا بک علی الحق

امابعد' حمد وستائش اس خدا کے لیے جس نے جبار اور سرکش دشمن کی کمر توڑ دی۔ وہی دشمن جس نے امت کے معاملات کو درہم برہم کر دیا اور امت کی حکومت کی مہار بزور اچک لی اور امت کی درآمد کو غصب کر لیا اور ان کی رضامندی کے بغیر ان پر فرمانروائی کی۔اس کے بعد امت کے نیک لوگوں کو قتل کر دیا اور بُروں کو باقی رکھا اور خدا کے خزانے کو مال داروں اور باغی افراد کے ہاتھوں میں دے دیا۔قوم ثمود کی طرح خدا ان کو اپنی رحمت سے دور کرے۔سچ ہے کہ اب ہمارا کوئی رہبر نہیں' آپ ہماری طرف جلد تشریف لائیں۔امید ہے کہ خدا ہمیں آپ کے وسیلے سے حق کے گرد جمع ہونے کی توفیق عنایت کرے گا۔

۱۹﴾ قیام امام حسینؑ کے چند نکات:

سانحہ کربلا میں کوفہ کا قیام امامؑ کے خلاف ایک تاریخی حجت شمار ہوتا ہے۔

{اس ضمن میں} چند قابل ذکر مطالب یہ ہیں:

امامؑ کا مکہ سے کوفہ کی طرف سفر صرف دعوت اہل کوفہ کی وجہ سے نہیں تھا{ بلکہ } امامؑ کسی بھی صورت

میں مکہ نہیں رہ سکتے تھے۔اس کے لیے ہمارے پاس چند قرائن موجود ہیں:

اولاً: امامؑ نے اعمال حج کو نا تمام چھوڑا۔ ہم جانتے ہیں کہ حج تمتع میں اعمال شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا واجب ہوتا ہے اور فقط بہت زیادہ ضروری اور اہم کام مثلاً قتل ہو جانے کا خوف وغیرہ ہو تب ہی حج جاری نہ رکھنے کا جواز بنتا ہے۔

ہم یہاں یہ فرض کر لیتے ہیں کہ امامؑ کا ابتداء سے ہی عمرہ تمتع بجالانے کا قصد نہیں تھا اور اول ہی سے عمرہ مفردہ کا قصد رکھتے تھے' اس لیے کہ امامؑ ان ایام میں قطعی طور مُحرم تھے اور احرام سے مُحل ہوئے تھے۔

ثانیاً: امام حسینؑ نے مکہ سے نکلتے وقت اپنے اس عمل کو حضرت موسیٰ بن عمران کے مصر سے نکل کر مشرق کی طرف صحرائے سینا کو طے کر کے فلسطین کی طرف آنے کے عمل سے تشبیہ دی۔ امامؑ اس وقت اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ' قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ' وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ(۸)

پس موسیٰ شہر سے باہر نکلے' خوف زدہ اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اور کہا کہ اے پروردگار! مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے سیدھے راستے کی ہدایت کر دے گا۔

حضرت موسیٰ نے ہجرت یہ اطلاع ملنے کے بعد کی تھی کہ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ (۹)

(موسیٰ) شہر کے بڑے لوگوں نے باہمی مشورہ کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں قتل کر دیں' لہٰذا تم شہر سے باہر نکل جاؤ میں تمہارے لیے نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں۔

ثالثاً: خود امامؑ نے ابوہرہ ازدی کے جواب میں فرمایا:

اِنَّ بَنِیْ اُمَیَّةَ قَدْ اَخَذُوْا مَالِیْ فَصَبَرْتُ وَ شَتَمُوْا عِرْضِیْ وَ فَصَبَرْتُ وَ

طَلَبُوا دَمِی فَهَرَبْتُ

بنوامیہ نے میرا مال غصب کیا۔ میری عزت وآبرو پر حملہ کیا میں نے صبر کیا۔ اب وہ میرا خون بہانا چاہتے ہیں اس لیے میں نکل پڑا ہوں۔

فرزدق کے سوال کے جواب میں آپؑ نے فرمایا:

لَوْ لَمْ اَعْجَلْ لَاُخِذْتُ

اگر جلدی نہ کروں تو گرفتار کرلیا جاؤں گا۔

شیخ مفیدؒ کہتے ہیں:

وَ لَمْ یَتَمَکَّنْ مِنْ تَمَامِ الْحَجِّ مُخَافَةَ اَنْ یُقْبَضَ عَلَیْهِ بِمَکَّةَ فَیُنْفَذَ بِهِ اِلٰی یَزِید بن مُعَاوِیَةَ

وہ اپنے حج کو تمام نہیں کر سکے کہ مکہ میں آپؑ کو گرفتار کر کے یزید بن معاویہ کے پاس نہ بھیج دیا جائے۔

۲۰۔ دونوں میں سے کونسا عامل مقدم تھا؟

ان دونوں عوامل میں سے کونسا دوسرے پر مقدم تھا؟

کیا پہلا عامل کہ امام حسین علیہ السلام نے بیعت سے انکار کر دیا تھا اس لیے اہل کوفہ نے انہیں بلا لیا یا کم سے کم وقت کے لحاظ سے ایسا ہوا یعنی بیعت سے انکار کے ایک مہینے سے زیادہ گزر جانے کے بعد اہل کوفہ کا دعوت نامہ پہنچا؟ یا معاملہ اس کے برعکس تھا؟ اہل کوفہ نے آپؑ کو بلایا تو امام حسینؑ نے دیکھا کہ اچھا! انہوں نے دعوت دی ہے تو مجھے مثبت جواب دینا چاہیے۔ معلوم ہے کہ جو شخص اتنے بڑے کام کے لیے امیدوار ہوتا ہے تو پھر اس کے لیے بیعت کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوتا۔ انہوں نے اس لیے بیعت نہیں کی کہ اہل کوفہ کے مطالبے پر مثبت جواب دے چکے تھے۔ تاریخ کے مطابق ان دونوں عوامل میں کونسا پہلا ہے اور کیوں؟ اس لیے کہ پہلے ہی دن جب معاویہ فوت ہو چکا تھا، امام حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ ہو چکا تھا۔ جیسے بھی ممکن ہو حیلے بہانے سے اپنی زندگی میں ہی امام حسینؑ اور دو تین لوگوں سے بیعت لے

لی جائے۔ لیکن ان لوگوں نے یہ بات نہیں مانی۔ بیعت کے مطالبے کا مسئلہ اور اس سے انکار، وقت کے اعتبار سے پہلا واقعہ ہے۔ خود یزید نے بھی معاویہ کے مرنے کے بعد {جو} خط بھیجا تھا جو ایک تیز رفتار ہرکارے کی معرفت چند دن کے اندر ہی اونٹ پر مدینہ پہنچ گیا اور جس شخص نے والی مدینہ کو معاویہ کے مرنے کی خبر دی اسی نے وہ خط بھی دیا کہ "خُذِ الْحُسَيْنَ بالبيعة اَخذاً شديداً امام حسینؑ اور دوسرے دو تین آدمیوں سے سختی سے یا جس طرح سے بھی ممکن ہو بیعت لی جائے۔ ابھی تک معاویہ کے مرنے کی خبر کوفہ بھی نہیں پہنچی تھی۔ اس کے علاوہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امام حسینؑ سے بیعت کا تقاضا کیا گیا تھا" امام حسینؑ نے بیعت سے انکار کر دیا اور راضی نہیں ہوئے۔ دو تین دن بعد پھر یہی گفتگو ہوئی۔ وہ لوگ آتے تھے کبھی نرم لہجے میں اور کبھی درشتی سے بات کرتے تھے یہاں تک کہ حضرتؑ نے مدینہ ہی چھوڑ دیا۔

امام حسینؑ ۲۷ رجب کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۳، شعبان کو مکہ پہنچ گئے۔ اہل کوفہ کا دعوت نامہ ۱۵ رمضان المبارک کو ملا۔ یعنی بیعت کے مطالبے اور امامؑ کے انکار کو ڈیڑھ ماہ گزر چکا تھا اور مکہ میں امامؑ کے قیام کو چالیس دن سے زیادہ گزر چکے تھے۔

اس لیے مسئلہ یہ نہیں ہے کہ پہلے انہوں نے دعوت دی بعد میں امامؑ نے انہیں مناسب جواب دیا اور چونکہ مثبت جواب دے دیا تھا اور ان کی طرف سے امیدوار بن گئے تھے پھر بیعت کرنا بے معنی تھا۔ یعنی آپؑ نے اس لیے بیعت نہیں کی کہ اہل کوفہ کو مثبت جواب دے چکے تھے۔ نہیں! اہل کوفہ کی دعوت درمیان میں آنے سے پہلے ہی آپؑ بیعت سے انکار کر چکے تھے اور فرمایا: میں بیعت نہیں کروں گا چاہے روئے زمین پر میرے لیے کوئی ٹھکانہ باقی نہ رہے۔ (۱۰)

۲۱۔ کوفہ کی طرف ہجرت کا سبب:

آپؑ اس لیے کوفہ چلے آئے کیونکہ آپؑ کے نمائندے مسلم بن عقیل نے لوگوں کو آمادہ کر لیا تھا آپؑ ان ستم رسیدہ افراد کی فریاد پر یہاں آئے تھے تاکہ طاقت کے ذریعے ظلم و استبداد کا خاتمہ کر دیں۔ بنو امیہ نے جو ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے اسے ویران کر دیں اور پھر اس ویرانے پر صد در صد اسلامی

حکومت کی بنیاد رکھیں' فرزند پیغمبرؐ کا یہ ارادہ تھا کہ طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے، اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے حسینؑ بن علیؑ کا آتش افروز خطاب اس بات کو روشن کرتا ہے کہ دشمن پر کامیابی کی شرائط موجود ہیں۔

۲۲۔ اہل کوفہ کی دعوت کا اثر

امام کوفہ کی سرحد پر پہنچتے ہیں تو لشکر حر سے سامنا ہوتا ہے۔ کوفہ کی عوام سے فرماتے ہیں' آپ نے مجھے دعوت دی ہے اگر آپ نہیں چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ واپس جا کر یزید کی بیعت کرلوں گا اور جو کچھ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے باب میں ہے اور جو فساد کے مقابلے میں ایک مسلمان کا وظیفہ اور شرائط بیان کی ہیں ان سے صرف نظر کرلوں گا {یا} بیعت کرکے اپنے گھر آرام سے بیٹھ جاؤں گا اور خاموش رہوں گا' ایسا نہیں ہے۔ میں اس حکومت کو صالح نہیں سمجھتا اور اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔ آپ لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے اور کہا: اے حسین! ہم تمہارے مقصد کے لیے تمہاری مدد کریں گے' اگر {آپ} بیعت نہیں کرنا چاہتے نہ کرو' امر بالمعروف اور نہی از منکر پر اعتراض ہے اور قیام کیا ہے ہم آپ کی مدد کریں گے۔

میں ان لوگوں کی خاطر آیا ہوں جنہوں نے میری مدد کا وعدہ کیا ہے' اب کہہ رہے ہو کہ اہل کوفہ اپنے وعدے پر عمل نہیں کر رہے' بہت اچھا ہم پھر کوفہ نہیں جاتے واپس چلتے ہیں وہاں جو ہمارا اصلی مرکز ہے' مدینہ' حجاز یا مکہ چلتے ہیں دیکھتے ہیں کہ خدا کیا چاہتا ہے بہر حال ہم بیعت نہیں کریں گے' چاہے اس کے لیے قتل بھی ہو جائیں پس اہل کوفہ کی دعوت کی یہ تاثیر تھی کہ امام مکہ سے باہر آئے اور کوفہ پہنچ گئے۔

۲۳۔ وظیفہ امامؑ

اہل کوفہ کی دعوت پر امام حسین علیہ السلام کا وظیفہ یہ بنتا ہے کہ آپؑ کوفہ تشریف لے جائیں جب تک وہ اپنے قول پر باقی ہیں۔ جب وہ شکست کھا گئے، اپنے قول سے پھر گئے اور واپس چلے گئے، پھر اس کے بعد امامؑ کا وظیفہ یہ نہیں بنتا کہ کوفہ جایا جائے۔

جب زمام حکومت سنبھالنے کا مسئلہ ان کی طرف ختم ہو جاتا ہے' تو پھر امام حسینؑ کا وظیفہ نہیں بنتا' لیکن امام حسینؑ کا مقصد اسی پر منحصر نہیں تھا' یہ عامل وقتی تھا' یعنی ایسا عامل کہ جس کا آغاز پندرہ رمضان المبارک سے ہوا۔ پے در پے خطوط کی آمد و رفت جاری رہی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا یہاں تک کہ امام عرب اور عراق کی سرحد پر کوفہ کے نزدیک پہنچ گئے۔

اس کے بعد حُر بن یزید ریاحی سے ملاقات ہوئی اور شہادت مسلم بن عقیل کی خبر ملی' یہاں اہل کوفہ کی دعوت کا موضوع ختم ہو چکا۔ اس نظر سے امامؑ کی ذمہ داری یہ نہیں تھی کہ کوفہ جائیں' لہٰذا جب امام اہل کوفہ سے مخاطب ہوئے، مخاطب کوفہ کے لوگ ہیں نہ کہ یزید اور حکومت وقت' شیعوں کی اس ہستی کے بارے میں فرمایا' مجھے دعوت دی تھی میں آ گیا ہوں' اگر آمادہ نہیں ہو تو واپس چلا جاتا ہوں' تم لوگوں نے دعوت دی تھی اس لیے یہ میرا وظیفہ بنتا تھا' لیکن اب اگر تم پشیمان ہو گئے ہو تو واپس چلا جاتا ہوں' آیا یہ کہ کیا اب بیعت کر لوں گا؟ ہرگز نہیں' یہ مسئلہ اور ہے چنانچہ خود ہی فرمایا کہ اگر روئے زمین پر کوئی بھی ایسی جگہ نہ مل سکے (کہ جہاں میں رہ سکوں) تب بھی بیعت نہیں کروں گا۔

۲۴۔ امام کا ولولہ انگیز بیان

''شہید جاوید'' کے مصنف نے یہاں ایک غلطی کی ہے' اس نے اہل کوفہ کی دعوت کو حد سے زیادہ اہمیت دے دی ہے۔ گویا اصلی اور اساسی عامل یہی ہے' البتہ یہ اجتہاد اور استنباط کا مسئلہ ہے' بہت اچھا کوئی استنباط کرے' پھر اشتباہ کر لے ایسا ہو سکتا ہے' اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ایک اشتباہ تھا' ایسا نہیں' تمام عوامل میں سے ایک معمولی سا عامل تاثیر کے لحاظ سے اہل کوفہ کی دعوت ہے۔ اگر اساسی عامل یہی ہوتا اور جب امامؑ کو خبر ملی کہ کوفہ کا نقشہ ہی بدل گیا ہے' تب امام اپنے تمام مقاصد جانے دیتے اور یہ کہہ دیتے' بہت اچھا اب جبکہ ایسا ہو چکا' پس میں بیعت کر لیتا ہوں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نام بھی نہیں لیتا' اتفاقاً قضیہ اس کے برعکس ہے {اس موقع پر} پر جوش خطبہ دیا کوفہ کی شکست کے بعد امامؑ کا یہ خطبہ جوش و ولولہ انگیز ہے۔

۲۵۔ مکہ سے ہجرت کی وجہ

۶۰ ہجری کو معاویہ اس دنیا سے رخصت ہوا' اس کے بعد کوفہ والوں نے امام حسینؑ کو دعوت دی تا کہ بطور خلیفہ ان کا انتخاب کریں۔

امام حسینؑ کوفہ چلے آئے' اہل کوفہ نے غداری اور بیوفائی کی، آپؑ کا ساتھ نہ دے سکے' امام حسینؑ قتل کر دیئے گئے! انسان جب یہ تاریخ پڑھتا ہے تب وہ سوچتا ہے کہ امام حسینؑ تو بڑے آرام سے اپنے گھر بیٹھے ہوئے تھے' کسی سے کوئی غرض نہیں تھی' کسی اور موضوع پر بات نہیں کی' فقط کوفہ کی دعوت تھی جو آپؑ کو حرکت میں لے آئی' جبکہ رجب کے آخر میں جو یزید کی حکومت کے ابتدائی ایام تھے' بیعت سے انکار کے باعث مدینے سے نکل پڑے' کیونکہ مکہ امن الٰہی کا مقام ہے' یہاں سب سے زیادہ امنیت تھی' مسلمان اس مقام کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں' وہاں چلے جاتے ہیں (معاویہ کی موت کے ابتدائی ایام ہیں' شاید ابھی تک یہ خبر کوفہ تک بھی نہ پہنچی ہو)' اس لیے نہیں کہ یہاں امن بہتر ہے بلکہ اس لیے کہ اچھا اجتماعی مرکز ہے۔

۲۶۔ اہل کوفہ کو امامؑ کو جواب

حضرت امام حسینؑ نے بھی حضرت مسلمؑ کو اہل کوفہ کے لیے اپنا سفیر متعین کرنے کے ضمن میں لکھا:

اِنّی بُعِثتُ اِلَیکُمْ اَخی وَ ابْنَ عَمِّي وَ ثِقَتی فی اَهْلِ بیتی... وَ لَعَمْرِیْ مَا الْاِمامُ اِلَّا الْعامِلُ بالکتابِ' القائمُ بالْقِسطِ' الدّائنُ بِدِینِ اللّٰہِ (۱۱)

میں اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور خاندان میں سے اپنے مورد اطمینان شخص کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رہبری اور امامت کے لیے کوئی سزاوار نہیں مگر وہ شخص جو خدا کی کتاب پر عمل کرتا ہو' قسط و عدل قائم کرتا ہو اور دین خدا کا حاکم اور عامل ہو۔

امامؑ کے اس خط سے حاکم اور حکومت کے بارے میں آپؑ کی رائے اور فکر کا پتا چلتا ہے' یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ امامؑ رہبری اور قیادت کے مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یہ بھی کہ یزید سب سے بڑا

منکر ہے۔ جس مقام اور منصب پر وہ بیٹھا ہے اسے بھی منکرات میں سے گردانتے ہیں۔

اس لحاظ سے امام حسینؑ کی حالت آپؑ کے پدر بزرگوار کی مانند تھی' امام علیؑ حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد آپؑ کی بیعت کے لیے آئے ہوئے اجتماع کو اپنے لیے اتمام حجت سمجھتے تھے' اس کے باوجود کہ آپؑ ان سے بیعت لینے کے حق میں نہیں تھے' کیونکہ آئندہ واضح نہ تھا' اسی لیے فرمایا:

فَاِنَّا مُسْتَقْبِلُوْنَ اَمْراً لَهٗ وَجُوهٌ وَ اَلْوانٌ(۱۲)

ہمارے سامنے وہ معاملہ ہے جس کے بہت سے رنگ وروپ ہیں۔ پھر فرمایا:

لَوْلَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَ قِیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ.. لَا لَا لَقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰی غَارِبِهَا وَ لَسَقَیْتُ اٰخِرَهَا بِکَاْسِ اَوَّلِهَا.

اگر حاضرین کی موجودگی اور انصار کے وجود سے حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی تو میں آج بھی اس خلافت کی رسی کو اس اونٹ کے کوہان پر ڈال کر ہنکا دیتا اور خلافت کے آخر کو اول ہی کے کاسہ سے سیراب کرلیتا۔

اتمام حجت کے یہ معنی نہیں کہ تمام الٰہی مخفی اسرار مردوں پر تمام ہو جائیں۔

لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْییٰ مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ(۱۳)

تاکہ جو بھی ہلاک یا زندہ رہے کسی دلیل کی بنیاد پر ہو بلکہ اتمام حجت سے مراد حاضر اور آئندہ آنے والے لوگوں پر امام کا حجت تمام کرنا ہوتا ہے' اگر امامؑ قطعی طور پر یہ دعوت قبول نہ کرتے تو لوگ امامؑ کے اس عمل کو ایک بہت مناسب موقع ہاتھ سے کھو بیٹھنا گردانتے۔

یزید کی بیعت سے انکار

۲۷۔ ذلت آمیز بیعت پر دستخط نہیں کیے

امام حسین علیہ السلام مدینہ میں ہیں' معاویہ مرنے سے پہلے {یزید کو} اپنا جانشین تسلیم کروانا چاہتا تھا۔ مدینہ آتا ہے چاہتا ہے تاکہ امام سے بیعت لے سکے' لیکن کامیاب نہیں ہوتا' معاویہ کے مرنے کے بعد یزید بیعت لینا چاہتا ہے' بیعت کرنا یعنی دستخط کرنا نہ فقط ایک شخص کی خلافت پر بلکہ اس سنت کو بھی قبول کرنا جس کی معاویہ بنیاد رکھ چکا تھا کہ پہلے والا بعد میں آنے والے خلیفہ کا تعین کرے' نہ یہ کہ خلیفہ چلا جائے تب لوگ خود خلیفہ کی جانشینی کا تعین کریں یا اگر شیعہ ہوتے تو اس نص کے مطابق عمل کرتے جو پیغمبرؐ سے ہم تک پہنچی۔' نہ اس حکم پر عمل کرنا جسے نہ شیعہ نے کہا اور نہ ہی سنی نے' ایک خلیفہ' دوسرے خلیفہ کو جانشین بنائے' اپنے بیٹے کو مسلمانوں کا ولی عہد مقرر کرلے۔

اس لیے بیعت قبول کرنا یعنی معاویہ کی اس سنت کو بھی قبول کرلینا تھا جو اس نے پہلی مرتبہ شروع کی تھی۔ یہاں امام حسینؑ سے بیعت چاہتے ہیں' یعنی ان کی طرف بیعت کا تقاضا ہوا ہے' امام حسینؑ ردعمل ظاہر کرتے ہیں منفی ردعمل' بیعت چاہتے ہو؟ نہیں کرتا۔ یہاں امام کا عمل ایک منفی عمل ہے لیکن یہ صفت تقویٰ ہے اس صفت سے کہ معاشرے میں ہر انسان اس کا سامنا کرتا ہے جب مختلف صورتوں میں اس سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے شہوت' مقام کی صورت میں رعب و دبدبہ کی صورت میں' لیکن وہ ان کے مقابلے

میں کہتا ہے' نہیں' یعنی تقویٰ۔

یہاں تک کہ اس تحریک کی ماہیت منفی ردعمل ہے۔ غیر مشروع کے مقابلے میں دوسری تعبیر کے مطابق' اس کی ماہیت تقویٰ ہے۔ پہلے حصے کی ماہیت لا الہ الا اللہ یعنی لا الہ ہے' غیر مشروع تقاضے کے مقابلے میں نہیں کہنا تقویٰ ہے۔

۲۸۔ تحریک حسینی کے عناصر

مرگ معاویہ کے بعد یزید فوراً شام سے حاکم مدینہ (ولید بن عتبہ بن ابی سفیان) جو بنی امیہ میں سے تھا کو خط لکھا' جس میں مرگ معاویہ کی خبر دی اور بتایا کہ باپ کی جگہ پر اب میں بیٹھ گیا ہوں۔ خط میں چند لوگوں کے نام لکھے: سب سے اہم نام امام حسینؑ کا تھا کہ ان سے حتماً بیعت لی جائے' امام حسینؑ بیعت کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور (داستان جو کہ مکرر سن چکے ہیں) مکہ کی طرف چلے گئے۔ رجب کا آخری عشرہ تھا کہ مرگ معاویہ کی خبر مدینہ پہنچی اور ساتھ ہی بیعت کا تقاضا کر دیا گیا۔

شاید ستائیس رجب تھی کہ جب امام حسینؑ نے مکہ کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا' تین شعبان جو کہ آپؑ کی ولادت باسعادت کا دن بھی ہے' مکہ پہنچ گئے' آٹھ ذی الحجہ تک مکہ میں مقیم رہے' بہرحال کسی بھی صورت میں بیعت کے لیے آمادہ نہ ہوئے اس 'منفی جواب دینے' والی گفتگو نے تحریک کو مخصوص ماہیت دے دی' یہ ماہیت جابر اور قدرتمند حکام کے تقاضے کے مقابلے میں نہ کہنا اور تسلیم نہ ہونا ہے۔

ایک اور عنصر جو اس تحریک میں داخل ہے وہ امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے کہ جو خود حسینؑ بن علیؑ کے کلمات میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس کے بہت سے شواہد اور دلائل ہیں' یعنی اگر آپؑ سے بیعت کا تقاضا نہ کیا جاتا تب بھی آپؑ خاموش نہ بیٹھتے۔ ایک اور عنصر اتمام حجت ہے' اس دور میں اسلام کے تین بڑے پرتاثیر مراکز تھے' مدینہ جو کہ پیغمبر اکرم کا دار الھجرہ تھا' شام جو کہ دار الخلافہ تھا اور کوفہ جو کہ پہلے امیر المؤمنینؑ کا دار الخلافہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ نیا شہر تھا جسے مسلمان فوجی سربراہوں نے عمر بن خطاب کے دور میں تعمیر کیا تھا' اسے اسلامی چھاؤنی کی حیثیت حاصل تھی' اس لیے یہ

شام کی برابری کرتا تھا' کوفہ کے لوگ جب آگاہ ہوگئے کہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی تب وہاں سے اٹھارہ ہزار کے قریب خطوط لکھے گئے۔

۲۹۔ امامؑ نے انکار کر دیا

امام کا بیعت نہ کرنا یعنی معترض ہونا' قبول نہ کرنا' یزید کی اطاعت کو لازمی نہ سمجھنا بلکہ اس کی مخالفت کو واجب سمجھنا۔ وہ کہتے تھے کہ بیعت کرو' امام فرماتے تھے بیعت نہیں کروں گا' اب اس تقاضے کے مقابلے میں' اس عامل کے مقابلے میں امامؑ کا وظیفہ کیا ہے؟ انکار کے علاوہ اور کوئی وظیفہ نہیں بنتا' میں بیعت نہیں کروں گا' اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں' کیا بیعت کرو گے؟ نہیں اگر بیعت نہیں کرو گے تو قتل کر دیے جاؤ گے! میں قتل ہونے کے لیے تیار ہوں' لیکن بیعت نہیں کروں گا یہاں امام کا جواب فقط ''نہ'' ہے۔

۳۰۔ امام حسینؑ کو بیعت کے لیے طلب کرنا

حاکم مدینہ بنی امیہ کے خاندان میں ایک تھا' اس نے امام کو طلب کیا (البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بنی امیہ کے تمام افراد ناپاک عناصر تھے لیکن یہ ان سب سے مختلف تھا۔)

آپؑ اس وقت مسجد نبوی میں تھے' عبداللہؓ بن زبیرؓ آپؑ کے ہمراہ تھے۔ آپؑ کو بتایا گیا کہ مدینہ کے حاکم نے طلب کیا ہے وہ آپؑ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ آپؑ نے قاصد سے کہا تم جاؤ' ہم بعد میں آتے ہیں۔ عبداللہؓ بن زبیرؓ نے کہا: اس وقت حاکم نے ہمیں طلب کیا ہے تو آپ کیا اندازہ کر سکتے ہیں؟

امامؑ فرماتے ہیں: اَظُنُّ اَنَّ طَاغِیَتَهُمْ قَدْ هَلَکَ

میرا اندازہ یہ ہے کہ ان کا حاکم فوت ہو چکا ہے اب ہمیں بیعت کے لیے بلایا جا رہا ہے۔

عبداللہؓ بن زبیرؓ نے کہا: آپؑ نے درست اندازہ لگایا۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں اب آپؑ کیا کریں گے؟

امامؑ نے فرمایا: میں جاؤں گا' تم کیا کرو گے؟

ابھی دیکھتا ہوں کہ کیا کرنا چاہیے۔

۳۱﴾ مخفی بیعت کی درخواست

عبداللہ بن زبیرؓ رات کی تاریکی میں کسی اور راستے سے مکہ چلے گئے اور وہاں چھپ گئے۔ امامؑ بنی ہاشم کے چند جوانوں کو ہمراہ لے گئے اور کہا: تم سب باہر کھڑے رہنا' اگر میری آواز بلند ہو' تب اندر داخل ہو جانا۔ لیکن جب تک میری صدا بلند نہ ہو داخل نہیں ہونا۔

مروان بن حکم' یہ اموی پلید جو کسی دور میں مدینہ کا حاکم تھا' وہاں موجود تھا۔ (۱۷)

حاکم نے چرب زبانی سے باتیں شروع کر دیں' کہنے لگا لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے' معاویہ کی رائے یہ تھی' اسلام کی مصلحت اسی میں ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ بیعت کر لیں' اسلام کی مصلحت کا تقاضا {اسی میں} ہے۔ بعد میں آپؑ جو حکم دیں گے اس کی اطاعت ہو گی۔ تمام نقائص جو {نظام حکومت میں} موجود ہیں دور کر دیئے جائیں گے۔

امامؑ نے فرمایا: تم کس لیے مجھ سے بیعت لینا چاہتے ہو؟ لوگوں کی خاطر چاہتے ہو' یقیناً خدا کے لیے نہیں چاہتے۔ اس لیے کہ آیا یہ خلاف شرعی ہے یا غیر شرعی ہے' میں بیعت کر لوں تا کہ یہ شرعی ہو جائے' کیا ایسا نہیں ہے؟ اس لیے بیعت لینا چاہتے ہو تا کہ لوگ بیعت کر لیں۔ انہوں نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔

فرمایا: تو پھر اس کمرے میں ہم تینوں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟

حاکم نے کہا: آپ ٹھیک کہتے ہیں اس کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔

امامؑ نے فرمایا: اب مجھے چلنا چاہیے۔

حاکم نے کہا: بہت اچھا' تشریف لے جائیں۔

مروان بن حکم نے کہا: یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اگر اب یہ چلے گئے تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بیعت نہیں کریں گے؟ خلیفہ کا فرمان جاری کر دو۔

امامؑ نے مروان کو گریبان سے پکڑ لیا اور اسے اوپر اٹھا لیا اور زور سے زمین پر پٹخ دیا اور فرمایا تم ابھی اس قابل نہیں ہوئے' چھوٹا منہ بڑی بات۔

۳۲۔ آخری سانس تک بیعت سے انکار

یزید نے اپنے خط میں خاص طور پر یہ لکھا: ''خُذِ الْحُسَیْنَ بِالْبَیْعَةِ اَخْذًا شَدِیْدًا۔ حسینؑ سے بیعت لینے کے لیے سخت اور موثر طریقہ اختیار کیا جائے جب تک بیعت نہ کرلیں انہیں چھوڑا نہ جائے۔

امام حسینؑ بڑی شدت سے اس تقاضے کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے اور کسی بھی صورت میں یزید کی بیعت کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ جواب منفی تھا اور یہ منفی جواب حیات امامؑ کے آخری روز تک بھی {برقرار رہا} جب کربلا میں عمر سعد نے امامؑ کے ساتھ مذاکرات کیے' چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے امامؑ کو یزید کی بیعت کے لیے آمادہ کیا جائے' صلح بھی ایک قسم کی بیعت ہی تھی' لیکن امام نے انکار کر دیا' روز عاشورا امامؑ نے جو فرمایا اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ امامؑ مکمل طور پر اول سے لیکر آخر تک اپنے اسی قول پر باقی رہے۔

لا' وَاللهِ لا اُعطِیکُمْ بِیَدِی اِعْطَاءَ الذَّلِیلِ وَ لا اُقِرُّ اِقْرارَ الْعَبِید

''خدا کی قسم میں ہرگز اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گا' کبھی بھی یزید کی بیعت نہیں کروں گا''۔

حتیٰ کہ اب جتنی کڑی شرائط موجود ہیں میں دیکھ رہا ہوں کہ قتل ہو جاؤں گا' عزیز بھی قتل ہوں گے' دوست بھی مارے جائیں گے' خاندان اسیر ہو گا' لیکن بیعت نہیں کروں گا۔

۳۳۔ شہید عقیدہ

معاویہ کے اس دنیا سے چلے جانے سے پہلے اور بعد میں اسی طرح یزید کے دور میں چاہے امامؑ مدینہ تھے یا مکہ میں' راستے میں تھے یا کربلا میں' یہ {بنوامیہ} فقط ایک امتیاز چاہتے تھے۔ اگر امامؑ انہیں یہ امتیاز دے دیتے پھر انہیں امامؑ سے کوئی غرض نہیں تھی بلکہ انعام واکرام سے بھی نوازتے۔ لیکن امامؑ نے یہ رنج برداشت کیے اور شہادت کو گلے لگایا' لیکن وہ جس امتیاز کے خواہاں تھے حاصل نہ کر سکے وہ امتیاز، رائے اور عقیدہ کو فروخت کرنا تھا' اس دور میں بیلٹ بکس یا انتخاب کا طریقہ کار رائج نہیں تھا' اس دور میں بیعت آج ووٹ دینے کے مترادف ہے۔ پس اگر امامؑ ایک غیر مشروع (جس کی شریعت اجازت نہ دے)

ووٹ دے دیتے تو ایسے شہید نہ ہوتے مگر {امامؑ } نے رائے اور عقیدہ کو فروخت نہیں کیا۔

۳۴﴾ قیام امام حسینؑ میں موثر عوامل

قیام امام حسینؑ میں چند عوامل مدنظر رہنے چاہئیں۔

الف: امام حسینؑ سے یزید کی خلافت کے لیے بیعت اور دستخط کا تقاضا کیا گیا' اس بیعت کے کتنے اثرات تھے؟ اور ابوبکر یا عمرؓ عثمان اور معاویہ کے ساتھ صلح اور یزید کے ساتھ بیعت میں کس قدر فرق ہے۔ اہل فکر ونظر کے قول کے مطابق اس بیعت کا پہلا اثر علیؑ پر سب ولعن پر دستخط کرنا تھے جس کا معاویہ کے دور میں آغاز ہوا تھا۔ اسی عہد اور وراثت پر دستخط مراد تھے۔

ب: خود فرماتے ہیں: اسلام کا اصول یہ ہے کہ ظلم وفساد کے مقابلے میں خاموش نہیں رہنا چاہیئے یہ امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے۔ پیغمبرؐ سے خود روایت کرتے ہیں۔

مَنْ رَاٰی سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًا لِحُرُمِ اللّٰهِ...

یہ بھی فرمایا: اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ...

جو بھی کسی ایسے حاکم کو دیکھے کہ جو حرام خدا کو حلال کر رہا ہو۔ کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا؟

ج: اہل کوفہ نے آپ کو دعوت دی اور خطوط لکھے۔ اٹھارہ ہزار لوگوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا اصلی عامل اہل کوفہ کی دعوت تھی' ورنہ امام حسینؑ ہرگز مخالفت نہ کرتے اور بیعت کر لیتے (۱۸)؟ یہ مطلب امام حسینؑ کے عقیدے کے خلاف تھا' آپ ہرگز بیعت نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ تاریخ کہتی ہے: کہ جب بیعت قبول نہ کرنے کی خبر کوفہ پہنچی' تو کوفہ کے لوگوں نے ایک اجتماع کیا اور عہد کیا' پھر دعوت کے خطوط لکھے' پہلے دن جب آپؑ مدینہ میں تھے' بیعت طلب کی گئی' بلکہ معاویہ نے اپنے دور میں آپؑ سے بیعت لینا چاہی اور امام حسین علیہ السلام نے انکار کر دیا' یزید کی بیعت کرنا اس کی حکومت کو درست اور صالح قرار دینے کے مترادف تھا' جس سے اسلام کا خاتمہ لازمی امر تھا۔

وَ عَلَی الْاِسلامُ السلام اِذْ قَدْ بُلِیَت الامّۃ بِراعٍ مِثْلِ یزید(۱۹)

پس ''بیعت سے انکار'' خود اصلی موضوع تھا۔ حسین علیہ السلام قتل ہونے کے لیے تیار تھے لیکن بیعت کے لیے نہیں۔ کیونکہ بیعت سے اسلام کو خطرہ تھا نہ کہ آپؑ کی شخصیت کو بلکہ اسلام کی اساس کو خطرہ تھا' یعنی حکومتِ اسلامی کا مسئلہ تھا' نہ کہ جزئی یا فرعی اور تقیہ کا مسئلہ یا کوئی دوسرا موضوع بھی اصل تھا' اس نظر سے ہمیں مطالعہ کرنا چاہیے کہ آیا امر بالمعروف کی شرط یعنی نتیجہ اور اثر کا احتمال دینا یہاں تھا یا نہیں؟ امامؑ کے فرمان کے مطابق کہ فرمایا:

ثُمَّ ایْمُ اللّٰہِ لا تَلْبثونَ بَعْدَھا اِلّا کَرَیْثما یُرْکَبُ الْفَرَسُ حَتّٰی تَدُوْرَبِکُمْ دَوْرَ الرَّحٰی وَ تُقْلَقُ بِکُمُ الْمِحْوَرِ

پھر خدا کی قسم! اس کے بعد تم اتنی دیر ہی رہ سکو گے کہ جتنی دیر گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے۔ یہاں تک کہ چکی کی گردش تم کو چکرا دے گی اور پیس ڈالے گی۔

یا اس شخص کے جواب میں کہ جسے ''ریاش'' نے نقل کیا ہے:

اِنَّ ھٰؤُلاءِ اَخافونی وَ ھٰذِہٖ کُتُبُ اَھْلِ الکوفَۃِ وَ ھُمْ قاتِلی فَاِذا فَعَلوا ذٰلِکَ وَلَمْ یَدَعوا لِلّٰہِ مُحَرَّمًا اِلّا انْتَھکوہُ بَعَثَ اللّٰہُ اِلَیھِمْ مَنْ یَقْتُلُھُمْ حَتّٰی یَکُونُوا اَذَلَّ مِنْ قَوْمِ الْاَمَۃِ (فرام الْاَمَۃِ)

ان لوگوں نے مجھے ڈرایا ہے۔ یہ اہل کوفہ کے دعوت نامے ہیں۔ یہی میرے قاتل ہیں۔ مجھے قتل کرنے کے بعد پھر یہ کسی حرمت کی ہتک سے گریز نہیں کریں گے۔ خداوند عالم ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انہیں قتل کر دیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ''خرقہ حیض'' سے بھی زیادہ ذلیل تر ہو جائیں گے۔

اور اسی طرح جب اہل بیت کو دوسری مرتبہ الوداع کہا تب فرمایا:

اِسْتَعِدّوا لِلْبَلاءِ وَاعْلَموا اَنَّ اللّٰہَ حافِظُکُمْ وَ مُنْجیکُمْ مِنْ شَرِّ الْاَعْداءِ وَ یُعَذِّبُ اَعادیکُمْ بِاَنْواعِ الْبَلاءِ

تم لوگ ہر مصیبت کے لیے تیار ہو جاؤ اور یہ جان لو کہ خدا تم سب کا محافظ و مددگار ہے اور وہی تمہیں

دشمنوں کے شر سے نجات دے گا اور وہی تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ آگاہ تھے کہ آپؑ کے قتل کے بعد آپؑ کا خون جوش میں آئے گا اور آپؑ کی شہادت لوگوں کی بیداری کا باعث بنے گی' پس شہادت ہی مؤثر تھی۔

لیکن تیسرا عامل فقط اس قدر مؤثر تھا کہ امامؑ کی توجہ کوفہ کی طرف ہوگئی' امام اگر کوفہ نہ جاتے تو کیا امن و امان میں رہتے؟ اگرچہ مکہ یا مدینہ میں ہی رہتے کیونکہ بیعت سے انکار کر دیا تھا اس کے علاوہ خلافت یزید پر معترض تھے' اس لیے آپؑ کی جان کو خطرہ تو تھا' کہ کہیں ''مکہ جو کہ حرم امنِ الٰہی ہے میں قتل نہ ہو جاؤں'' اس سے بچنا چاہتے تھے' راستہ میں حُر کے لشکر سے خطاب میں کہا اور جو خط عمر سعد کے ذریعے ابن زیاد کو لکھا اور خود کربلا میں عمر سعد کو بھی کہا: ''کہ اگر نہیں چاہتے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں'' کہنا یہ چاہتے ہیں عراق کیوں آیا ہوں نہ کہ یہ اس قضیہ کا ایک ہی پہلو ہے اور وہ اہل کوفہ کی دعوت ہے اور پھر عراق چلے جانے سے پشیمانی ہے۔ امام حسینؑ نے یہ نہیں کہا کہ اہل کوفہ نے وعدہ وفائی نہیں کی پس میں بیعت کرتا ہوں یا یزید کی خلافت پر اعتراض واپس لیتا ہوں اور آئندہ خاموش رہوں گا۔

۳۵﴾ ذلت قبول نہیں

امام عالی مقام شہید ہونے کے لیے آمادہ تھے' لیکن کسی بھی قیمت پر بیعت کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لحاظ سے امامؑ کا وظیفہ فقط' انکار' تھا' یعنی انکار کرنا تھا۔ امامؑ یہ وظیفہ ملک سے باہر جا کر یا پہاڑوں میں پناہ لے کر (جیسا کہ ابن عباسؓ نے مشورہ دیا تھا) یا مخفی رہ کر بھی انجام دے سکتے تھے۔ بالفاظ دیگر اس زاویہ سے امامؑ کی روش فقط یزید کے آگے نہ جھکنا تھا' خواہ وہ زمین میں چھپ کر اور سرحد سے خروج کر کے یا شہید ہو کر ہو۔

بیعت کے مقابل امامؑ کی روش نہ تو حکومت ہاتھ میں لینے کے امکان تک محدود ہے اور نہ اسے شہادت تک محدود ہونا چاہیے۔ (یعنی اس کے لیے کوئی حدود و قیود نہیں) اس عامل کے مقابل امامؑ کے لیے کوئی بھی مثبت وظیفہ مثلاً انقلاب کو وسعت دینا یا دعوت وغیرہ کے لیے کوئی پروگرام بنانا واجب نہیں

بلکہ اس موقع پر مسلمانوں کو خونریزی سے بچانا لازم تھا۔

اس لحاظ سے امامؑ کو فقط کہنا چاہیے "نہیں"، امام حسینؑ اگر بیعت کر لیتے تو اس بیعت کو قطعی طور پر سنجیدہ اور از روئے قبولیت تصور کیا جانا اور حقیقت میں یزید کی خلافت کو صحیح ماننا تصور کیا جاتا۔ ہمارے پاس ایسے قرائن اور شواہد موجود ہیں کہ امام کسی بھی صورت میں بیعت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

آقائے صالحی کتاب "مقتل خوارزمی" سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے محمد بن حنفیہؓ سے گفتگو کے دوران یہ فرمایا:

لو لم یکن فی الدنیا ملجا و لا ماوی لما بایعت یزید بن معاویہ

اگر دنیا میں میرے لیے کوئی بھی پناہ گاہ نہ رہے تب بھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا۔

۳۶﴾ مرد بیعت و تسلیم نہیں تھے

امام بیعت کرنے اور تسلیم ہونے کے لیے قطعاً راضی نہیں تھے' خود امام حسینؑ فرما چکے تھے کہ میں کسی بھی صورت میں بیعت نہیں کروں گا۔

و لو لم یکن ملجا و لا ماوی

اگرچہ میرے لیے کوئی بھی پناہ گاہ نہ ہو۔ یعنی چاہے کوفہ والے مجھے قبول کریں یا نہ کریں، میں بیعت نہیں کروں گا۔ چنانچہ ہمیں یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ کوفہ والوں کی طرف سے مایوسی کے باوجود آپؑ نے ان پر تنقید کرنے سے گریز نہیں کیا۔ بلکہ حُر سے آمنا سامنا ہونے اور کوفہ کے احوال سے باخبر ہونے کے بعد تو آپؑ نے اور بھی سخت لہجہ اختیار کر لیا۔ حضرت مسلم یا قیس بن مسہر یا عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر ملنے کے بعد آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (سورہ احزاب آیت ۲۳)

مومنین میں ایسے بھی مرد میدان ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کر دکھایا۔

کوفہ کے حالات کے تبدیل ہونے کے بعد امامؑ کا جرأت مندانہ اور پائیدار طرز عمل اختیار کرنا اس لیے

تھا یہ سمجھ لیا جائے کہ آپؑ کا بیعت سے انکار کرنا اور اسی طرح ان پر {حکومت} تنقید واعتراض کرنا فقط کوفہ پر حکومت کرنے کے لیے نہیں تھا۔ امامؑ کا انصراف (واپس لوٹنے کا اعلان) کرنا فقط کوفہ سے واپس جانے کا اعلان ہے نہ کہ بیعت سے انکار اور نہ ہی اعتراض وتنقید اور امر بالمعروف ونہی از منکر سے انکار ہے۔

آقائے صالحی کے عقیدہ کے برخلاف آپؑ کا بیعت نہ کرنا اور حکومت پر تنقید کرنا' کوفہ کے حالت سے وابستہ نہیں تھا کہ اگر یہ حالات فراہم نہ ہوں تب بیعت کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور اعتراض کو بھی ترک کر دیں گے۔ جی ہاں! حسینؑ تنقید کے خطرے سے آگاہ تھے اور اس کے خونی اثرات سے بھی واقف تھے۔ لیکن آپؑ چاہتے تھے کہ آپؑ کے اس جرم کے اعلان کو خون سے لکھا جائے تا کہ کبھی بھی مٹنے پائے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپؑ نے کوئی ایسا راستہ اختیار نہیں کیا کہ کم از کم آپؑ کے فرزند اور اصحاب قتل ہونے سے بچ جاتے۔ فرض کریں کہ امامؑ اپنے لیے خطرہ دیکھ رہے تھے لیکن اپنے اصحاب اور خاندان کو تو قطعی طور پر خطرے میں نہیں دیکھ رہے تھے' پھر کیوں ایسا ہوا کہ آپؑ آمادہ تھے کہ وہ لوگ بھی قتل ہوں؟ اس کے علاوہ کیوں عبید اللہ حر جعفی کو اضحاک بن عبداللہ مشرقی کو حتیٰ حُر بن یزید سے ملاقات ہونے کے بعد اپنا ساتھ دینے کی دعوت دی؟ (تاریخ کی کتب سے رجوع کریں کہ یہ کام حُر سے سامنا ہونے کے بعد میں ہوا ہے یا نہیں) اور خصوصاً بنی اسد کو کیوں شب عاشور ساتھ دینے اور نصرت کرنے کی دعوت دی؟

۳۷۔ تبلیغ سے استفادہ

تحریک حسینی میں تبلیغ سے استفادہ کرنے کا معنی اس وقت درست ہے کہ جب ہم اس تحریک میں فقط بیعت سے انکار کو عامل نہ سمجھیں بلکہ دو اور عوامل یعنی کوفہ کے لوگوں کی دعوت قبول کر کے زمام امور اپنے ہاتھ میں لینا اور دوسرا عامل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی ساتھ رکھیں البتہ کوفہ کی خاموشی کے بعد تبلیغ سے جتنا بھی استفادہ ہو سکا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مخصوص ہے۔

[stamp]

امر بالمعروف ونہی از منکر کا احیاء

۳۸۔ امر بالمعروف ونہی از منکر کی عظمت

دوسرے دو عوامل کی مانند تیسرے عامل کو بھی تاریخ نے بیان کیا ہے' وہ امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے نکلے تو اس عامل کا اعلان کر دیا' کیونکہ مجھ سے بیعت چاہتے ہیں لیکن میں اسے قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے خلاف قیام کروں گا' یہاں تک کہ اگر بیعت کے لیے نہ بھی کہیں تب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وظیفہ انجام دینے کے لیے قیام کروں گا۔ اہل کوفہ کی دعوت قیام کا باعث نہیں ہے بلکہ اہل کوفہ کی دعوت دو ماہ بعد ملی۔ پہلے ہی دن اہل کوفہ نے دعوت نہیں دی تھی' دنیا اسلام منکرات سے پُر ہو چکی ہے' پس اپنا دینی فریضہ' شرعی مسئولیت اور اپنی ذمہ داری کو انجام دوں گا۔

پہلے عامل میں امام حسینؑ دفاع کر رہے ہیں۔ آپ سے بیعت طلب کرتے ہیں' لیکن آپ انکار دیتے ہیں اور اپنا دفاع کرتے ہیں' دوسرا عامل (دعوت اہل کوفہ) ایسا ہے کہ اس میں امام حسینؑ تعاون کے لیے تیار ہیں' کیونکہ اہل کوفہ نے آپ سے مدد طلب کی ہے' لہٰذا مثبت جواب دیا' تیسرا عامل ایسا ہے امام حسینؑ مقابلے کے لیے تیار ہو گئے' یہاں آپ نے حکومت وقت کا گھیراؤ کیا' اس عامل کی مناسبت سے آپ ایک انقلابی مرد ہیں اور انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔

۳۹۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت

اب ہم ان تینوں عوامل یعنی دعوت اہل کوفہ کہ جس کی ماہیت تعاون ہے' عامل بیعت جس کی ماہیت دفاع ہے اور امر بالمعروف ونہی از منکر کی جس کی ماہیت مزاحمت اور چڑھائی کرنا ہے۔

کونسا عامل ان تینوں میں سے سب سے زیادہ لائق اہمیت ہے' البتہ تینوں اہمیت کے لحاظ سے ایک ہی درجہ پر نہیں۔ ہر عامل ایک معین درجہ کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ جس قدر اس عامل کی اہمیت ہے اسی قدر اس نے اس تحریک میں مدد کی ہے' اہل کوفہ کی دعوت، لوگوں کی آمادگی، جو اس کام کے لیے معاون تھے اس کے لیے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا' اس کی بھی اہمیت بہت زیادہ ہے لیکن اس سے زیادہ' بیعت کا تقاضا اور امامؑ کا انکار کر دینا، بلکہ قتل ہونے کے لیے آمادہ ہو جانا ہے۔ لیکن بیعت نہ کرنا بھی نہایت اہم ہے۔ تیسرا عامل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جو اور بھی زیادہ اہم ہے لہٰذا تیسرے عامل نے اس تحریک کو زیادہ با اہمیت بنایا ہے۔

۴۰۔ امامؑ کا واضح ترین ہدف

امام حسینؑ نے معاویہ کو اس کی زندگی کے آخری ایام میں ایک خط لکھا' آپؑ نے اس کی ملامت کی اور یہ جملہ لکھا' اے معاویہ بن ابی سفیان! خدا کی قسم میں اب تمہارے ساتھ نبرد آزمائی نہیں کرتا' ڈرتا ہوں کہ کہیں بارگاہ الٰہی میں مقصر نہ بن جاؤں' کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ خیال نہ کرو کہ حسینؑ آج خاموش ہے' اس لیے قیام نہیں کرے گا' میں ایک مناسب موقع کی تلاش میں ہوں تاکہ میرا قیام مؤثر ثابت ہو اور جس ہدف تک میں پہنچنا چاہتا ہوں اور کوشش کر رہا ہوں آگے بڑھوں۔ پہلے ہی دن جب آپ مکہ سے باہر آئے تب محمد بن حنفیہؒ سے وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

اِنّی ماخَرَجتُ اَشِراً وَلا بَطِراً وَلا ظالِماً' وَ اِنَّما خَرَجتُ لِطَلَبِ الْاِصْلاحِ فی اُمَّةِ جَدی اُریدُ اَنْ اٰمُرَ بِالمعروفِ وَ اَنْهیٰ عَنِ المنکرِ

میں شر پیدا کرنے' دہشت پھیلانے' فساد برپا کرنے اور ظلم کرنے کے لیے نہیں نکلا ہوں بلکہ صرف

اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے نکل رہا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو نیک کام کرنے کا مشورہ دوں اور برائیوں سے منع کروں۔

۴۱ دنیا کے لوگ جان لیں!

جب امام حسینؑ مدینہ سے سفر کرنے لگے' تو حملہ کرنے کی حالت میں تھے' اپنے بھائی محمد بن حنفیہؓ سے جو وصیت کی' اس میں یہ فرمایا

:اِنِّی لَمْ اُخْرُجْ اَشِراً وَلَا بَطِراً وَلَا مُفْسِدًا وَلَا ظَالِماً' اِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِی اُمَّةِ جَدی اُرِیْدُ اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ اَنْهٰی عَنِ المنکر و اسیر بسیرة جدی و ابی

دنیا کے لوگوں کو یہ جان لینا چاہیے' میں ایک جاہ طلب' مقام طلب' خلل ڈالنے والا' فساد اور ظلم کرنے والا شخص نہیں ہوں' میرا مقصد و ہدف یہ نہیں ہے' میرا قیام کرنا اصلاح طلبی کی خاطر ہے' اس لیے گھر سے نکلا ہوں اپنے جد کی امت کی اصلاح کروں' میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس خط میں (محمد بن حنفیہ سے) نہ تو بیعت کا کہیں ذکر ہے اور نہ ہی اہل کوفہ کی دعوت کا تذکرہ ہے، کیونکہ ابھی تک اہل کوفہ کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوا۔

۴۲ تحریک حسینی کی اہمیت

تحریک حسینی میں تین عوامل موثر رہے' ایک بیعت سے انکار' دوسرا اہل کوفہ کی دعوت قبول کرنا اور تیسرا کہ جو ان دونوں سے زیادہ مستقل ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ معلوم ہوا کہ یہ تینوں عوامل میں سے ہر ایک خود بخود امام حسینؑ کے لیے وظیفہ اختیار کرتے رہے' ان کی وجہ سے ایک خاص ردعمل وقوع پذیر ہوتا رہا' ہم نے عرض کیا ہے کہ اس تحریک کی اہمیت ان تینوں عوامل کے لحاظ سے مختلف ہے' اگر تنہا اہل کوفہ کی دعوت کو مدنظر رکھیں تو اس کی ایک معین حد تک اہمیت ہوگی اگر انکار بیعت کے عامل کو لیں تب اس کی اہمیت اور زیادہ قابل دید ہوگی' اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر نظر رکھیں تب یہ دسیوں درجے بالاتر

اور اہم تر ہو جاتی ہے۔

۴۳۔ قیام حسین علیہ السلام کا اساسی عامل (Factor)

امام حسین علیہ السلام کی تحریک میں تین بنیادی عناصر موثر رہے، مجموعی طور پر ان تین عوامل نے اس تحریک کو ایک بڑے حادثے کی شکل دی، ایک یہ کہ مرگ معاویہ کے فوراً بعد یزید یہ حکم دیتا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ سے لازمی طور پر بیعت لی جائے، امام اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، ان کا بہت زیادہ اصرار ہوتا ہے اور وہ کسی بھی صورت میں اس تقاضا سے صرف نظر نہیں کرتے، امام بڑی شدت سے انکار کرتے ہیں کہ میں کسی بھی قیمت پر بیعت نہیں کروں گا، یہیں سے تضاد اور شدید مبارزہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔

دوسرا عامل جو اس تحریک میں موثر رہا اس عامل کو دوسرا بلکہ تیسرا درجہ حاصل ہے، امامؑ کی خدمت میں اہل کوفہ کی درخواست کے باعث ان شرائط میں کہ جب ادھر سے بیعت کا اصرار اور امام کا شدت سے انکار اس بات کا موجب بنا کہ امامؑ مکہ ہجرت کر گئے، دو ماہ مکہ میں قیام کے دوران کسی طرح اہل کوفہ کو خبر پہنچتی ہے، اس وقت کوفہ کے لوگوں نے خود امامؑ کو دعوت دی، یہ اس کے برعکس ہے جو ہم سنتے آئے ہیں، بعض درسی کتب میں تحریر بھی ہے، ایسا نہیں تھا کہ اہل کوفہ کی دعوت کے بعد امامؑ نے قیام کیا، بلکہ جب امام حرکت کرنے لگے تب ہی اپنی مخالفت کو ظاہر کر دیا تھا۔ اس کے بعد اہل کوفہ قیام امامؑ سے باخبر ہوئے، کیونکہ قیام کی تیاری ہو رہی تھی اس لیے اہل کوفہ آئے اور آپؑ کو دعوت دی۔

تیسرا عامل امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے۔ اس عامل کو امامؑ نے متعدد بار اور مکمل وضاحت کے ساتھ بیعت اور دعوت اہل کوفہ کا ذکر کیے بغیر بیان کرتے رہے کہ امر بالمعروف اور نہی از منکر ہی ایک اصل، مستقل اور اساسی عامل ہے اور یہی مطلب مستند ہے۔

چوتھا عامل امر بہ معروف و نہی از منکر ہے امام صریحاً اس عامل کو مستند گردانتے ہیں، اس حوالے احادیث پیغمبرؐ اور اپنے ہدف کو بیان کرتے ہیں اور بار بار امر بالمعروف اور نہی از منکر کا نام لیتے ہیں، ضمن میں بیعت اور اہل کوفہ کی دعوت کا ذکر نہیں کرتے۔

یہ عامل، دوسرے دو عوامل کی نسبت تحریک حسینی میں انتہائی مؤثر رہا، اس عامل کی وجہ سے اس تحریک میں شائستگی پیدا ہوئی جو اسے ہمیشہ کے لیے زندہ کر گئی، جو ہمیشہ یاد دلاتی رہے گی اور ہم سیکھتے رہیں گے، البتہ تمام عوامل اس قابل ہیں لیکن اس عامل سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ عامل نہ تو بیعت کا سہارا لیتا ہے اور نہ ہی اہل کوفہ کی دعوت کا محتاج ہے، یعنی اگر اہل کوفہ کی طرف سے دعوت نہ بھی ہوتی تب بھی حسین بن علی علیہ السلام امر بالمعروف اور نہی از منکر کے قانون کی بدولت قیام کرتے، اگر بیعت کا تقاضا بھی نہ ہوتا تب بھی آپؑ خاموش نہ بیٹھتے۔

۴۴۔ حسینؑ مرد جہاد و انقلاب

تیسرے عامل کی وجہ سے امامؑ ایک معترض اور نقاد کے طور پر سامنے آئے، انقلابی اور قیام کرنے والے مرد کی طرح۔

ایک مثبت شخصیت ہیں اور کوئی چیز اس کے لیے لازم نہیں۔ ہر جگہ فساد برپا ہو چکا ہے، حلال خدا حرام اور حرام خدا حلال ہو چکا ہے، مسلمانوں کا بیت المال نالائق اور نشائستہ لوگوں کے ہاتھ جا لگا ہے، جو رضائے الٰہی کے خلاف استعمال ہو رہا ہے، پیغمبرؐ نے فرمایا: جو بھی اس طرح کی حالت اور موقع دیکھے۔

فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَ لَا قَوْلٍ

اسے ختم کرنے کے لیے اقدام نہ کرے اور اس پر اعتراض نہ کر سکے۔

كَانَ حَقاً عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُدْخِلَهُ مُدْخَلَهُ

(قانون الٰہی میں یہ ثابت ہے) لازم ہے کہ خدا ایسے فرد کو وہاں لے جائے کہ جہاں ظالم و جابر اور راہ و دین خدا کو تبدیل کرنے والے جاتے ہیں اس کی قسمت مشرکوں کے ساتھ ہو۔

قیام امام حسینؑ کے قیام اور اسباب کی تفسیر

امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا؟ اس کی تین طرح سے تفسیر کی جا سکتی ہے۔ ایک یہ کہ قیام امام حسینؑ ایک عام اور معمولی قیام تھا، العیاذ باللہ شخصی ہدف تھا یا منفعت مقصد تھا، یہ وہ تفسیر ہے کہ جس پہ کوئی بھی مسلمان

راضی نہیں ہوگا اور نہ ہی تاریخ اور مسلمات تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہیں۔

دوسری تفسیر وہ ہے جو اکثر عوام الناس کے ذہنوں میں ہے کہ امام حسینؑ قتل ہو گئے' شہید ہو گئے اس لیے کہ امت کے گناہ بخشے جائیں۔ آپؑ کی شہادت امت کے گناہوں کا کفارہ تھی' وہی عقیدہ جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں رکھتے ہیں کہ عیسیٰؑ پھانسی پر چڑھ گئے اور یہ ہمارے گناہوں کا فدیہ تھا' یعنی گناہوں کا اثر ہوتا ہے اور آخرت میں یہ گناہ انسان کے دامنگیر ہوں گے۔ امام حسینؑ شہید ہوئے تا کہ روز قیامت ان گناہوں کے اثرات کو ختم کر دیں اور لوگوں کو آزاد کروائیں۔ اس عقیدے کے مطابق ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ امام حسینؑ نے دیکھا کہ یزید' شمر اور سنان جیسے ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے لہٰذا آپؑ نے چاہا کہ ایک ایسا کام کریں کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو۔ ایک ایسا مکتب بنانا چاہتے تھے تا کہ بعد میں ایسے لوگ زیادہ ہوں' یزید سازی کا مکتب' ابن زیاد سازی کا مکتب' یہ طرز تفکر اور طرز تفسیر بہت خطرناک ہے۔ عزاداری امام حسینؑ کے حکمت آمیز دستور کو بے اثر کرنے کے لیے اس طرز تفکر اور طرز تفسیر سے زیادہ خطرناک اور مؤثر کوئی اور چیز نہیں۔

یقین کیجئے کہ اس ایک سبب (میں نے ایک سبب کہا ہے کیونکہ اور بھی اسباب ہیں کہ جو قومی اور نسلی پہلو لیے ہوئے ہیں) کہ جس نے ہم ایرانیوں کو ایک حد تک قید و بند سے آزاد اور لاابالی کر دیا ہے کیونکہ قیام امام حسینؑ کا فلسفہ ہمارے لیے یہاں برعکس ہوا' اس طرح اس کی تفسیر کی گئی کہ جس کا نتیجہ یہی نکلا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

جناب زید بن علی بن حسینؑ کا مرجۂ کے بارے میں یہ قول (مرجۂ ایک گروہ تھا جو معتقد تھا کہ ایمان اور اعتقاد کافی ہے' عمل انسان کی سعادت کے لیے ضروری نہیں ہے اگر عقیدہ درست ہو تو خداوند اس عمل کو جو جتنا بھی برا ہو معاف کر دے گا) ھٰؤلاء اَطْمَعُوا الفساق فی عفو اللّٰہ یعنی انہوں نے ایسا کام کیا کہ فسق و فجور میں عفو خدا کی طمع میں جری ہو گئے' یہ اس وقت فرقہ مرجۂ کا عقیدہ تھا' لیکن آج شیعہ بھی یہی کہہ رہا ہے جو سابقہ دور میں مرجۂ کہا کرتے تھے' شیعہ کا عقیدہ وہی ہے جو نص قرآن سے ثابت ہے۔

اَلَّذین آمنوا وَ عمِلُوا الصالحات

ایمان بھی لازم ہے اور عمل صالح بھی

تیسری تفسیر یہ ہے کہ اسلام کے حالات اور معاملات یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ امام حسینؑ نے اپنا وظیفہ قرار دیدیا کہ اب قیام کرنا ہوگا' اسلام کی حفاظت کو اپنے قیام کے ذریعے ممکن سمجھ رہے تھے' خلیفہ کے ساتھ آپؑ کا اختلاف یا نزاع اس پر نہیں تھا کہ تم نہ رہو میں رہوں گا' جو کام تم کر رہے ہو نہ کرو میں کروں گا بلکہ اصولی اور بنیادی اختلاف تھا۔

اگر یزید کی جگہ کوئی اور ہوتا اور یہی کام اور روش اختیار کرتا تب بھی امام حسینؑ اس کے خلاف قیام کرتے' چاہے وہ امامؑ کے ساتھ خوش رفتاری سے پیش آتا یا بدرفتاری سے' یزید اور اس کے اعوان و انصار بھی' اگر امام حسینؑ ان کے کاموں پر اعتراض نہ کرتے ان کے کاموں کی تائید کرتے' تو وہ لوگ امام حسینؑ کی ہر حوالے سے مدد کرنے کے لیے تیار تھے۔ اگر حکومت حجاز یا یمن بھی چاہتے' حکومت عراق مجھے دیدو' خراسان کی حکومت مجھے دیدو' تو دے دیتے' اگر کلی اختیار بھی مانگتے کہ میں جو بھی لینا چاہوں یا دینا چاہوں کوئی اعتراض نہ کرے وہ اس کے لیے بھی حاضر تھے لیکن جنگِ حسینؑ عقیدہ اور مسلک کی جنگ تھی' عقیدہ درمیان میں تھا' حق و باطل کی جنگ تھی' حق و باطل کی جنگ میں کیونکہ امام حسینؑ ایک معین شخص ہیں اس لیے تاثیر نہیں ہو رہی۔ خود امام حسینؑ نے اس مطلب کو دو جملوں سے مکمل کر دیا۔ دوران سفر اپنے اصحاب سے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: (ظاہراً یہ وہ وقت تھا جب حر اور اس کا لشکر پہنچ چکے تھے اس لیے سب کو مخاطب کیا۔)

اَلاَ تَـرَوْنَ اَنَّ الْـحـقَّ لا یُعْمَلُ بِهِ' وَالْبَاطِلُ لا یُتناهی عَنْهُ لِیَرْغَبِ المؤمِنُ فی لِقَاءِ اللّٰهِ مُحِقًا

آیا تم دیکھ نہیں رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا' باطل کو روکا نہیں جا رہا' پس ایسے حالات میں مومن کو راہ خدا میں شہادت کے لیے تیار ہو جانا چاہیے یہ نہیں فرمایا:

لیرغب الامام کہ یہ امام کا وظیفہ ہے کہ شہادت کے لیے آمادہ ہو جائے‘ یہ بھی نہیں کہا کہ لیرغب الحسین حسینؑ کا وظیفہ ہے کہ شہادت کے لیے تیار ہو جائے بلکہ فرمایا: لیرغب المؤمن یہ ہر مومن کا وظیفہ ہے کہ جب حالات ایسے ہو جائیں تب موت کو زندگی پر ترجیح دے‘ ایک مسلمان اس وقت مسلمان ہے جب وہ دیکھے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا باطل کو روکا نہیں جا رہا‘ تو یہ اس کا وظیفہ ہے کہ قیام کرے اور شہادت کے لیے تیار ہو جائے۔

یہ تین طرح کی تفاسیر ہیں۔ ان میں سے ایک تفسیر حسینؑ کے دشمن کی ہے‘ ایک تفسیر خود امام حسینؑ نے کی ہے کہ ان کا قیام حق کے لیے تھا ایک تفسیر آپؑ کے نادان دوستوں نے کی جو دشمنوں کی تفسیر سے بھی زیادہ خطرناک گمراہ کن اور روحِ حسینؑ سے کوسوں دور ہے۔

۴۶﴾ شہادت‘ امام حسینؑ کی نگاہ میں

امام حسینؑ اصلاح امت کے لیے اپنے وظیفے کی انجام دہی میں قتل ہونے کو مفید دیکھ رہے تھے‘ احساس کر رہے تھے کہ ایک ایسا موقع آن پہنچا ہے کہ اگر قتل ہو جائیں گے تو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

۴۷﴾ معاویہ کے دور کے خاص حالات

ہمیں معاویہ کے زمانے کے ان خاص حالات پر بھی نظر ڈالنی ہوگی‘ جو یزید کی خلافت کے باعث پیدا ہو گئے تھے۔ خلافت کو موروثی بنانے کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانا خود ابوسفیان کی دیرینہ خواہش تھی۔

تَلَقَّفُوها تَلَقُّفَ الْکُرَۃِ وَ لِتَصِیرَنَّ اِلٰی اَوْلادِکُمْ وِراثَۃً‘ اَمَا وَالَّذِی یَحْلِفُ بِهٖ ابو سفیان لاجَنَّۃَ و لانارَ...

جو کچھ بھی ہے وہ حکمرانی‘ سلطنت اور فرمانروائی ہے حق وحقیقت اور جنت وجہنم کچھ بھی نہیں‘ اس گیند کو اپنے میدان سے خارج نہ ہونے دو‘ ایک دوسرے کو پاس دیتے رہو اور اس کو موروثی قرار دیدو۔

امامؑ نے معاویہ کے دور میں ہی اس امر پر اعتراض کر دیا تھا‘ حتی کہ ایک خط میں معاویہ سے کہا: خدا سے ڈرتا ہوں کہ تمہارے خلاف قیام کیوں نہیں کر رہا کہیں مقصر نہ بن جاؤں۔ امامؑ نے معاویہ

دور میں ایسے اقدامات بھی کیے کہ جس سے معلوم ہوتا تھا آپ قیام کر سکتے تھے۔

یہاں ایک مطلب اور ہے وہ یہ کہ اس طرح کا قیام بلکہ کلی طور پر امر بالمعروف اور نہی از منکر ایک جبری وظیفہ نہیں کہ ہم جب بھی منکر کو دیکھیں اس کی نہی کر دیں اور ہم پر یہ لازم نہ ہو کہ اس کا اثر بھی ہو گا یا کوئی نتیجہ بھی نکلے گا' بلکہ اثر کا احتمال اور نتیجہ کے اطمینان کا ہونا لازم ہے' یعنی یہ کام ان امور میں سے ہے کہ مکلف [زمہ دار] پر واجب ہے اس کام کا نتیجہ حاصل کرے' نا کہ بغیر کسی نتیجے کے اپنی طاقت ضائع کرے اور کوئی فائدہ نہ ہو (اعتقاد امامؑ کا مسئلہ کام کے نتیجے سے مربوط ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا از نظر عالم امر بہ معروف و نہی از منکر آپ کی منطق انقلابی تھی' شہید کی منطق تھی' خونریزی اور انقلاب کے طرفدار تھے' ایک پیغام تھا اس پیغام کو آپ اپنے خون سے رقم کرنا چاہتے تھے تا کہ کوئی مٹانے کی جرأت نہ کر سکے۔

۴۸۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے کیا؟

معروف اور منکر کا معنی' امر بہ معروف و نہی از منکر میں کلمہ معروف میں وہ تمام اہداف شامل ہیں جسے اسلام مثبت سمجھتا ہے اور کلمہ منکر میں وہ تمام اہداف شامل ہیں جنہیں اسلام منفی سمجھتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر نے تحریک حسینی کو اعلیٰ ترین مقام پر پہنچا دیا۔

امر بالمعروف اور نہی از منکر' میں سے ہر ایک کے مراتب اور اقسام ہیں۔ لفظی' عملی' مستقیم' غیر مستقیم' نفرادی و اجتماعی۔

۴۔ تحریک کا ہدف امامؑ کی زبانی

امام عالی مقام کے خطبات آپؑ کے ہدف کو بیان کرتے ہیں' امامؑ اپنی تحریک کے ہدف کو امت کی ح کے طور پر متعارف کرواتے ہیں' آپ چاہتے تھے کہ پوری دنیا کو اسلام کا یہ درس عملی طور پر سمجھا کہ خاندان پیغمبر اسلام کے نزدیک ترین وہ لوگ ہیں جو دوسروں سے زیادہ اسلامی تعلیمات پر ایمان ' ہیں اور یہ خود حقانیت پیغمبرؐ پر ایک دلیل ہے۔

۵۰۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر کی آبرو

امر بہ معروف و نہی از منکر نے امامؑ کی تحریک کو بلند تر کر دیا اسی طرح امامؑ کی تحریک نے امر بالمعروف اور نہی از منکر کی اہمیت کو اعتبار بخشا۔

۵۱۔ تحریک کے دو چہرے اور کئی پہلو

تحریک حسینی دو رخ اور چند پہلو لیے ہوئے ہیں ایک تبلیغ کا پہلو ہے انکار (بیعت سے انکار) تردد اور ٹکراؤ کی کیفیت ہے جہاد ہے امر بہ معروف و نہی از منکر ہے اتمام حجت ہے (اہل کوفہ کی دعوت کے لحاظ سے) پوری دنیا و جہان کے لیے اسلام کے پیغام کی تبلیغ ہے۔

۵۲۔ حسینؑ شہید امر بالمعروف

حسینؑ بن علی علیہ السلام امر بہ معروف و نہی از منکر یعنی بنیادی ترین اصول ہے کہ جو اسلامی اجتماع کے بقا کا ضامن ہے اس کے لیے قتل ہوئے۔

۵۳۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا عملی پہلو

امر بالمعروف اور نہی از منکر کی کیا شرائط ہیں؟ ہم کس طرح سے امر بالمعروف اور نہی از منکر انجام کریں؟ سب سے پہلے معروف ہے کیا چیز؟ امر بالمعروف اور نہی از منکر کیا ہے؟ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے موضوع کو ایک معین امور مثلاً عبادات معاملات اخلاقیات اور خاندانی امور میں محدود کر دے اس لیے کلمہ عام (خاص کے مقابلے میں) کا استعمال کیا ہے۔

معروف یعنی: کار خیر اور نیکی کا امر بہ معروف لازم ہیں اس کے مقابل: ہر برا کام یہ نہیں کہا کہ فسق غیبت دروغ یا چغل خوری یا تفرقہ بازی یا ربا ریا بلکہ کہہ دیا: منکر ہر وہ چیز جو ناشائستہ و پلید ہے (امر یعنی فرمان (نہی) یعنی روکنا روک دینا لیکن یہ فرمان کیا چیز ہے؟ آیا اس فرمان سے مقصود لفظی فرمان ہے؟ آیا امر بالمعروف اور نہی از منکر فقط لفظی مرحلہ تک ہے؟

فقط زبان سے ہی امر بالمعروف اور نہی از منکر کرنا چاہیے؟ ایسا نہیں ہے امر بالمعروف اور نہی از منکر

ہاتھ سے اور عمل کے مرحلہ تک ہے۔ آپ کو اپنے تمام وجود سے امر بالمعروف اور نہی از منکر کرنا ہے۔

۵۴۔ امر بالمعروف کی درجہ بندی

علی بن ابی طالب علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ قرآن جو یہ کہتا ہے کہ زمین پر رہنے والے بعض زندہ لوگ اصل میں مردہ ہیں' اس کا کیا مطلب ہے؟ مَیِّتُ الْاَحْیَاءِ زندوں میں یہ مردہ لوگ کون ہیں اور کیوں؟

فرمایا: عوام کے چند طبقے ہیں' بعض لوگ جب منکرات دیکھتے ہیں وہ دلی طور پر متاثر ہوتے ہیں' ان کے دماغ کی ہڈیاں کھولنے لگتی ہیں' زبان سے تنقید کا آغاز کرتے ہیں' انتقاد کرتے ہیں' ارشاد کرتے ہیں۔ یہاں پر وہ قانع (مطمئن) نہیں ہوتے پھر عملی میدان میں داخل ہوتے ہیں۔ جس طرح سے بھی ہو' مہربانی کے ذریعے' سختی سے' مار پیٹ کے ذریعے' چاہے خود کو بھی مار پڑ جائے' بالآخر اس کام میں کسی بھی وسیلہ سے اس منکر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اسے انجام دیتے ہیں۔ فرمایا: ان تمام زندوں میں سے فقط یہی زندہ ہیں۔

بعض لوگ' جب منکرات دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں آگ سی لگ جاتی ہے' زبان سے کہتے ہیں۔ فریاد کرتے ہیں۔ استغاثہ بلند کرتے ہیں' نصیحت کرتے ہیں' وعظ کرتے ہیں' لیکن جیسے ہی عملی میدان کا وقت آتا ہے تو پھر مرد میدان نہیں رہتے' فرمایا: اس میں زندگی کی دو یا تین نشانیاں باقی ہیں' لیکن زندگی کی ایک علامت سے محروم ہیں۔

۵۵۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا بلند درجہ

جس طرح سے اس عامل یعنی امر بالمعروف اور نہی از منکر نے تحریک حسینیؑ کو اعلیٰ وارفع درجات تک پہنچایا اسی طرح تحریک حسینیؑ نے بھی امر بالمعروف اور نہی از منکر کی اہمیت وعظمت کو بلند تر کر دیا۔ جس طرح امر بالمعروف ونہی از منکر کی تاثیر نے اس تحریک کو اعلیٰ ترین سطح عطا کی' اسی طرح یہ مقدس تحریک بھی اس اسلامی اصول کو اعلیٰ ترین مقام عطا کر گئی' کس طرح اس اصول کو بلند کیا؟ کیا حسینؑ بن علیؑ کسی اسلامی

اصول کو اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ تک لا سکتے ہیں۔

میرا مقصد یہ نہیں ہے۔ درحقیقت متن اسلام میں خود امر بالمعروف اور نہی از منکر کی اپنی اہمیت ہے۔ حسینؑ بن علیؑ آئے اور اسلام کے اس اصول کو یہ اہمیت واپس لوٹا دی' یہ کام حسینؑ کا نہیں ہے' پیغمبرؐ خدا کا بھی کام نہیں ہے یہ خدا کا کام ہے۔

خدا نے خود یہ اصول اپنے بندے پر انسانوں کے لیے بھیجے ہیں' ہر اصول کا ایک درجہ اور اہمیت ہے حتیٰ کہ پیغمبر بھی اس میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتے کہ ایسے مسائل میں مداخلت کریں' متن اسلام میں اثر انداز ہوں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ تحریک حسینی نے اس اصول امر بالمعروف اور نہی از منکر کو از نظر استنباط اور اجتہاد علماء اسلامی کلی طور پر بالاتر کر دیا۔

۵۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں ہر چیز فدا کرنا۔

امام حسین علیہ السلام نے اس تحریک سے ثابت کر دیا کہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کی خاطر' اس اسلامی اصول کی خاطر جان قربان کی جا سکتی ہے۔ لوگوں کی ملامت کو خریدا اور برداشت کیا جا سکتا ہے حسینؑ بن علیؑ کے علاوہ اور کس نے اس اصول یعنی امر بالمعروف اور نہی از منکر اس قدر یا مقصد اہمیت دی؟ تحریک حسینی کا معنی یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ اس پر جان فدا کی جا سکتی ہے۔

۵۷۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت

حسینؑ بن علیؑ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کہاں تک لے گئے' جس طرح تحریک حسینیؑ کو یہ اصول یعنی جیسا کہ پہلے عرض کیا بلند تر کر گیا۔ تحریک حسینی بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کو بلند کر گئی' کیونکہ حسینؑ بن علیؑ نے یہ بتا دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں بالآخر انسان یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ مال و آبرو کے علاوہ اپنے آپ کو بھی فدا کر دے۔

لوگوں کی ملامت کے لیے آمادہ ہو جائے' جس طرح حسینؑ بن علیؑ نے کیا' کوئی بھی حسینی تحریک کو نا

سمجھ سکا' البتہ جس سطح پر لوگوں کی فکر تھی وہ بھی درست تھی' لیکن جس سطح پر حسینؑ بن علیؑ فکر کرتے تھے وہ ان کی فکر سے ماوراء ہے' ان کی سطح فکر یہاں تک تھی کہ اگر یہ مسافرت (سفر کربلا) حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کی خاطر ہے تب اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا اور یہ درست کہتے تھے' درست فکر تھی۔ خود امامؑ نے روز عاشور کے حالات و واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو فرمایا: لِلّٰہِ دَرُّ ابن عبّاسٍ یَنْظُرُ مِنْ سِتْرٍ رقیــــقٍ' مرحبا یا ابن عباس کہ جو حوادث کو نازک پردے کے پیچھے سے بھی دیکھ لیتا ہے۔ آج کے تمام حالات' کوفہ کے لوگوں کی حالت اور اہل بیت کی صورت حال مدینہ میں مجھے بتا دی تھی۔

ابن عباسؓ نے امام حسینؑ سے کہا تھا: کہ اگر آپ کوفہ جاؤ گے تو مجھے یقین ہے کہ اہل کوفہ اپنے عہد کو توڑ دیں گے۔

بہت سے لوگوں نے یہ بات کہی' بعض کے جواب میں خاموش رہتے' کسی ایک کو یہ جواب بھی دیا:

لَا یَخفیٰ عَلَیَّ الْاَمْرُ

یہ مطلب جو تم کہہ رہے ہو' مجھ پر بھی پنہاں نہیں ہے' میں خود بھی جانتا ہوں۔

۵۸۔ امر بالمعروف کی اہمیت

امام حسینؑ نے دوران سفر متعدد مواقع پر اس اصول [امر بالمعروف اور نہی عن المنکر] سے استفادہ کیا' مخصوصاً اس موقع پر کہیں بھی دعوت اہل کوفہ اور بیعت کا نام تک نہیں لیا۔ عجیب تو یہ ہے کہ کوفہ کے سفر کے دوران وحشتناک اور مایوس کر دینے والی خبریں ملتی رہیں لیکن جو بھی خطبہ امامؑ بیان کرتے پہلے خطبہ سے زیادہ مضبوط اور ولولہ انگیز ہوتا تھا۔ جیسے مسلمؑ کی شہادت کی خبر کے بعد یہ معروف خطبہ دیا:

ایھا النّاس! اِنَّ الدُّنیا قَدْ اَدبَرَتْ وَ اَذنَتْ بِوَداعٍ' وَ اِنَّ الاٰخِرۃَ قَدْ اَقبَلَتْ وَ اَشرَفَتْ بِصَلاحٍ

یہ اپنے پدر بزرگوار کے کلمات سے اقتباس تھا۔

پھر فرمایا:

اَلا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لا یُعْمَلُ بِہٖ، وَ اَنَّ الباطِلَ لا یُتَناھیٰ عَنْہُ لِیَرْغَبْ المؤمِنُ فی لِقاءِ اللّٰہ مُحِقاً

آیا تم دیکھ نہیں رہے کہ حق پر عمل نہیں ہورہا؟ آیا تم دیکھ نہیں رہے کہ قوانین الٰہی پامال ہورہے ہیں؟ کیا تم دیکھ نہیں رہے فساد پھیل رہا ہے کوئی بھی روکنے والا نہیں اور کوئی بھی واپس نہیں آئے گا؟

لِیَرْغَبْ المؤمنُ فی لِقاءِ اللّٰہ مُحِقاً ایسے میں مومن (یہ نہیں کہا میں حسینؑ بن علیؑ ہوں جس کے لیے یہ مخصوص حکم ہے، میں چونکہ امام ہوں اس لیے یہ میرا وظیفہ ہے) خدا سے ملاقات کے لیے اپنی جان بھی دیدے، ایسی شرائط میں جان کی پروا بھی نہ کرے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اس قدر اہمیت ہے۔

۵۹ مرنا سعادت ہے

دوران سفر ایک اور خطبہ میں حال واحوال کی اس طرح تشریح کی فرمایا:

اِنّی لا اَرَیٰ الموتَ اِلّا سعادۃً وَ الحَیاۃَ مع الظالمین اِلّا بَرَماً

ایھا الناس! میں ان شرائط میں ایسے حالات اور واقعات میں موت کو سعادت کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا (بعض نسخوں میں شھادۃ اور بعض میں سعادۃ لکھا ہوا ہے) میں راہ حق میں مرنے کو شہادت سمجھتا ہوں۔

یعنی اگر کوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے، (میں مرنے کو سعادت جانتا ہوں) والحیاۃ مع الظالمین الا برما

میں ستمگروں کے ساتھ رہنے کو عار سمجھتا ہوں۔ میری روح ایسی نہیں کہ ستمگروں کے ساتھ مل جائے۔

۶۰ جابر حکمران کے سامنے خاموشی ممنوع!

[امام حسین علیہ السلام] عراق کی سرحد پر پہنچے تو حر بن یزید ریاحی کے لشکر سے سامنا ہوگیا۔ ایک ہزار افراد مامور ہیں کہ آپؑ کو گھیر کر کوفہ لے جائیں۔ یہاں حسینؑ بن علیؑ نے وہ معروف خطبہ دیا جسے مور۔

نے بطور مثال طبری نے بھی نقل کیا۔ شروع میں حدیث پیغمبرؐ سے استفادہ کیا، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کو بیان کیا فرمایا:

مَنْ رَاٰیٰ سُلْطَاناً جائراً مُسْتَحِلاً لِحَرامِ اللّٰہ، ناکِثاً لِعَھدِ اللّٰہ مُستاثِراً لِفَیءِ اللّٰہِ، معتدیاً لحدود اللّٰہ، فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْہِ بِقولٍ وَ لا فِعْلٍ کانَ حَقّاً عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُدْخِلَہٗ مدخلہ، اَلا وَ اِنَّ ھٰؤُلاءِ الْقَومِ قَدْ اَحَلُّوا حَرامَ اللّٰہ وَ حَرَّمُوا حَلالَہٗ، وَاسْتَاثَرُوا فیءِ اللّٰہ

ایھا الناس! پیغمبرؐ نے فرمایا تھا:

اگر کوئی کسی ظالم و جابر حکمران کو دیکھے کو جو قانون خدا کو تبدیل کر رہا ہو، حلال کو حرام، حرام کو حلال کر رہا ہو مسلمانوں کے بیت المال کو اپنی شخصی مصلحت کے تحت صرف کر رہا ہو حدود الہٰی کو پامال کر رہا ہو۔ مسلمانوں کے خون و حرمت کا احترام نہ کر رہا ہو ایسی شرائط میں خاموش ہو کر بیٹھ جانا، تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ سزاوار ہے کہ وہ (حق یہی ہے کہ خدا ایسا ہی کرتا ہے یعنی علوم الہٰی میں یہ بات ثابت ہے) اس طرح خاموش بیٹھنے والے کو اسی جابر و جائر کی جگہ پر بھیج دے۔ پھر فرمایا: اِنَّ ھٰؤُلاءِ الْقَوم

یہ جو آج حکومت کر رہے ہیں (بنی امیہ) یہ اسی طرح کے ہیں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہے ہیں؟ کیا انہوں نے بیت المال کو اپنے شخصی اختیار میں نہیں لے لیا، اور شخصی مال کے طور پر اپنے لیے صرف نہیں کر رہے؟ اس لیے اگر کوئی خاموش ہو جائے تو وہ ان کی مانند ہے، پھر اپنے آپ کو تطبیق دیا فرمایا: وَ اَنَا اَحَقُّ مِنْ غَیْرِ

میں اس لیے اپنے جد کے دستور پر عمل کرنا چاہتا ہوں دوسرا یہ کہ تمام افراد کی نسبت اہل ترین ہوں۔

۶۱﴾ امر بہ معروف و نہی از منکر کی آبرو

حسینؑ بن علیؑ کے بارے میں یہ کہنا حق ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اصول کو اہمیت دی، اعتبار دیا اور آبرو بخشی جو کہ مسلمانوں کی آبرو کا اصول ہے، یہ جو ہم کہتے ہیں کہ یہ اصول مسلمانوں کی آبرو

ہے اور مسلمانوں کو اہم بنا دیتا ہے' یہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن کی عین یہی تعبیر ہے۔

کنتم خیرَ اُمّۃٍ اُخرِجتْ لِلنّاسِ تامُرون بالمعروفِ وَ تنْھون عَنِ المنکر

دیکھئے قرآن نے کیسی تعبیر بیان کی ہے! بخدا انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہ قرآن کی تعبیر ہے۔

کنتم خیرَ اُمّۃٍ اُخرِجتْ لِلنّاسِ تم ایسے تھے (ایسے رہ رہے تھے) یعنی تم اہم ترین ملت اور امت ہو جو لوگوں کے لیے وجود میں آئی لیکن کس چیز نے تمہیں اہم بنا دیا اور اہمیت دی کہ اگر اس پہ عمل کرو گے تب اہم ترین بہترین امت ہو؟ تامُرون بالمعروفِ وَ تنْھون عَنِ المنکر جب تمہارے درمیان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر رہے گا' یہ اصول اس امت کو با اہمیت بنا دے گا' تم اس لیے بہترین امت ہو کہ یہ اصول تمہارے درمیان رہے' (صدر اول سے یہ اصول موجود تھا) اس اصول نے تمہیں با اہمیت بنایا ہے' پس جب یہ اصول ہمارے درمیان نہیں رہے گا تب ہم ایک بے قدر و قیمت امت بن جائیں گے؟ یقیناً ایسا ہی ہے لیکن حسینؑ نے اس اصول کو اہم بنا دیا۔

۶۲ ❁ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو زینت بخشنے والا

کسی نے بتایا: میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کسی کے بارے میں بڑی شدت سے غصے کا اظہار کر رہا تھا حتیٰ کہ اسے فاسق و فاجر تک کہہ دیا۔ میں نے کہا: مگر اس نے کیا کیا ہے کہ تم اسے اتنا برا سمجھتے ہو۔ (ملعون اور جہنمی کہہ رہے ہو)؟

اس نے کہا: آخر اس نے کیوں اتنی عجیب قمیض پہن رکھی ہے' یعنی درمیان میں ڈیزائن ہے۔ جب نہی از منکر کی سطح اس قدر سطحی سی ہو جائے' تو اسے ہم نے یہاں تک پہنچایا ہے اسے حقیر و چھوٹا کر دیا ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو سعودی عرب میں ہے' اس نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آبر لوٹ لی' ایک شلاق (کوڑا) ہاتھ میں لیے ہوئے کہ کوئی بھی ضریح پیغمبرؐ کا بوسہ نہ لے' کوئی بھی کعبہ کا بوسہ نہ لے' یہ ہوا نہی از منکر؟

لیکن حسینؑ کو دیکھئے کہ کس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کام لیا' وہ اسلام کے تمام معروف'

کو اول تا آخر جانتے تھے اور اسی طرح تمام منکرات جہان کو جانتے تھے اور بیان کرتے تھے' اولین اور بزرگترین منکرِ جہان اسلام یزید ہے۔

فَلَعَمری مَا الامامُ اِلا العاملُ بالکتاب اَلقائم بِالْقِسطِ وَ الدّائن بدین اللّٰہِ

امام ورہبر کو کتاب کا عامل ہونا چاہیے خود سے عدالت برپا کرے اور دین خدا کا متدین ہو۔

جو آپؑ کے پاس تھا سب کچھ اس اصول کی راہ میں بڑے خلوص سے قربان کر دیا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں جان دے کر اسے زینت بخشی' روز اول جب باہر آنا چاہتے تھے تو موت کی زیبائی کو بیان کیا۔

خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰی وُلْدِ آدم مُخطَّ الْقَلادۃِ عَلٰی جِیدِ الْفَتَاۃِ

ایسی موت اس گلوبند کی مانند زینت بخشتی ہے جو ایک عورت کے لیے زینت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ انسان کے لیے زینت ہے' واضح تر وہ اشعار ہیں جو بین راہ جب کربلا پہنچے تو آپؑ نے کہے' احتمال یہ ہے کہ آپؑ نے کہے ہیں یا امیر المومنینؑ نے کہے ہیں:

وَ اِنْ تَکُنِ الدنیا تُعَدُّ نَفِیسَۃً
فَدَارُ ثواب اللّٰہ اَعْلیٰ وَ اَنْبَلُ

اگرچہ دنیا خوبصورت ونفیس اور زیبا ہے' لیکن دنیا جس قدر زیبا و خوبصورت ہی کیوں نہ ہو' وہ گھر جو اللہ کی طرف سے اجر ہے' بہت خوبصورت' زیبا ترین اور عالی تر ہے۔

وَ اِنْ تَکُنِ الْاَمْوالُ لِلتَّرْکِ جَمْعُھا
فَمَا بَالُ مَتْرُوْکٍ بِہِ الْمَرْءُ یَبْخَلُ

اگر مال دنیا کو آخرت کے لیے دے کر چلے جائیں' کیوں انسان بخشش نہیں کرتا' کیوں انسان دوسروں کی مدد نہیں کرتا' انسان کیوں دوسروں کی خیر نہیں چاہتا۔

وَ اِنْ تَکُنِ الْاَبْدانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِاَتْ

فَقَتْلُ امْرِءٍ بِالسَّیْفِ فِی اللّٰہِ اَفْضَلُ

یہ بدن آخر کار مر جائے گا' اگر بستر پر بھی ہو تب بھی اس نے مرنا ہے' بیماری یا جراثیم کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی اسے بالآخر مرنا ہے' پس پھر کیوں نہ انسان زیبائی کی موت مرے؟ پس خدا کی راہ میں شمشیر کے ذریعے قتل ہونا بہت جمیل تر اور زیباتر ہے۔

۶۳۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر امامؑ کا بھروسہ

امام حسینؑ نے اس عامل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کتنا بھروسہ کیا کہ فاسد حکومت و دولت کے خلاف قیام کیا' اس عامل کی رو سے امام حسینؑ (ایک فاسد حکومت وقت کے خلاف چڑھائی کرتے ہیں) انقلابی ہیں' دوران سفر جب آپؑ دو افراد کو دیکھتے ہیں کہ جو کوفہ سے آ رہے ہیں' آپؑ ٹھہر جاتے ہیں تاکہ ان سے بات کریں' وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ امام حسینؑ ہیں وہ راستہ بدل کر لیتے ہیں' امامؑ سمجھ جاتے ہیں کہ ان کا دل بات کرنے کے لیے نہیں چاہ رہا' امامؑ اپنا سفر جاری رکھتے ہیں' بعد میں ایک صحابی جو پیچھے آ رہا تھا اس نے ان دونوں کو دیکھ لیا اور اُن سے بات کی' تو انہوں نے کوفہ میں حضرت مسلم اور ہانی کی شہادت کی خبر دی جو دکھ دینے والی بات تھی۔

انہوں نے کہا: واللہ! ہم شرمندگی محسوس کر رہے ہے کہ یہ خبر امامؑ تک پہنچائیں' وہ شخص امامؑ کی خدمت میں آیا اس وقت امامؑ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔

اس نے کہا: میرے پاس ایک خبر ہے' آپؑ کی اجازت ہو تو بتاؤں۔ اگر اجازت دیں تو یہیں بیان کردوں' یہیں عرض کردوں' اگر نہیں چاہتے تو تنہائی میں عرض کردوں گا۔

فرمایا: بتادو! میں اپنے اصحاب سے کسی چیز کو مستور (پوشیدہ) نہیں رکھتا' ہم سب ایک ہیں' اس نے اس واقعہ کو بیان کیا کہ جن دو افراد سے کل آپؑ ملنا چاہتے تھے' لیکن انہوں نے راستہ بدل لیا تھا' میں نے ان سے بات کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مسئلہ یہ ہے کہ کوفہ میں مکمل خاموشی ہے۔ مسلم اور ہانی قتل کردیے گئے ہیں' جیسے ہی یہ جملہ سنا آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے' اب دیکھیے کہ امامؑ نے کیا جملہ فرمایا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ط فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً

(قرآن مجید میں اس سے زیادہ مناسب آیت ایسے موقع کے لیے نہیں مل سکے گی) بعض مؤمنین نے خدا سے جو پیمان باندھا تھا' اسے وفا کیا اور جنہوں نے اپنا وعدہ وفا کیا ان میں بعض جا چکے ہیں اور شہید ہو گئے اور کچھ انتظار میں ہیں کہ ان کے قتل کی نوبت کب آئے گی۔

یعنی ہم فقط کوفہ کے لیے نہیں آئے' کوفہ والوں نے اگر ساتھ نہیں دیا نہ سہی۔ ہمارا یہ سفر اس وظیفہ کی انجام دہی کے لیے ہے' ہم جلدی میں مکہ سے کوفہ کی طرف چلے آئے' جبکہ ہمارا وظیفہ اس سے کہیں سنگین اور عظیم تر ہے' مسلمؓ نے اپنا وعدہ وفا کیا' اپنا کام مکمل کر دیا' شہید ہو گئے' ہمیں مسلمؑ کی منزل کو پانا ہے۔

۶۴۔ طبعی عوامل سے بے نیازی

حسینؑ بن علیؑ ایک مصلح (اصلاح کرنے والا) کا نام ہے۔ ایک اصلاح طلب شخص کا نام ہے کہ جو امت اسلام میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں' اسی لیے قیام کیا' لوگوں کے لیے معشوق اور آئیڈیل بن گئے۔ ایک قوم کے زندہ ہونے کا پہلا رکن یہی جذبہ ہے۔ ملت کی ایک شخصیت ہوتی ہے کہ جو مستغنی (غنی ہو) اور بے نیاز ہو' یہ وہ درس ہے جو ہمیں قیام حسین علیہ السلام نے سکھایا ہے آپؑ نے حتیٰ کہ لوگوں کو بھی مستغنی اور بے نیازی عطا کی۔ اس دن جب مکہ سے چلنے لگے تو اپنے قیام کو ایک ذرہ سا بھی کسی چیز سے مشروط نہیں کیا اور اس طرح فرمایا:

خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰى وُلْدِ آدَمَ

آخر پر فرمایا:

فَمَنْ كَانَ فِيْنَا بَاذِلاً مُهْجَتَهٗ مُوَطِّناً عَلٰى لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهٗ فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّيْ رَاحِلٌ مُصْبِحاً اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

میں صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔ جو بھی جان دینے کے لیے تیار ہے اور اس کے لیے تیار ہے کہ اپنے

خونِ دل کو ہمارے راستے میں بہادے اور حق کے ساتھ ملاقات کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہو کل صبح ہمارے ساتھ جانے کے لیے تیار رہے کیونکہ میں جا رہا ہوں' اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہیں کہا اس قدر استغنا کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔

۶۵۔ قیام کا اصل مقصد

کیونکہ لوگ سانحہ کربلا کے بعد زندگی گزار رہے ہیں۔ لہٰذا وہ اس قدر آگاہی نہیں رکھتے۔ ان کی فکر تمام تر تو شہادت امام حسینؑ پر ہوتی ہے' جو باتیں امامؑ کی شہادت سے مربوط ہیں پر توجہ دیتے ہیں اور دوسری طرف امام حسینؑ کی حکومت اسلامی تشکیل' ظالم حکومت کو تبدیل کرنا' استبدادی قوتوں کا خاتمہ' عدل وانصاف کی آواز بلند کرنے کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔

۶۶۔ شہادت حسینؑ بن علیؑ کا فلسفہ

علیؑ بن ابی طالب سے اپنی نسبت درست کیجیے' یا علیؑ کہا کرو' تمہارا نام شیعوں والا ہونا چاہیے اور عزاداری حسینؑ کے دیوانوں میں تمہارا نام درج ہو یہی کافی ہے کہ جماعت کا ممبر بن جاؤ' ہمارا خیال ہے کہ العیاذ باللہ حسینؑ بن علیؑ ایک پارٹی بنانا چاہتے ہیں کہتے ہیں: اگر کسی نے ممبر شپ لے لی تو یہ اس کے لیے کافی رہے گی اور وہ محفوظ ہو جائے گا۔ جبکہ شہادت حسین بن علی علیہ السلام کا فلسفہ یہ تھا کہ اسلام کو عمل کے مراحل میں لے آئیں۔

اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصلوة وَ آتَیْتَ الزکوٰة وَ اَمَرْتَ بالمعروف وَ نَهیتَ عَنِ المنکر وَ جاهَدْتَ فی اللّٰهِ حَقَّ جِهادِهِ

یعنی آپ اس لیے قتل ہوئے تاکہ اسلام پر عمل ہو اور اسے زندہ کریں' لیکن ہم کہتے ہیں' نہیں وہ قتل ہوئے تاکہ اسلام سے عمل کو ختم کر دیں ظاہری نسبت اور وابستگی درست کریں۔

۶۷۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط

اس عظیم وظیفہ (امر بالمعروف ونہی از المنکر) ان دوارکان کی دو بنیادی شرائط یہ ہیں' ان میں سے

ایک رشد' آگاہی اور بصیرت ہے' اب میں نے جو کہا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کم ازکم ہم یہ خیال کررہے ہوں گے' اچھا ایسا ہے تو یہاں سے جائیں گے۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے' میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کیا؟ اور اسے کس طرح انجام دیں؟ اب تک تو ہمارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قمیض کے بٹنوں اور لوگوں کے جوتوں کے تسموں کے گرد ہی گھومتا رہا ہے' سر کے بالوں اور لباس کی سلائی ہی مورد نظر رہی! ہم اس اصول کو کیسے پہچانیں کہ یہ کیا ہے؟ منکر کو کیا جانتے ہیں کہ کیا ہے؟ ہم بعض اوقات معروف کو منکر کی جگہ اور منکر کو معروف کی جگہ دے لیتے ہیں' اس سے کہیں بہتر ہے ہم جاہل لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ ہی کریں' کتنے منکرات ایسے امر بالمعروف کے نتیجے میں ایجاد ہو چکے ہیں' یہاں آگاہی اور بصیرت لازمی ہے' خبر اور مہارت کی ضرورت ہے۔ دانائی' نفسیات اور جامعہ شناسی کی ضرورت ہے تاکہ انسان سمجھ لے کہ کس طرح سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دیں۔ یعنی راہ معروف کو تشخیص دے سکتا ہو اس کو پتا چل جائے کہ معروف کہاں ہے؟ منکر کو تشخیص دے سکتا ہو' منکر کی بنیاد کیا ہے اسے جان سکتا ہو' منکر کا سرچشمہ کہاں ہے؟ لہٰذا آئمہ دین نے فرمایا ہے' بہتر ہے کہ جاہل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ کیوں نہ کرے؟

لِاَنَّهٗ مَا يُفْسِدُهٗ اَكْثَرُ مِمَّا يُصْلِحُهٗ

کیونکہ جب جاہل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا' چاہتا ہے بہتر کرے لیکن بدتر کردے گا' اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

شاید آپ لوگ یہ کہیں کہ ہم جاہل ہیں' لہٰذا ہمارے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ساقط ہو گیا۔ آپ کے سوال کا جواب دیا جا چکا ہے قرآن نے فرمایا:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

۶۸۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک مقام

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک مقام یہ ہے: کہ لوگ اپنی اولاد کا نام اسلامی رکھیں۔ (یہ امر بالمعروف ہے) غیر اسلامی ناموں سے اجتناب کریں۔ (یہ نہی از منکر ہے) اپنے اداروں کے نام اسلامی رکھیں۔ اسلامی ناموں کو زندہ کریں' اسلامی زبان کو زندہ کریں' عربی زبان ایک قوم کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کی زبان ہے' زبان عربی زبانِ عرب نہیں' زبانِ اسلام ہے۔

اگر قرآن نہ ہوتا' اصلاً اس زبان کا دنیا میں وجود بھی نہ ہوتا' ہمارا اہم وظیفہ ہے کہ اس زبان کی پاسداری کریں۔ حفاظت کریں۔

جہاد و شہادت سے امام حسینؑ کی آگاہی اور شوق

۶۹۔ شہادت مقدس ہے

ہم میں سے اکثر لوگ صرف امام حسینؑ کی مظلومیت اور بے جرم و خطا شہادت پر گریہ و زاری کرتے ہیں، افسوس کرتے ہیں کہ امام حسینؑ ایک بچے کی مانند جو ایک ظالم و جاہ طلب کی بھینٹ چڑھ گیا ہو اور قصہ ختم ہو گیا، اگر یہی صورت ہو تب آنحضرتؑ مظلوم اور بے قصور ہیں جیسا کہ اسی طرح کی دوسری قربانیاں ظلم کی وجہ سے مظلوم اور بے قصور ہوتی ہیں لیکن وہ شہید نہیں یہاں تک کہ انہیں سید الشہداء کہا جائے؟

امام حسینؑ کی قربانی صرف دوسروں کی ہوس اور جاہ طلبی کی وجہ سے نہیں تھی، اس میں شک نہیں کہ اس سانحہ کی نسبت ان قاتلوں کی طرف ہی ہے، ظلم و بربریت، ہوس اور جاہ طلبی ہے، لیکن جہاں آپؑ کی طرف نسبت ہے تو وہ شہادت ہے، یعنی آگاہی اور ہوشیاری کے ساتھ۔ اپنے مقدس ہدف کے لیے جدوجہد کرنا، آپؑ سے بیعت چاہتے تھے آپؑ نے تمام عواقب سے باخبر ہونے کے باوجود اسے قبول نہیں کیا، اس کے علاوہ آپؑ سخت معترض تھے اور ان شرائط میں خاموشی کو اپنے لیے گناہ عظیم تصور کرتے تھے۔ آپؑ کی تاریخ خاص طور پر آپؑ خود اس کے روشن ترین گواہ ہیں۔

پس شہادت، اپنے تقدس کو یہاں سے کسب کرتی ہے کہ اپنی تمام ہستی کو آگاہانہ طور پر مقدس ہدف کے

لیے فدا کر دیتا۔

۷۰) امام کوفیوں کے دلوں سے آگاہ تھے

امام حسینؑ جانتے تھے کہ اہل کوفہ وہ نہیں ہیں۔ ان کو لوگ ست اور خوف زدہ جانتے تھے۔ عین حال تاریخ کو کیا جواب دیں؟ قطعاً اگر امام حسینؑ اہل کوفہ پر اعتبار نہ بھی کرتے' ہم لوگ جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں یہ کہیں گے امام حسینؑ نے کیوں مثبت جواب نہیں دیا۔ (ابو سلمہ خلال) کہ جسے بنی عباس کے دور میں وزیر آل محمد کہا جاتا تھا' جب خلیفہ عباسی سے اختلاف ہوا فوراً قتل کر دیئے گئے' قتل سے پہلے فوراً دو خط لکھے ایک امام جعفر صادقؑ کے نام اور دوسرا عبداللہ محض کے نام۔ دونوں کو آن واحد دعوت دی کہا کہ میں اور ابو مسلم اب تک ان کے لیے کام کرتے رہے ہیں' اب اس وقت چاہتے ہیں کہ آپ کے لیے کام کریں' آئیں مل کر کام کرتے ہیں ہم انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔

اول یہ کہ جب دو افراد کو خط لکھ دیا ہے' یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ مخلص نہیں ہے۔

دوم جب خلیفہ عباسی سے رابطہ منقطع ہوا۔ تب اس طرح کا خط لکھا' جب یہ خط امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا' آپؑ نے پڑھنے کے بعد خط لانے والے کے سامنے اس خط کو جلا دیا۔ اس شخص نے کہا کہ اس خط کا کیا جواب ہے؟ فرمایا کہ خط کا جواب یہی ہے جو دیکھ رہے ہو' ابھی وہ واپس بھی نہیں پہنچا تھا کہ ابو سلمہ کو قتل کر دیا گیا' ابھی تک ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے افراد یہ سوال کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے ابو سلمہ خلال کے خط کا مثبت جواب کیوں نہیں دیا؟ منفی کیوں دیا؟ جبکہ ابو سلمہ ایک آدمی تھا' دوم یہ کہ وہ خلوص نیت نہیں تھا' سوم خط اس وقت لکھا جب وقت گزر چکا تھا اور خلیفہ عباسی بھی یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ کس کے ساتھ ہے لہٰذا چند دنوں بعد اسے قتل کر دیا۔

۷۱) امام حسینؑ تاریخ کے سامنے

اگر اٹھارہ ہزار خطوط اہل کوفہ کی طرف سے مدینہ یا مکہ (خاص طور پر مکہ) پہنچتے اور آپؑ مثبت جواب نہ دیتے تو تاریخ امام حسینؑ کو ملامت کرتی کہ اگر امامؑ کوفہ چلے جاتے تو یزیدی اور یزیدیت کو نابود کر دیتے

اور ظلم و ظالم کا خاتمہ ہو جاتا' کوفہ جو کہ مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی کے طور پر مشہور تھا' شجاع لوگ تھے علی علیہ السلام ان کے درمیان پانچ سال رہے۔ ابھی تک علیؑ کی تعلیمات' وہ یتیم بچے جو علیؑ کی پرورش میں رہے' وہ بیوہ خواتین جن کی آپ سرپرستی فرماتے تھے ابھی تک زندہ و موجود تھے۔ ابھی تک علیؑ کی صدا ان کے کانوں میں گونج رہی تھی' امام حسینؑ نے بزدلی دکھائی اور وہاں نہیں گئے اگر چلے جاتے تو دنیائے اسلام میں انقلاب برپا ہو جاتا۔

وظیفہ اس طرح سے بنتا ہے کہ جیسے ہی لوگ کہیں کہ ہم تیار ہیں تب امامؑ کہتے کہ میں تیار ہوں۔

۲۔۷ وظیفہ امام حسین علیہ السلام

امام حسین علیہ السلام کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ اہل کوفہ نے مجھے دعوت دی ہے' لہٰذا میں کوفہ جاؤں گا' کوفیوں نے مسلمؑ سے کی گئی بیعت توڑ دی' میں واپس جاؤں گا' مدینہ یا کہیں اور چلا جاؤں گا۔ جو اس وقت وہ کر سکتے کیا' اس عامل کی نظر سے امامؑ کا ردعمل مثبت ہے۔ کیونکہ دعوت دی گئی ہے' لہٰذا امامؑ کا وظیفہ دعوت کا مثبت جواب دینا ہے۔ جب تک دعوت دینے والے ثابت قدم ہیں اس وقت تک امام کا وظیفہ مثبت جواب دینا ہے' لیکن جب وہ اس عہد کو توڑ دیں' تب امام حسینؑ پر کوئی وظیفہ عائد نہیں ہوتا۔

۳۔۷ شہید کی منطق

جب امام حسین علیہ السلام کوفہ آنا چاہتے تھے تو قوم دانشوروں نے آپؑ کو منع کیا' کہتے تھے کہ آقا یہ کام منطقی نہیں اور درست کہتے تھے' یہ کام منطقی نہیں تھا ایسے لوگوں کی منطق جو ان کے ذاتی مصالح کے گرد ہی گھومتی ہے' جیسے سیاسی منطق' منافع کی منطق ہے' یہ ایک عادی منطق ہے' اس نظر سے امام حسینؑ کا کوفہ آنا منطقی نہ تھا' امام حسینؑ کی منطق اس سے کہیں بالاتر ہے' آپ کی منطق شہید کی منطق ہے' منطق شہید عام افراد کی منطق سے بالاتر ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ و محمد بن حنفیہ معمولی آدمی نہیں تھے' یہ سیاستدان و روشن ضمیر تھے' سیاست اور منفعت کی منطق کے لحاظ سے انفرادی منافع اور دشمنوں پر شخصی کامیابی کو ہی معیار سمجھتے تھے' امام حسینؑ کو ایسا نہ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے' ابن عباسؓ نے بڑی ہوشیاری سے ایک

مشورہ دیا کہ جیسے دوسرے زیرک افراد کرتے ہیں کہ لوگوں کو وسیلہ قرار دیتے ہیں اور اپنا کام کر جاتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کو آگے کر کے خود پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں' اگر لوگ آگے بڑھتے گئے تو لوگوں کے اس عمل سے وہ نتیجہ حاصل کر لیتے ہیں لیکن اگر شکست کھا جائیں تب ان کا نقصان نہیں ہوتا۔ کہنے لگے: کوفہ نے جب یہ کہہ دیا ہے کہ ہم آپ کی نصرت کے لیے آمادہ ہیں' آپؑ انہیں جواب دیں کہ یزید کے کارندوں کو کوفہ سے نکال باہر کریں اور وہاں امن وسکون قائم کر دیں (پکڑ ڈباندھو اور میرے (پہلوان کے) ہاتھ میں دیدو) دونوں میں سے ایک کام ضرور ہو جائے گا! یا وہ کام کریں گے یا نہیں کریں گے' اگر انہوں نے یہ کام کر دیا' تو آپؑ بڑے آرام سے چلے جائیں اور تمام امور اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تب آپؑ کے لیے کوئی مشکل نہ ہوگی۔

آپؑ نے اس مشورے کو قبول نہیں کیا' کہا میں جاؤں گا' اس پر ابن عباسؓ نے کہا قتل ہو جاؤ گے' آپؑ نے کہا قتل ہو گیا تو ہو گیا' اس پر ابن عباسؓ نے کہا آدمی جب ایسی جگہ جاتا ہے تو قتل ہو جاءتو ایسے میں مستورات اور بچوں کو ساتھ نہیں لے جاتا۔ آپؑ نے فرمایا میں مستورات اور بچوں کو ساتھ لیکر جاؤں گا۔

۴ ۷﴿ عالم بالا سے امام کا اتصال

ازنظر منطق' روایات اور ہمارے خاص اعتقاد کے باعث یعنی امامؑ کا اتصال اور ارتباط مافوق عالم بشریت سے تھا' پہلے سے آگاہ تھے' اس لیے کسی حادثہ یا اشتباہ کا خطرہ نہیں تھا۔ لہذا مستورات اور بچوں کو پر خطر سفر پر اپنے ساتھ لے جانا اس وقت کے دانشور جو امام حسینؑ اور اہل بیتؑ کی جان کی حفاظت کی وجہ سے یہ فیصلہ کر رہے تھے اور اس کام کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

حتیٰ کہ مسلمؑ کے قتل کی خبر سننے کے بعد واضح ہو گیا تھا' تب یہ کام نہ کرتے کہ اہل بیت کو مدینہ بھجوا دیں۔ [یہ کام طے شدہ تھا]۔

۵ ۷﴿ ارادہ تشریعی نہ کہ ارادہ تکوینی

روایات میں آیا ہے کہ عالم رؤیا میں پیغمبرؐ نے [امام حسینؑ سے] فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ شَاءَ اَنْ یَّرَاکَ قَتِیلاً ، وَ اِنَّ اللّٰهَ شَاءَ اَنْ یَرَاهُنَّ سَبَایَا

خدا نے یہ چاہا کہ تم قتل ہو جاؤ اور تمہارا خاندان اسیر ہو جائے۔

البتہ اس دور میں جو سمجھتے تھے کہ ارادہ تشریعی ہے نہ کہ تکوینی ارادہ تکوینی سے مراد قضا و قدر الٰہی حتمی ہے، ارادہ تشریعی سے مراد رضائے الٰہی کی مصلحت ہے۔ مثلاً

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (سورہ بقرہ آیہ۔۱۸۵)

خدا آپ کے لیے سہولت و راحت چاہتا ہے زحمت و سختی نہیں چاہتا

نتیجہ یہ نکلا کہ روایات کے مطابق اہل بیت کا ہمراہ ہونا بنا بر مصلحت تھا جیسے ابن عباسؓ سمجھ نہیں سکتے تھے۔

فَاِنِّی رَاحِلٌ مُصْبِحاً اِنْشَاءَ اللّٰهُ

۷۷۔ ہمراہی اہلبیت کا سبب

ایک مسئلہ جسے تاریخ نے بھی بیان کیا ہے، اخبار و احادیث نے بھی اس پر بحث کی ہے، کہ امام حسینؑ اس پُر خطر سفر میں اہلبیت کو کیوں ہمراہ لے گئے؟ اس سفر کے خطرے سے سب آگاہ بھی کرتے رہے، یعنی یہ ایسا امر تھا کہ آئندہ حالات سے حتیٰ کہ عام افراد بھی آگاہ تھے، آپؑ کے سفر سے پہلے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو بھی آیا اس نے اہل بیت کو ہمراہ لیجانے کو خلاف مصلحت قرار دیا۔ یعنی انہوں نے اپنے ذہنی سطح و منطق کے حساب سے جو سطحی فکر رکھتے تھے امام حسینؑ و اہلبیت کی جان کی حفاظت کو معیار و مقیاس قرار دے کر تقریباً سب یہی رائے دے رہے تھے کہ آقا! آپ کا جانا خطرناک ہے، مصلحت نہیں یعنی آپؑ کی جان کو خطرہ ہے جبکہ آپ اہل بیت کو بھی ہمراہ لیجانا چاہتے ہیں، امام حسینؑ نے فرمایا! نہیں مجھے انہیں ساتھ لیجانا ہوگا، آپؑ ایسا جواب دیتے تھے تاکہ یہ اس مسئلے پر کوئی بات نہ کر سکے، اس طرح معنوی پہلو بیان کرتے ہیں کہ آپ اسے کئی بار سن چکے ہیں کہ آپؑ نے عالم خواب میں جو کہ حکم وحی قاطع کا درجہ رکھتا ہے استناد کرتے ہوئے فرمایا۔

عالم خواب میں میری جد نے یہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰہ شاءَ اَنْ یَراکَ قتیلاً

انہوں نے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر اہل بیت کو ہمراہ کیوں لیجانا چاہتے ہو؟ آپؑ نے جواب دیا یہ بھی میری جد نے فرمایا ہے: وَ اِنَّ اللّٰہُ شاءَ اَنْ یَراھُنَّ سَبایا

اس جملے کی مختصر توضیح آپ کے لیے عرض کرتا ہوں۔

یہ جملہ: اِنَّ اللّٰہ شاءَ اَنْ یَراکَ قتیلاً ایا وَ اِنَّ اللّٰہُ شاءَ اَنْ یَراھُنَّ سَبایا اس کا کیا مطلب ہے؟ یعنی یہ مفہوم جو عرض کرنا چاہتا ہوں' اس کا یہ معنی کہ جو اس وقت امام حسینؑ کے مخاطب سمجھتے تھے' نہ ایک اور معنی جو معروف ہے کلمہ مشیت خدا' یا ارادہ خدا کہ جس کا خود قرآن میں ذکر ہے۔ دو موارد میں اس کا ذکر ملتا ہے ایک کو اصطلاحاً ارادہ تکوینی اور دوسرے کو ارادہ تشریعی کہتے ہیں۔ ارادہ تکوینی قضا و قدر الٰہی اگر کسی چیز کے بارے میں قضا و قدر الٰہی حتمی ہو' تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ قضا و قدر الٰہی کے مقابلے میں اب کوئی کام نہیں ہو سکتا۔

ارادہ تشریعی کا معنی یہ ہے کہ خدا اس طرح سے راضی ہے' خدا اس طرح چاہتا ہے' مثلاً اگر روزے کے بارے میں فرمایا: یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسر' ایک اور مورد طہارت و زکوۃ ہے فرمایا: یُرِیدُ لِیُطَھِّرَکُمْ 'خدا نے جو یہ دستور دیا ہے اس کا مطلب ہے کہ خدا اس طرح چاہتا ہے یعنی خدا کی رضا اس میں ہے خدا چاہتا ہے کہ تم شہید ہو جاؤ' میری جد نے یہ کہا ہے کہ خدا کی رضا تمہاری شہادت میں ہے میری جد نے یہ کہا ہے خدا چاہتا ہے کہ یہ اسیر ہوں یعنی ان کی اسیری خدا کی رضا ہے' یہی مصلحت ہے' رضائے حق میں ہمیشہ مصلحت ہے اور مصلحت یعنی فرد و بشریت کا کمال اس کی مصلحت میں ہے۔ اس بات کے مقابلے میں کوئی بات نہیں کر سکتا۔ یعنی کوئی اس بارے میں ایک حرف بھی نہ کہہ سکتا کہ اگر ایسا ہی ہے کہ آپؑ کی جد نے خواب میں یہ بتا دیا ہے کہ مصلحت اس میں ہے کہ تم قتل ہو جاؤ' ہم اس کے مقابلے اب کچھ نہیں کہہ سکتے' جو بھی امام حسینؑ سے یہ جملات سن لیتا اس طرح سے نہیں سنتا تھا کہ مقدر میں یہی ہے اور میں اس سے جان نہیں چھڑوا سکتا' امام حسینؑ نے کبھی بھی ایسا نہیں کہا: اس طرح نہیں ہوا کہ جب آپؑ

سے پوچھا جاتا: مستورات کو کیوں لے جا رہے ہیں تو یہ کہہ دیتے کہ اس مسئلے میں میرا کوئی اختیار نہیں اور عجیب ہے کہ بے اختیار ہوں' بلکہ اس طرح سنتے تھے کہ جو عالم خواب میں مجھے الہام ہوا اس بنا پر میں نے یہ تشخیص دیا ہے کہ مصلحت اسی میں ہے اور یہ کام میں از روئے اختیار انجام دے رہا ہوں اس مصلحت کی بنا پر جسے میں تشخیص دے چکا ہوں' لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اہم موارد میں آپؑ کا عقیدہ ایک ہی رہا۔ امام حسینؑ کے عقیدے کی سطح عالی تھی' دوسرے سب ایک ہی طرح سے فیصلہ کرتے تھے' امام حسین علیہ السلام کہتے تھے: ایسے نہیں میں اور طرح سے عمل کرنا چاہتا ہوں یہاں سے معلوم ہوتا ہے امام حسینؑ کا کام ایک منصوبہ کے تحت ہے' آپؑ پر ایک رسالت اور ذمہ داری آن پڑی ہے۔ اہل بیت کو طفیلی طور پر ہمراہ نہیں لے جا رہے کہ میں تو جا رہا ہوں چلو بچوں اور اہلبیت کو ہمراہ لے چلوں۔ انسان جب خطرناک سفر پر روانہ ہوتا ہے تب بچوں کو ہمراہ نہیں لے جاتا' امام حسینؑ بچوں اور خواتین کو ہمراہ لے گئے نہ اس لیے کہ میں جا رہا ہوں تو ان کو ساتھ لے چلوں۔ (گھر اور زندگی کا سامان مدینہ میں ہی تھا) بلکہ اس لیے ہمراہ لے لیا تاکہ اس سفر میں رسالت (ذمہ داری) کو انجام دے سکیں۔

۷۸۔ واقعہ کربلا یقینی تھا

روایات کے مطابق اسی طرح ان اعتقادات کے مطابق جو ہم سید الشہداءؑ کی امامت کے متعلق رکھتے ہیں' آپؑ کے تمام امور روز اول سے ہی طے شدہ تھے' آپ نے کوئی بھی کام' بغیر حساب و کتاب و بغیر منطق و دلیل کے انجام نہیں دیا یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں قضیہ اتفاقاً یا حادثاتی طور پر وقوع پذیر ہوا' یہ مطلب اگرچہ تاریخی قرائن سے روشن ہے اور منطق و روایات اور ہمارے اعتقاد کے مطابق جو کہ حضرت سید الشہداءؑ کی امامت پر مبنی ہے کی تائید ہوتی ہے۔

۷۹۔ حسین علیہ السلام کی دور اندیشی

تحریک حسینی کے تقدس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک انتہائی قوی رشد و فکر موجود ہے' یعنی یہ قیام و حماسہ اس لحاظ سے مقدس ہے کہ قیام کرنے والا ایسی چیز دیکھ لیتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھ سکتے' وہی معروف

ضرب الامثال کے مطابق جو لوگ ایک چیز کو آئینے میں نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ اسے خشت خام (پختہ اینٹ) میں دیکھ لیتا ہے۔ اپنے کام کا اثر دیکھ لیتا ہے' عام افراد کی منطق سے بالاتر منطق کا مالک ہوتا ہے' معاشرے کے عقلاء کی منطق سے بالاتر منطق' ابن عباس' ابن حنفیہ' ابن عمر اور کثیر تعداد جو کمال خلوص نیت سے حسینؑ بن علیؑ کو سفر کربلا سے منع کر رہے تھے' اپنی منطق کے مطابق وہ اس کا حق رکھتے تھے' لیکن حسینؑ وہ چیز دیکھ رہے تھے جو یہ نہیں دیکھ سکتے تھے' نہ وہ حسینؑ بن علیؑ سے زیادہ اس حادثے کے خطرے کا احساس رکھتے تھے اور نہ ہی یہ سمجھ سکتے تھے کہ آئندہ اس بڑے سانحہ کے کیا اثرات ہوں گے۔ (لیکن آپؑ پر سب کچھ واضح تھا آپ آئندہ پیش آنے والے حادثہ سے باخبر تھے اور دیکھ رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے) چند مرتبہ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ مجھے ضرور قتل کردیں گے' خدا کی قسم میرے قتل ہونے سے ان کی حالت (حکومت) دگرگوں ہو جائے گی۔ یہ آپؑ کی قوی دوراندیشی ہے۔

۸۰۔ تکامل کا عالیترین مقام

امام حسینؑ نے فرمایا: میری جد نے فرمایا ہے کہ تمہارا خدا کے نزدیک ایک درجہ ہے تم سوائے شہادت کے اس کو نہیں پاسکو گے۔ پس امام حسینؑ کے نزدیک شہادت ایک ارتقاء ہے جو عالیترین حد تکامل ہے۔

۸۱۔ امام حسینؑ نے اس دن یہ حقیقت دیکھ لی

امام حسینؑ جب تک زندہ رہے تو یہ کہتے رہے:

وَ عَلَى الْاِسلَامِ السَّلَامُ اِذْ قَدْ بُلِيَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيد

اسلام کا فاتحہ پڑھ دیجیے جب اس کا نگہبان یزید جیسا شخص ہو۔ لیکن اس وقت اسے کوئی نہیں سمجھتا تھا لیکن جب آپ شہید ہوگئے تو آپؑ کی شہادت نے دنیائے اسلام کو ہلا کر رکھ دیا' افراد حرکت میں آگئے اور نزدیک سے دیکھا' سمجھ گئے جو وہ آئینے میں نہیں دیکھ سکتے تھے' حسینؑ نے پتھر میں دیکھ لیا' وقت نے آپؑ کے کلام کی تصدیق کردی اور کہنے لگے اس دن ان کا کہنا سچ تھا۔ سید الشہداء علیہ السلام نے دیکھ لیا تھا کہ شہادت کا اثر مفید رہے گا' اس لیے قیام کیا اور شہید ہوگئے جس کا اثر آج تک باقی ہے۔

۸۲﴾ دل آپ کے ساتھ لیکن تلوار آپ کے خلاف ہے

امام حسین علیہ السلام جب کسی سے کوفیوں کی بابت سوال کرتے کہ ان کے حالات کیسے ہیں؟ تو جواب یہ ملتا تھا۔

قلوبُهُمْ مَعَک وَ سُیُوفُهُمْ علیک

ان کی تلواریں آپؑ کے خلاف ہیں جبکہ ان کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں' ضمیر آپؑ کے ساتھ ہے لیکن منفعت کہیں اور دیکھ رہے ہیں۔

اَمّا رُؤساءُ هُمْ فَقَدْ مُلِئَتْ غرائبهم

رئیس لوگوں کی جیبیں رشوت سے بھر چکی ہیں اور جو رئیس نہیں ہیں وہ جاہلانہ عربی تعصب کی بنا پر رئیس قبیلہ کی پیروی کر رہے ہیں اس کے باوجود سب کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں اور یہ بات درست ہے۔

۸۳﴾ امام حسینؑ کا ہدف: اعلای کلمہ حق

حادثۂ کربلا کا درخشندہ مظاہرہ اور الٰہی تجلیات کا بزرگ مقام وہ ہے جب حسینؑ بن علیؑ نے شب عاشورا اپنے اصحاب کو جمع کیا اور یہ فرمایا' ذہن نشین رہے کہ یہ تقریر شب عاشور کے وقت جب ہر حالات نامساعد اور ناامید کرنے والے تھے' ایسی شرائط میں ہر رہبر اور سردار جو مادی فکر رکھتا ہے اور اسی پر بھروسہ کرتا ہے' سوائے شکایت کے کوئی اور بات نہیں کر سکتا' اس کی منطق اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ ہماری قسمت ہی ایسی تھی' ایسے مقدر پر تف ہو نپولین کی مانند کی اس نے کہہ دیا کہ طبعی حالات نے ہمارا ساتھ نہیں دیا' تمام باتیں مایوس اور ناامید کر دینے والی ہیں' جو چیز ان شرائط کو اور سخت کر دینے ولی ہیں وہ یہ کہ بچوں کو مستورات کو اور آپؑ کی بہنوں کو چوبیس گھنٹے کے بعد دشمن اسیر کرلے گا۔ ایک غیور اور فداکار شخص کے لیے یہ بہت ناگوار مرحلہ ہوتا ہے ایسی شرائط میں دوسروں نے کیا کیا؟ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ' المقنع' کو جب گھیر لیا گیا جب وہ نامساعد حالات کی وجہ سے ناامید ہوگیا' سب سے پہلے اپنے خاندان کو قتل کیا اور پھر خودکشی کرلی۔ اسی طرح ایک اموی خلیفہ نے بھی کیا جب اسے گرفتار کرنے لگے تھے۔ تاریخ

میں اس طرح کے کئی نمونے ملتے ہیں۔

لیکن جب امام حسین علیہ السلام نے تقریر شروع کی تو فرمایا:

اُثنی عَلَی اللّٰہ اَحسَنَ الثَّناءِ وَ اَحمَدُہُ عَلَی السَّراءِ وَ الضَّرّاءِ اَللّٰھُمَّ اِنّی اَحمَدُکَ...

ان شرائط کے باوجود کہ جب مادی وسائل ناپید ہیں آپؑ عوامل کے سازگار اور رضائے خدا کی بات کرتے ہیں۔ کیونکہ آپؑ معنوی شرائط میں بہتری کی طرف جارہے ہیں' آپ عملی اور اعتقادی لحاظ سے مواحد اور خدا پرست ہیں اور پھر اس کے علاوہ اپنے کام کے نتیجے سے بھی آگاہ ہیں۔ آپؑ کا ہدف نپولین یا اسکندر کی طرح جہانگیری نہیں تھا کہ خود کو شکست خوردہ سمجھ لیتے' ہدف کلمہ حق تھا' اس لحاظ سے اپنے کام کو بہت سودمند اور مفید جانتے تھے۔

۸۴۔ علیؑ کی مانند خطاب

امام حسین علیہ السلام ہر لحاظ سے اپنے پدر بزرگوار کی مانند تھے' ان میں سے خطابت کے علاوہ آپؑ کو اور کسی میدان میں فرصت نہ مل سکی' وہ کم ترین فرصت جو امیر المومنین علیہ السلام کو اپنی خلافت کے دوران پیش آئی آپؑ کو نہ مل سکی۔ آپؑ کو جو فرصت میسر آئی وہ آپؑ کا سفر ہے جو مکہ سے کربلا تک کیا' یا وہ آٹھ دن جو کربلا میں گزارے اس مختصر مدت میں حسین بن علی علیہ السلام کے جوہر نمایاں ہوئے۔ آپؑ سے جو خطبات ملتے ہیں بیشتر اسی دورانیے کے ہیں۔ آپؑ کے خطبات علی علیہ السلام کے خطبات کا نمونہ ہیں' وہی روح اور وہی معانی ان خطبات میں موجزن ہیں۔

خود علیؑ فرماتے ہیں کہ زبان روح کا آلہ ہے' اگر معانی زبان سے ادا نہ ہوں تو اس میں زبان کا کوئی کمال نہیں' اگر معانی میں روح موجزن ہو تو اسے بھلا زبان کیسے ادائیگی سے روک سکتی ہے۔ فرمایا:

وَ اِنَّا لَاُمَراءُ الکَلامِ' وَ فینا تَنَشَّبَتْ عُرُوقُہُ' وَ عَلَینا تَھَدَّلَتْ غُصُونُہُ

ہم ہیں امیر سخن' کلام کے معانی و مطالب ہماری وجود میں موجزن ہیں اور سایہ سخن ہمارے سروں پر ہے۔

حسین بن علیؑ کا پہلا خطبہ جو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بہترین خطاب ہے۔ ارشاد و شجاعت و بلند فکر، ایمان بالغیب [کا سمندر] اس خطبہ میں موجزن ہے، یہ خطاب مکہ سے کربلا کی طرف جاتے ہوئے ارشاد فرمایا، اپنے مصمم ارادے کو قاطعیت سے اس خطبہ میں بیان فرمایا اور ضمناً آگاہ کر دیا جو بھی ہمارا ہم فکر، ہم عقیدہ اور ہم قدم ہے وہ ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائے، فرمایا:

خُطَّ الْـمَوْتُ عَلٰى وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقَلَادَةِ عَلٰى جِيدِ الْفَتَاةِ وَ مَا اَوْلَهَنِي اِلٰى اَسْلَافِي اشْتِيَاقَ يَعْقُوبَ اِلٰى يُوسُفَ

فرزند آدم کے لیے موت لکھ دی گئی ہے اور اسے زینت قرار دیا ہے جیسے جوان عورت کے گلے میں گلوبند اس کے لیے باعث زینت ہوتا ہے۔ حق کے راستے میں موت سرمایہ افتخار ہے، میں کس قدر عاشق ہوں کہ اپنے ان بزرگوں سے جنہوں نے پہل کی مل جاؤں گا۔

پہل کرنے والے بزرگوں سے ملنے کا شوق و عشق اتنا ہو چکا ہے جتنا یعقوبؑ کو یوسفؑ کی ملاقات کا شوق و عشق تھا۔ پھر فرمایا:

مَنْ كَانَ بَاذِلاً فِينَا مُهْجَتَهُ، مُوَطِّنًا عَلٰى لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهُ فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا، فَاِنِّي رَاحِلٌ مُصْبِحاً اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

جو بھی یہ ارادہ رکھتا ہے کہ ایک مختصر چیز اس کی راہ میں ہدیہ کر دے، کیا چیز؟ وہی خون جو اس کے دل کو حرکت دے رہا ہے۔ جو بھی اپنے دل کے لیے تیر خریدنے پر آمادہ ہے اور پروردگار سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے وہ آمادہ ہو جائے کیونکہ میں کل صبح یہاں سے اس مقصد کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔

۸۵﴾ موت ننگ و عار نہیں

کربلا جاتے ہوئے راستے میں بعض افراد یہ کہتے تھے کہ آپ نہ جائیں خطرہ ہے امام حسین علیہ السلام جواب میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

سَاَمْضِي وَ مَا بِالْمَوْتِ عَارٌ الْفَتٰى
اِذَا مَا نَوىٰ حَقًّا وَ جَاهَدَ مُسْلِماً

وَ وَاسَی الرِّجَالَ الصَّالحِینَ بِنَفْسِہ

وَفَارَقَ مَثبوراً و خَالَفَ مُجْرِماً

اُقَدِّمُ نَفْسِی لا اُرِیْدُ بَقَائَھَا

لِتَلْقیٰ خَمِیساً فِی الْهِیَاجِ عَرَمْرَماً

فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدَمْ وَ اِنْ مِتُّ لَمْ اُلَمْ

کَفیٰ بِکَ ذُلّاً اَنْ تَعِیْشَ وَ تُرْغَمْ

مجھے کہہ رہے ہو کہ نہ جاؤں' لیکن میں ضرور جاؤں گا' کیا مرنا ایک جواں مرد کے لیے ننگ و عار ہے؟ مرنا اس وقت ننگ و عار ہے جب ہدف و مقصد پست ہو' مثلاً کوئی ریاست اور سرداری کے لیے قتل ہو جائے اور لوگ کہیں کہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہا' مگر جو اعلائے کلمہ حق کی راہ میں قتل ہو جائے یہ اس کے لیے ننگ و عار نہیں' کیونکہ اس نے جس راستے پر قدم رکھا ہے وہ صالحین اور خدا کے نیک بندوں کا راستہ ہے۔

۸۵﴾ امام حسین علیہ السلام مطمئن ہیں

امام کا جملہ روز عاشور اِنِی لَاَرْجُو اَنْ یُکْرِمَنِیَ اللّٰہُ بِھَوَانِکُمْ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ آپؑ مطمئن تھے کہ میری یہ قربانی بنو امیہ کی آبرو اور مقاصد کو نابود کر کے رکھ دے گی اور امامت کی آبرو بلند تر ہو جائے گی۔

۸۶﴾ وصال الٰہی کے قریب

روز عاشورا جیسے ہی امام نے اصحاب کے ہمراہ نماز فجر تمام کی فرمایا: اصحاب من! آمادہ رہیں' موت فقط وہ پل ہے جو اس دنیا سے اس دنیا تک پہنچاتی ہے ایک سخت ترین دنیا سے ایک بہترین دنیا تک جو شریف و لطیف ہے جو واقعہ نگار وہاں موجود تھے انہوں نے کہا: حتیٰ ہلال بن نافع جو عمر سعد کا واقعہ نگار تھا اس نے بھی اسے نقل کیا' کہتا ہے کہ میں حسینؑ بن علیؑ پر حیران ہوں کہ آپؑ جس قدر شہادت اور مشکلات کے قریب تر

ہو رہے تھے آپؑ کا چہرہ اسی طرح نورانی اور مطمئن تر ہو رہا تھا۔ جیسے انسان وصال کے قریب ہو۔

۸۷۔ وقتِ وصال مسکراتے ہوئے

امام حسین علیہ السلام نے صبح عاشورا اپنے اصحاب سے فرمایا:

مَا الموتُ اِلَّا قَنطَرَةُ تَعْبُرُ بِكُمْ عَنِ الْبُؤسِ وَ الضَّرَّاءِ اِلَی الجنانِ

موت فقط پل کے علاوہ اور کچھ نہیں جس پر سے گزرنا ہے' اے اصحاب من! ہمارے سامنے ایک پل ہے جس پر سے گزرنا ہے۔ اس پل کا نام موت ہے' جب اس پل سے گزر جائیں گے' تو پھر وہاں پہنچ جائیں گے جو قابل تصور نہیں' لحہ بالحہ موت کے نزدیک ہو رہے ہیں لیکن امام حسینؑ کے چہرہ مبارک پر تبسم اور مسکراہٹ زیادہ نظر آ رہی ہے۔

ایک واقعہ نگار جو عمر سعد کے ہمراہ تھا جب جنگ تمام ہو چکی اور امام حسینؑ مقتل گاہ میں بے حال ہو کر گر پڑے ایک ثواب کی نیت سے' یہ واقعہ نگار عمر سعد کے پاس آیا اور کہا: اجازت دو کہ میں چلو بھر پانی حسینؑ بن علیؑ کے لیے لے جانا چاہتا ہوں کیونکہ وہ اس وقت موت کے قریب ہیں۔ وہ یہ پانی پئیں یا نہ پئیں تمہارے پر اس کا اثر نہیں ہوگا۔

عمر سعد نے اجازت دیدی' لیکن جب یہ گیا تو وہ لعین ازل تا ابد (شمر) واپس آ رہا تھا اور اس کے ہاتھوں میں امامؑ کا مقدس سر تھا' یہی شخص جو امامؑ کے لیے پانی لیکر جا رہا تھا کہتا ہے:

وَاللّٰهِ لَقَدْ شَغَلَنِی نُورُ وَجْهِهِ عَنِ الْفِكْرَةِ فِی قَتْلِهِ

چہرے کی بشاشت نے مجھے آپؑ کے قتل کی طرف فکر کرنے کا موقع ہی نہ دیا کہ امام حسینؑ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا گیا جبکہ لب خندان تھے۔ (چہرے پر تبسم تھا)

امام حسینؑ کی انقلابی شخصیت

۸۸﴿ شخصیات کی درجہ بندی

شخصیات کی کئی اقسام ہیں' بعض انقلابی شخصیات ہوتی ہیں اوران کی روح میں تحریک اور جوش وولولہ ہوتا ہے' بعض افراد کی روح غمی ہوتی ہے' بعض افراد کی روح میں رثا' آہ ونالہ ہوتا ہے' بعض کی روح وعظ نصیحت والی ہوتی ہے۔

۸۹﴿ حضرت سیدالشہداءؑ کی حماسی شخصیت

آیا حسینؑ بن علیؑ کی شخصیت حماسی (استقلال' جرأتمندانہ) ہے یا نہیں؟ آیا واقعہ کربلا حماسی ہے یا نہیں؟ ہمیں کیونکہ حسین بن علیؑ ہمارے لیے انسانی ہیں لہٰذا اسے سمجھنا چاہیے' اس شخصیت (امام حسینؑ) پر ہر سال کتنا وقت صرف ہوتا ہے' کتنے پیسے خرچ ہوتے ہیں کئی روز تعطیل ہوتی ہے' لہٰذا آپؑ کی خصوصیات کو پہچاننا چاہیے۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہی ہے کہ آیا حسین علیہ السلام ایک حماسی شخصیت ہیں یا نہیں؟ کیا ہمیں امام حسینؑ کو ایک حماسی شخصیت سمجھنا چاہیے یا نہیں' یا ایک غم زدہ' مصیبت' رثا اور قابل رحم سمجھنا چاہیے؟

۹۰﴿ حسینؑ کی شخصیت کی کلید

اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں نے شخصیت امام حسین علیہ السلام کی کلید (چابی) حاصل کرلی ہے' اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے' میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا' لیکن اتنا سا دعویٰ ضرور کرسکتا ہوں کہ جس حد تک میں شخصیت امامؑ کو شناخت کرسکا ہوں جو کچھ تاریخ میں پڑھا ہے' افسوس ہے کہ پوری تاریخ ہماری دسترس میں نہیں ہے' میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عاشورا کی تاریخ خوشبختی سے اس قدر مضبوط ہے' خطبات' نصائح اور شعار امام حسینؑ سے جو حاصل کیا ہے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری نظر میں امام حسینؑ کی شخصیت کی کلید' جرأت واستقلال ہے' جوش وولولہ ہے' عظمت ہے' صلابت' شدت ہے' استقلال ہے' حق پرستی ہے۔

۹۱﴿ امام حسین علیہ السلام کی عظمت کی کلید

حسینؑ بن علیؑ کی جو باتیں نقل کی گئی ہیں وہ نوادرات میں سے ہیں۔ لیکن جتنی بھی ہیں یہی روح لیے ہوئے ہیں' حسینؑ بن علیؑ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہمیں وہ ہیں سنائیں جو خود آپؑ نے پیغمبرؐ سے سنی ہیں دیکھیے! آپؑ پیغمبرؐ کی باتوں میں سے کس کا انتخاب کرتے ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا میں نے پیغمبر اکرمؐ سے یہ سنا ہے:

اِنَّ اللّٰہ تعالیٰ یُحِبُّ مُعالیَ الامورِ وَ اَشْرا فھا وَ یَکْرَہُ سَفْسافَھا.

اللہ تعالیٰ اعلیٰ وارفع اور بڑے کاموں کو دوست رکھتا ہے معمولی اور کم اہمیت کاموں کو پسند نہیں کرتا۔

یہاں سے امامؑ کی رفعت وعظمت کا اندازہ کیجیے کہ جب احادیث پیغمبرؐ میں سے کسی کا انتخاب کرتے ہیں جو حقیقت میں آپؑ کی عظیم شخصیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ کچھ اشعار بھی تاریخ میں ملتے ہیں جو امام حسینؑ سے صادر ہوئے اس میں بھی یہی روح جلوہ گر ہے۔

سبقت العالمین الی المعانی
بحسن خلیفة و علو همه
ولاح بحکمتی نور الهدی فی
لیال فی الضلالة مدلهمّه
یرید الجاحدون لیطفئوه
و یابی اللہ الا ان یتمّه

۹۲﴿ حماسی شخصیت کی خاصیت

ایک بات یا تاریخ یا شخصیت کے حماسی ہونے کی خاصیت اور اثر انداز ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ روح کو تڑپا دیتی ہے۔ حمیت وغیرت کو بیدار کر دیتی ہے شجاع و بے خوف بنا دیتی ہے۔ بدن میں خون کو حرکت میں لے آتی ہے' جوش وولولہ کو ابھارتی ہے' تن کو سستی اور آرام پسندی سے نجات دلاتی ہے اور اسے چالاک اور چابکدست بنا دیتی ہے۔

کتنا ہی خون اب تک بہایا جا چکا ہے جس کا ہدف فقط خونریزی ہو تو اس کا اثر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا' لوگ مرعوب ہو جائیں گے' ملت اور لوگوں کی طاقت کم ہو جائے گی' اس صورت میں سانس لینا بھی دوبھر ہوگا۔

۹۳۔ حسینؑ بن علیؑ کی عظیم روح

شب عاشور کی شرائط کی مانند جب دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے تمام ظاہری راستے بند ہو چکے تھے یہاں امامؑ کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا اور اسے یہ بھی یقین ہوتا کہ خود بھی اپنے اصحاب کے ہمراہ قتل ہو جاتا ہے ایسی کڑی شرائط میں وہ ضرور شکایت کرتا اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔

ایسے جملات ادا کیے جاتے ہیں کہ لعنت ہو فلاں پر یا تف ہے ایسے روزگار پر۔ کہتے ہیں نپولین جب ماسکو میں ایک حادثے کا شکار ہوا تو اس نے کہا کہ قدرت (طبعی حالات) نے چند گھنٹے میرا ساتھ نہیں دیا' وہ ہاتھ ملتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اے روزگار تم پر لعنت ہو کہ مجھے شکست سے دچار کر دیا۔

لیکن حسینؑ بن علیؑ اپنے اصحاب کو جمع کرتے ہیں ایسے گویا آپؑ کی روح سب سے موفق اور موج آفرین ہے فرماتے ہیں:

اثنیٰ علی اللہ احسن الثناء و احمدہ علی السّراء و الضّراء'
اللّٰھم انّی احمدک علی ان اکرمتنا بالنبوۃ' و علمتنا القران و فقھتنا فی الدین

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا سب کچھ آپؑ کے لیے آمادہ و تیار اور سازگار تھا اور حقیقت بھی یہی ہے' یہ شرائط ان کے لیے واقعاً نقصان دہ ہوتی ہیں جن کا ہدف و مقصد دنیوی حکومت ہوتا ہے۔

جس کے لیے حق حکومت اور سب کچھ حق و حقیقت کی خاطر ہو' تب وہ جو بھی قدم اٹھائے گا اس کے لیے حالات سازگار ہی ہوں گے' وہ سوائے شکر اور سپاسگزاری کے اور کچھ نہیں کہے گا۔

۹۴۔ ایک حماسی و مقدس تحریک کیسی ہوتی ہے؟ (حماسہ کا معنی دلیری اور شجاعت ہے)

امام حسین علیہ السلام کس طرح ایک حماسی شخصیت ہیں' آپؑ کے کلمات کیوں حماسی ہیں؟ اور حادثہ

کربلا کیوں حماسی ہے؟ سب سے پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ اس حادثہ کربلا میں تحمل ہے، صلابت ہے، غیرت ہے، آئیڈیا اور مسلک کے لیے دفاع اور فداکاری ہے، شہادت ہے، تمام حماسوں سے یہ جدا ہے، یہ ایک مقدس حماسہ ہے، یہ مطلق حماسہ ہے یعنی یہ کسی ملت یا قوم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ حماسہ انسانیت کے لیے ہے بلکہ اس سے بھی بالاتر یہ حماسہ خدا کے لیے ہے۔ یعنی خلقت کے کلی اہداف کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور اسی لیے یہ راہ خدا کے لیے ہے وگرنہ خدا تو شخصی طور پر اپنے لیے کچھ نہیں چاہتا کہ رضا یا عدم رضایت، فردی لحاظ سے جاہ، مقام اس قسم کی کوئی چیز درکار نہیں، یہ سب اگر ہے تو انسانیت کی عظمت اور تقدس کے لیے ہے، توحید کے راستے کے لیے ہے، انسان پرستی کے ساتھ مبارزہ ہے، عدل، آزادی اور ستم رسیدہ افراد سے ہمدردی ہے، اس لیے یہ ایک الٰہی حماسہ ہے، یہ ایک بین الاقوامی پروگرام ہے، ایک انسانی پروگرام ہے۔

ایک ملت کا پیرو فقط اپنی ملت کے لیے کام کرتا ہے ہوسکتا ہے کہ دوسری ملت کے لیے وہ سب سے بڑا مجرم ہو۔ اسکندر، یونانیوں کے لیے ایک بہت بڑا ہیرو ہے، لیکن دوسری طرف ایک ستم رسیدہ ملت کے لیے سب سے بڑا ظالم ہے، اس کے برعکس کہ جس کا ہدف حق، حقیقت، عدالت، حریت، خدا ہو۔

حتیٰ اگر کسی کے مادی حقوق پائمال ہو جائیں جو اس کا ہدف تھا، تو وہ اقتصادی برابری کے لیے کام کرے گا۔ اس کی فکری صلاحیت کی بنیاد اقتصاد ہو گی۔ اگر وہ اس کے لیے حرکت کرتا ہے تو اس کا حقیقی محرک ذاتی منافع ہوگا۔ کیونکہ اس کے اپنے مادی حقوق پائمال ہو رہے ہیں، ایسے شخص کی تحریک کبھی بھی تحریک نہیں کہلا سکے گی۔

۹۵۔ امام حسینؑ کی قوی شخصیت

امامؑ قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوتے ہیں، دعا کرتے ہیں اور بہت گریہ وزاری کرتے روتے روتے آنکھ لگ جاتی ہے، عالم خواب میں پیغمبر اکرمؐ کو دیکھتے ہیں، ایک ایسا خواب دیکھتے ہیں آپؑ کے لیے الہام و وحی کا درجہ رکھتا تھا۔ حضرتؑ دوسرے روز مدینہ چھوڑ دیتے ہیں اور مکہ کی طرف کرتے ہیں، اصلی شاہراہ پر سفر جاری رکھتے ہیں نہ کسی اور راستے سے بعض جو آپؑ کے ہمراہ تھے انہوں

نے عرض کی:

یابن رسولؐ اللہ! لو تنکبت لطریق الاعظم

یابن رسولؐ اللہ! بہتر ہے آپ اصلی شاہراہ پر سفر نہ کریں۔ کوئی بھی آپؑ کو اس سے روک سکتا ہے' کوئی بھی مشکل ہو سکتی ہے۔

(ایک شجاع اور قوی روح ہرگز ایسا نہیں کر سکتی۔) فرمایا: میں پسند نہیں کرتا کہ خود کو ایک باغی اور مفرور کی شکل دے لوں' اسی راستے سے جاؤں گا' جو خدا چاہے گا وہی ہو کر رہے گا۔

۹۶ حماسی روح ایجاد کرنا

تربیت کا ایک اصول یہ ہے کہ افراد کی روح میں حماسہ پیدا کر دیا جائے' البتہ یہ حماسہ الٰہی ہو' نسلی اور ملی نہ ہو' یعنی خیر و نیکی کا حماسہ (شجاعت' جذبہ' مردانگی) بطور کلی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شہید کا جزبہ قابل تحسین ہوتا ہے۔

و ان کان الا فلیکن تعصبکم فی محامد الغصال

اگر آپ متعصب ہیں تب بھی آپ کا یہ تعصب انسان کی عالی صفات اور پسندیدہ کام کی خاطر ہو۔

۹۷ حماسی روح کی خاصیت

معاشرہ اس وقت اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے جب اس معاشرے کے افراد میں جزبۂ احساس اور شخصیت کا وجود ہو' زندگی کا مستقل فلسفہ رکھتا ہو اور اس پر ایمان و بھروسہ بھی رکھتا ہو۔

۹۸ حماسہ کیا ہے؟

حماسہ کیسی چیز پر ناز کرنا یا کسی موضوع پر افتخار کرنا۔ لیکن اس کی شرط یہ ہے جب بھی اسے یاد کیا جائے تو اس کی یاد روح میں ایک ہیجان برپا کر دے' اسے حرکت پر آمادہ کر دے' دفاع کے لیے آمادہ کر دے اسی حماسے کو ہم جوش و جذبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

۹۹ بیکار زندگی قابل قبول نہیں

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حماسہ سے خالی اور عاری ہیں وہ اپنے آپ کو حقیر' شکست خوردہ اور غلا خیال کرتے ہیں' ان کے پاس اپنے افکار و عقیدہ کے دفاع کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا' وہ فقط اپنی جان

مال کا دفاع کرتے ہیں' اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی قابل تعلق و قابل دفاع چیز نہیں ہوتی' وطن' قومیت' نسل' زبان' دین و آئین و حرکت و کرامت نفس نام کی کوئی چیز ان کی شخصیت میں نہیں دیکھی جاسکتی' فقط اس حیوان کی مانند ہوتے ہیں جو بولنا جانتا ہو' لیکن ایسے افراد بھی ہیں جنہیں اپنی شخصیت کا احساس ہوتا ہے' ان کی روح میں جوش و جذبہ (حماسہ) ہوتا ہے۔ جرمن قوم (جرمن قوم سب سے برتر قوم ہے) ان میں حماسہ موجود تھا۔ عرب میں بھی غیر عرب کی نسبت فوقیت کی خو موجود تھی اور اسلام نے اس فوقیت کا مقابلہ کیا' کم و بیش ہر قوم میں ایک قسم کا حماسہ ہوتا ہے اسلام کی نظر میں قومیت کے لحاظ سے حماسہ کا ہونا مذموم ہے۔

حماسہ امام ایک انسانی حماسہ ہے' اسے اگر تعصب کا نام دیا جائے تو یہ ممدوح ہے' یہ حماسہ تو کرامت نفس' آزاد زندگی اور عزت نفس ہے بلکہ یہ تو زندگی ہے ننگ و عار کے ساتھ زندگی گزارنا اس حماسہ کے ہمراہ ناقابل برداشت ہے۔

۱۰۰۔ حماسی روح کے نتائج

کیا آیات قرآن میں حماسہ ہے؟

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ساری عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اس کے رسول کی ہے اور اہل ایمان کی ہے۔

اور یہ آیۃ کریمہ:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غلبہ پانے کی کوئی راہ نہیں دے گا۔

حماسہ دراصل کلی طور پر باطنی کیفیت کی طرف متوجہ ہونا ہے' ایسی کیفیت بھی بعض اوقات ہوتی ہے۔ جو بے بنیاد ہوتی ہے مثلاً یہ کہ جرمن لوگ یا ختم ہو جائیں گے یا پھر دنیا کی حکمرانی حاصل کرلیں گے اور اسی طرح دوسرے حماسے مثلاً دوسروں سے برتر اور مقدم ہونے کا حماسہ وغیرہ۔

حماسے کی ایک کیفیت اور بھی ہے کہ غلامانہ زندگی نہ گزاری جائے' انسان کو آزاد خلق کیا گیا ہے۔ و لا تکن عبد غیرک و قد جعلک اللہ حراً یا پھر خود کو دروغ، غیبت اور خیانت سے آلودہ نہ کرے۔

حماسی سخن (بات) حماسی تاریخ' حماسی شخصیت وہ جو باطنی لحاظ سے غیرت' حمیت' شجاعت اور فداکاری کو حرکت میں لے آئے' بدنی لحاظ سے خون کو رگوں میں گرما دے' بدن کو حرارت' چالاکی اور چستی میں لے آئے' درحقیقت بدن کو حیات تازہ عطا کر دے' بعبارت دیگر روح کو تڑپا دے' انقلاب برپا کر دے' ستم اور ستم گر کے مقابلے کے لیے مزاحمت پیدا کر دے۔

۱۰۱۔ اجتماعی حماسی روح کی خاصیت

اجتماعی حماسی روح کی ایک خاصیت یہ ہے کہ کسی بھی دوسرے فرد اور اجتماع کو اپنے اندر جذب نہیں ہونے دیتی' کیونکہ اپنی شخصیت میں استقلال اور آزاد منشی کا احساس رکھتی ہے۔

۱۰۲۔ حضرت سید الشہداؑ کی روح کی عظمت

ا۔ کلی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو اندرونی لحاظ سے چھوٹے اور معمولی لوگ ہوتے ہیں از خود کسی درد کو محسوس نہیں کرتے اس لیے ہدف بھی نہیں رکھتے (ان کے تمام درد اور اہداف ان کی جسمانی ضروریات میں ہی گم ہو جاتے ہیں) ان کا کوئی آئیڈیل نہیں ہوتا' اس لیے وہ اپنے تن کو زحمت میں نہیں ڈالتے' جس لقمے کی خاطر محنت کرتے ہیں اس کے حصول کے بعد اسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ لیکن روحی طور پر بلند افراد ہمیشہ اپنے تن کو زحمت میں ڈالتے ہیں' مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں' خواہ ان کا سر کٹ جائے یا وہ مجروح ہو جائیں' اسی لیے شہادت کو وہ اپنے لیے ایک افتخار سمجھتے ہیں' جو ان کی عظمت کی علامت ہے۔ ایسی ہستیوں کی روح ان کے جسم سے بزرگ تر ہوتی ہے۔ اس صورت میں جسمانی کام جسم کے لیے دشوار تر ہوتا ہے۔ بدنِ علیؑ اگر روح علیؑ کے ساتھ رہے گا تب اسے نان جویں اور شب زندہ داری کے ساتھ رہنا ہوگا' بلکہ خود علیؑ کی طرف سے اسے مجازاً اپنا سر تنور میں لے جانا پڑتا ہے۔ تن حسینؑ اگر روح حسینؑ کے ساتھ ہمدم ہونا چاہتا ہے' تو اسے بے اندازہ تشنگی (پیاس) کے لئے تیار رہنا ہوگا' گھوڑے کے سمو

تلے اپنے جسم کو پامال کروانے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ جسم کو تیروں کے لیے آمادہ رہنا ہوگا۔ ''کالقنفذ'' (تاریخ میں ملتا ہے کہ حضرتؑ کے جسم اطہر پر تیر اس طرح پیوست تھے اس حیوان کی طرح کہ جس کی پشت پر کانٹے ہوتے ہیں) خوش رہے وہ جسم جو ایک معمولی اور چھوٹی روح کے ساتھ ہمدم ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی چیز کی رعایت نہیں کرتے' چاہے ذلت و رسوائی سے' یا چوری سے' قتل و غارت سے اور مختلف جرائم سے اپنے لیے ہر چیز فراہم کرتے ہیں۔

اس بدن کا کیا حال ہوگا جو ایک شریف و بزرگ روح کے ساتھ ہوتا ہے جسے چند لقمے جو کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملتا اور اسے بھی بڑی زحمت سے حاصل کرتا ہے' شب بیداری بھی کرتا ہے روزانہ دُرہ (کوڑا) ہاتھ میں لیکر سارا دن اجتماع کی نگرانی کرتا ہے۔ شمشیر لیے کو روکتا ہے اور پھر اپنا سر تنور میں لے جاتا ہے۔

۲۔ علی علیہ السلام متقین کے بارے میں فرماتے ہیں:

انفسهم منهم فی تعب' والنّاس منهم فی راحة

متقین خود کو زحمت میں ڈالتے ہیں تا کہ لوگ آسودہ خاطر رہیں' یہاں نفس سے مراد نفس حیوانی ہے' یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی آسائش اس میں ہے کہ دوسروں کی آسائش سلب نہ ہو۔

۳۔ امام حسین علیہ اسلام کا یہ جملہ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راویت کیا ہے:

انّ اللّٰه یحب معالی الامور و یبغض سفسافها

خداوند عظیم اور اہم کاموں کو دوست رکھتا ہے جبکہ پست اور ادنی کاموں سے دشمنی رکھتا ہے۔

۴۔ بعض ارواح جسم کے لیے ایک خدمت گزار کی حیثیت رکھتی ہیں' یعنی فکر' عقل' عاطفہ جسمانی' اور حیوانی اہداف کی خدمت میں رہتے ہیں' روح اسیر ہے' روح ایک حد تک رنج برداشت کرتی ہے' جبکہ معمولی درجہ کی روح اس احساس سے بھی محروم ہوتی ہے۔

روح کو بزرگ ہونا چاہیے جو درد و رنج کا احساس کرے' اگر روح درد و رنج کا احساس کرے تب یہ روح چھوٹی یا معمولی نہیں اس صورت میں یہ جسم کی خدمت گزار نہیں رہتی۔

۵۔ یہ شعر بڑا مناسب ہے:

لنقل الصّخر من قلل الجبال　　　احبّ الیّ من منن الرّجال

يقول النّاس لی فی الکسب عار　　　فانّ العار فی ذلّ السّؤال

پہاڑ سے وزنی پتھر اٹھا کر نیچے لانا میرے نزدیک دوسروں کا احسان لینے سے زیادہ محبوب تر ہے' لوگ مجھے کہتے ہیں کہ محنت کرنا ننگ و عار ہے جبکہ خواہشات کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کرنا میں ہے۔

۶۔ یہ جوامام نے فرمایا: "الا و انّ الدّعیّ...

هيهات منّا الذّلة

یہ روح کی عظمت کی خاطر اپنے تن کو زحمت دینے کی علامت ہے۔

۷۔ روح و بدن کا اتحاد و یگانگی کے باوجود دو پہلو رکھتا ہے۔ یہ اتحاد ان دو رفیقوں کی مانند ہے جن پر ایک طرف تو اکٹھے رہنا لازمی ہے یعنی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے اور دوسری طرف یہ ایسے رفیق ہیں کہ جن کا ہدف ایک نہیں ہے۔

میلِ جان اندر ترقی و شرف

میل تن در کسب اسباب و علف

روح ترقی اور شرف کی طرف میلان رکھتی ہے جبکہ اس کے برعکس' جسم کھانے پینے کے اسباب کی طرف میلان رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک چیز کا چھوٹا رہنا دوسرے کے لیے نفع بخش ہے' ایک کا رشد کرنا دوسرے کے لیے نقصان میں ہے۔

۸۔ کہتے ہیں کہ نوابغ (نابغہ کی جمع) برے شوہر ثابت ہوتے ہیں۔ اس کی دلیل واضح ہے کیونکہ ان کی روح کی سطح ایک عورت کی تمنا اور فکر سے کہیں بلند ہوتی ہے' جسم تو اس کا عورت کے ساتھ ہوتا ہے لیکن روح نہیں' اگر کوئی نابغہ بھی ہو اور ایسے مواقع پر اس قدر تنزل کرے کہ ایک عام عورت کی مانند بھی فکر کرنے لگے تو پھر واقعاً وہ نابغہ سے بھی آگے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اپنے کو کمتر رکھنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اپنے آپ کو تنزل دینے کی قدرت رکھنا فوق العادہ خصوصیت ہے۔

میرے ساتھ ایسا کئی مرتبہ ہوا ہے کہ ایسے اشخاص کے ساتھ مختصر سا عرصہ بھی گزارنا عذاب الیم ہے جو فکری اور روحی لحاظ سے نچلی سطح پر ہوتے ہیں' میں نے دیکھا کہ میرے پاس ان کے ساتھ بات کرنے کے لیے ایک کلمہ بھی نہیں ہے' گویا ساری معلومات فراموش کر چکا ہوں۔

۹۔روح کی بزرگی' حقارت اور احساس کمتری کے مقابلے میں ہے' کیت کا مسئلہ ہے' بزرگ روح کی آرزو بزرگ ہوتی ہے' ایک بزرگ وسیع اندیشہ ہے' ایک خواہش اور بڑا ارادہ ہے' ایک بڑی ہمت ہے' یہ جو آرزو رکھتا ہے کہ ثروت میں سب سے اوپر آ جائے' نہ خالی آرزو بلکہ آرزو' عمل کے ساتھ۔

ایک شخص جس کی روح بزرگ ہوتی ہے نظامی عروضی (احمد بن عبداللہ الخجستانی) سے پوچھا گیا تم تو گدھے چرایا کرتے تھے تو اب کیسے خراسان کے امیر بن گئے؟ تو اس نے کہا میں خجستان میں' حنظلہ بادغیسی' کا دیوان پڑھ رہا تھا تو یہ دو شعر پڑھے:

مھتری گر بہ کام شیر در است
شو خطر کن زکام شیر بجوی
یا بزرگی و عز و نعمت و جاہ
یا چو مردانت مرگ رویاروی

تو میرے اندر جذبہ بیدار ہوا جس کے باعث میں اپنی حالت کو باقی رکھنے پر راضی نہ ہوا' میں نے تمام گدھے بیچ کر گھوڑے خرید لیے اور اپنے وطن کو ترک کر دیا' علی بن اللیث کی خدمت میں چلا گیا' یہاں تک پہنچنے کے یہی دو شعر سبب بنے' بزرگ روح کمی بیشی اور حقارت کے زیر اثر نہیں ہوتی' اپنی قدر کی کمی پر راضی نہیں ہوتی۔

بہ کم از قدر مشو راضی
بین کہ گنجشک می نگیرد باز

روح بزرگ اہل مہاجرت (ہجرت کرتی ہے) ہے' اپنے گھر اور آب و خاک پر قناعت نہیں کرتی' سفر کرتی ہے' دریاؤں اور مشکلات کا استقبال کرتی ہے' دن رات کوشش کرتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں جلدی بوڑھی ہو جاتی ہے' بیمار رہنے لگتی ہے آدھی عمر کے بعد مر جاتی ہے۔' موسولینی' کہتا ہے سو سال گوسفند (بکری) کی زندگی پر میں ایک سال شیر کی زندگی گزارنے کو ترجیح دوں گا۔

بڑا انسان زندان سے خوف زدہ نہیں ہوتا' دس سال بیس سال زندان میں گزار دیتا ہے تا کہ دو سال محنت سے گزار لے۔

۱۰۔ اسکندر، خشایادشاہ، نادرشاہ، نپولین اور بڑے لوگ محنت و مشقت کے دلدادہ تھے، لیکن جاہ طلبی، رقابت، حسادت، شہوت، حسن پرستی میں بھی ان کی آرزوئیں بڑی تھیں۔ یہ عام روحوں کی نسبت بیشتر اہمیت وعظمت رکھتی ہیں۔ اگر یہ جہنم میں بھی چلے جائیں تو اس صورت میں ایک بڑی روح جہنم میں جائے گی، یہ بڑے ہوا و ہوس پرست تھے، ان کے وجود اور روح میں جس چیز نے رشد کیا وہ شہوت، جاہ طلبی، حسادت اور کینہ پروری تھی۔

لیکن بزرگواری، غیر از بندگی ہے، روح کا بزرگوار ہونا چھوٹی روح کے مقابل نہیں، بلکہ روح کی پستی اور ذلت کے مقابلے میں ہے۔

یہ پستی کس طرح کی پستی ہے؟ یہ بھی ایک ماوراء الطبیعہ مسئلہ ہے اور مادی منطق کی ضد ہے، کہتے ہیں کہ تن کو ذلت کے حوالے نہ کریں تن کو خوار نہ کریں، آقا ہونا کہ نوکر، عزیز ہونا کہ ذلیل، سب قابل لمس نہیں، افتخار کیا ہے؟

تن مردہ و گریۂ دوستان
بہ از زندہ و خندۂ دشمنان
مرا عار آید از این زندگی
کہ سالار باشم کنم بندگی

ترجمہ: اگر میں زندہ نہ رہوں لیکن دوستوں کو میری کمی محسوس ہو اور وہ اس پر گریہ وزاری کریں اس سے بہتر ہے کہ میں زندہ رہوں اور دشمن مجھ پر ہنستا ہو ایسی زندگی میرے لیے ننگ و عار ہے کہ سالار اور قافلہ تو رہوں لیکن بندگی کروں۔

ان الحیاۃ فی موتکم قاهرین و الموت فی حیاتکم مقهورین

یعنی کیا؟

۱۰۳۔ مرد عمل

حسینؑ بن علیؑ نے کتنے خطبے دیے اور اس پر کتنا عمل کیا؟ خطبات کا حجم کتنا کم اور اعمال کا حجم کتنا زیادہ ہے جب عمل ہو تو گفتار کی ضرورت نہیں رہتی۔

۱۰۴۔ روح کی آمادگی

یہاں سے اباعبدؑ اللہ کی روح کے پرشکوہ اور پر جلال ہونے کا پتا چلتا ہے سب سے پہلے یہ فرمایا: اے میری اہل بیت "استعدوا للبلاء" اپنے آپ کو سختیوں کے لیے آمادہ کر لیں چاہتے تھے کہ ان کی روح آمادہ ہو جائے اس بارے میں صرف یہی ایک جملہ ارشاد فرمایا لیکن اس کے بعد یہ فرمایا:

واعلموا انّ اللّٰہ حافظکم و منجیکم من شرّ الاعداء و معذّب اعادیکم بانواع البلاء

اے میری اہل بیت! یقین رکھیں کہ تمہیں سختی اور مصائب جھیلنا ہوں گے، لیکن ذلت تمہارے قریب نہیں آئے گی یہ جان لیں خدا تمہارا محافظ ہے اور وہ دشمنوں کے شر سے تمہیں محفوظ رکھے گا اور تمہیں بڑے احترام کے ساتھ اپنے جد کے شہر میں واپس لائے گا اس کے بعد تمہارے دشمنوں کی بدبختی شروع ہو جائے گی مطمئن رہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو اسی دنیا میں مختلف نوع کے عذابوں میں مبتلا کر دے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ امام حسینؑ کو یہ سب معلوم تھا۔

۱۰۵۔ بیداری حُر کی علت

کہا گیا ہے کہ حر سید الشہداء کا گرویدہ ہو گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپؑ کے ساتھ ساتھ رہا اور آپؑ کو قریب سے جاننے کا موقع ملا۔

۱۰۶۔ انفاق جان و مال

امام حسین علیہ السلام جب کربلا آ رہے تھے تو یہ اشعار آپؑ سے نقل کیے گئے آپؑ کے والد بزرگوار بھی یہی اشعار پڑھا کرتے تھے وہ یہ ہیں:

فان تکن الدنیا تعدّ نفیسہ
فدار ثواب اللّٰہ اعلیٰ و انبل
و ان تکن الاموال للترک جمعھا
فما بال متروک بہ المرء یبخل

و ان تكن الابدان للموت انشأت

فقتل امرء بالسيف فی اللہ اجمل

اگرچہ دنیا زیبا اور دوست رکھنے والی ہے' دنیا انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے' لیکن اجر الٰہی کا مقام' آخرت کا گھر اس دنیا سے کہیں زیبا تر ہے' اس دنیا سے کہیں زیادہ بالاتر اور عالی تر ہے۔

مال دنیا کو آخرکار یہاں چھوڑ کر چلے جانا ہے' تو پھر کیوں نہ انسان اسے راہ خدا میں خرچ کرے اگر ہمارے یہ بدن اس لیے بنائے گئے ہیں کہ آخرکار مرجائیں تو پھر کیوں نہ خدا کی راہ میں تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔

۱۰۷۔ امام حسینؑ بن علیؑ کی عظمت

حسینؑ بن علیؑ ایک بزرگ و مقدس روح ہیں۔ بنیادی طور پر اگر روح بزرگ ہو جائے' تو پھر جسم کو زحمت اٹھانا پڑے گی' جب روح معمولی رہ جائے یا چھوٹی ہو جائے تب تن آسائش پسند ہو جائے گا۔ یہ بات ایک معیار کے مطابق ہے' ابن عباسؓ جیسے روکنے کے لیے آئے مگر روح حسینؑ اس کی اجازت نہیں دیتی۔ عرب کا مشہور شاعر متنبی' جس نے اچھے شعر کہے کہتا ہے:

و اذا كانت النفوس كباراً

تعبت فی مرادها الاجسام

کہتا ہے: جب روح بزرگ ہو جائے تو پھر تن کے لیے کوئی چارہ نہیں رہتا کہ روح کے پیچھے چل پڑے اور ناراحت رہے' لیکن معمولی روح تن کی خواہشات کے پیچھے ہوتی ہے' وہ تن کے فرمان کی اطاعت کرتی ہے' چھوٹی روح بدن کے لقمے کیے لیے کوشش کرتی ہے' چاہے اُسے خوشامد و چاپلوسی سے ہی کام لینا پڑے۔ معمولی روح عہدہ اور مقام کے پیچھے ہوتی ہے' چاہے اس کے لیے عزت و ناموس ہی گروی رکھنا پڑے' معمولی روح تن کو ہر ذلت و بدبختی کے لیے تیار کر دیتی ہے' کیونکہ تن کے لیے قالین و صوفہ ضروری ہے' آسائش چاہتا ہے' آرام کی نیند ضروری ہے' لیکن روح بزرگ تن کو نان جویں کھلاتی ہے' پھر یہ روح اسے بیدار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ شب زندہ داری کرو! بڑی روح جب اپنے وظیفے میں معمولی

سی کوتاہی دیکھتی ہے تو اپنے جسم سے یہ کہتی ہے تم اس سر کو تنور میں لے جاؤ تا کہ حرارت کا احساس کر و تا کہ آئندہ یتیموں اور بیواؤں کے امور میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔

۱۰۸﴾ امام حسین علیہ السلام کی باریک بین نگاہ

خطّ الموت علی ولد آدم مخط القلادة علی جید الفتاة

آخر میں یہ فرمایا:

فمن کان فینا باذلا مهجته و موطناً علی لقاء اللّٰه نفسه فالیرحل معنا فاننی راحل مصبحاً ان شاء اللّٰه

یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دراصل میری روح اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس فاسد ماحول کو دیکھوں اور پھر زندہ بھی رہوں' تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں۔

انی لا اری الموت الا سعادة و الحیوة مع الظالمین الا برما

میرے لیے ایسی جمعیت کے درمیان نہ رہنا باعث افتخار ہے ان ستمگروں کے ساتھ زندگی گزارنا میرے لیے ملامت ہے' روح کی افسردگی ہے' کسالت اور خودکو تھکانا ہے۔

۱۰۹﴾ عظیم کردار

اگر حسینؑ بن علیؑ کی شہادت صرف ایک غمگین واقعہ ہوتا اگر فقط ایک مصیبت ہوتی یعنی اگر یہی ہوتا کہ یہ خون ناحق بہایا گیا یا ایک تعبیر کے مطابق صرف ایک شخصیت کو قتل کیا گیا' ایک ایسی شخصیت جو انتہائی اہم ہی کیوں نہ ہو' تو ہرگز اس قدر آثار مرتب نہ ہوتے' حسینؑ بن علیؑ کی شہادت کے اثرات اس لیے موجود ہیں کہ آپؑ کی تحریک ایک الٰہی تحریک تھی' یہ داستان کوئی تاریخی داستان نہ تھی اور نہ ہی ایک ستمگر گروہ کی جانب سے ظلم و ستم تھا' بلکہ ایک ایسا عظیم کردار تھا جس پر دوسری طرف سے مظالم ہوئے۔

۱۱۰﴾ روح جتنی بزرگ تر ہوگی اتنی ہی قوی تر ہوگی

امام حسین علیہ السلام کے کلمات میں سے ہے کہ: القدرة تذهب الحفیظة

یعنی قدرت' توانائی اور قوت' غصہ و کینہ اور حسد کو تباہ کر دیتی ہے' لہٰذا انسان جس قدر روحی لحاظ سے قوی تر ہوگا' اسے ایسے مسائل کم پیش آئیں گے' انسان روحی لحاظ سے جس قدر کمزور ہوگا تو وہ دوسروں

کے مقابلے میں زیادہ کمزوری محسوس کرے گا اس کے مسائل بھی اتنے زیادہ ہوں گے اور جو روحانی حوالے سے کمزور رہے گا اور ایسے مسائل اسے زیادہ پیش آئیں گے۔

کربلا: اخلاقی فضائل کی تجلیگاہ

حصہ اول

حسینؑ کرامت وعزت نفس کا مظہر

۱۱۱ کرامتِ نفس سید الشہداء

یہ ایسا بلند اسلامی اصول ہے جو امام حسین علیہ السلام کے وجود میں مجسم ہوا اور آپؑ کی تمام زندگی کرامتِ نفس کے شعار سے لبریز ہے۔

۱۱۲ کرامت اور عزت نفس اپنے عروج پر

امام حسین علیہ السلام کے جو کلمات ہم تک پہنچے ہیں اس میں عزت وشرافت اور کرامت انسانی موجزن ہے۔ اس طرح کے کلمات دوسرے ائمہ کی نسبت آپؑ کے ہاں زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ داستان کربلا ہے ایک ایسا موقع تھا جس میں امام حسین علیہ السلام کی روح کو ان کلمات کی صورت میں اپنی تجلی کا موقع ملا۔ جب آپؑ کربلا آ رہے تھے' تب راستے میں لوگ آپؑ سے ملتے تو وہ یہ کہتے تھے' آقا نہ جائیں جان کا خطرہ ہے' تو آپؑ ایک جواب دیتے' البتہ یہ سب جوابات اس پر مشتمل تھے {جو کہ یہ ہے} کہ نہیں! مجھے ضرور جانا چاہیے' انہی میں سے ایک نے جب حضرتؑ سے ملاقات کی اور کہا: مصلحت اسی میں ہے کہ آپؑ نہ جائیں' فرمایا: میں تمہیں وہی جواب دوں گا جو ایک صحابی کے جواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔

جب ایک شخص نے انہیں جہاد اسلامی میں شرکت سے منع کیا۔ تب سید الشہداء نے یہ اشعار پڑھے:

سأمضی و ما بالموت عار علی الفتیٰ

اذا ما نویٰ حقاً و جاهد مسلماً

و واسی الرجال الصالحین بنفسه

و فارق مثبوراً و خالف مجرما

میں ضرور جاؤں گا' ایک جواں مرد انسان کے لیے موت ننگ و عار نہیں اگر وہ راہ حق کے لیے جہاد کرے جبکہ وہ تسلیم ہو تو اسے کوشش کرنی چاہیے (اس کی نیت حق ہو اور مسلمان ہو مجاہدہ و جہاد کرے) صالح افراد کے ساتھ روابط رکھے' ہمدردی کرے اور اس کے برعکس اپنے راستے کو بدبخت و ہلاک شدہ مجرم و گناہگار لوگوں سے جدا کرے۔

فان عشت لم اندم و ان مت لم الم

کفی بک ذلاً ان تعیش و ترغما

میں زندہ رہوں گا یا مر جاؤں گا' ان دو کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں۔ میرے لیے دونوں طرف ہی خیر و سعادت ہے' اگر زندہ رہا تو کوئی بھی اس کی مذمت نہیں کرے گا' کیونکہ موت سے فرار اختیار نہیں کی اور اس آزمائش سے کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہوں گا۔ موت سے نہیں ڈرا اور زندہ رہا' ایسی زندگی میرے لیے ننگ و عار اور قابل مذمت نہیں' اگر مر بھی جاؤں تو بھی مورد ملامت نہیں ہے۔

کفیٰ بک ذلا ان تعیش و ترغما

یہ تینوں مصرعے اس ایک شعر کی خاطر ہیں' تمہارے لیے یہ ذلت اور بدبختی کافی ہے کہ زندہ رہو لیکن تمہارا دماغ خاک آلود ہو' اس سے بڑھ کر زندگی کے لیے بدبختی و ذلت اور کیا ہو گی؟

۱۱۳۔ روح عزت اور فیاضی

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

موت فی عز خیر من حیاةٍ فی ذل

عزت کے سائے میں موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

امام حسین علیہ السلام یہ نہیں کہہ رہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ یزید و ابن زیاد جیسوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں کیونکہ ہم اپنے نفس کے خلاف زیادہ جہاد کرنا چاہتے ہیں۔

الا و ان الدعی قد دکز بین اثنتین بین السلة و هیهات منا الذلة' یأ

بی الله ذلک لنا و رسوله و المؤمنون و حجور طابت و طهرت

اے زیاد کے بیٹے! مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کروں یا ذلت قبول کر لوں یا پھر تلوار سے قتل کر دیا جاؤں۔

هیهات من الذلة

ہم کہاں اور ذلت کہاں! ذلت قبول کر لوں خدا اس پر راضی نہیں ہے۔ یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ میرے شخصی احساسات نہیں' میرا مکتب اس بات کی اجازت نہیں دیتا' میرا خدا اس بات کی اجازت نہیں دیتا' میرا پیغمبرؐ اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔

میری تربیت' مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی' میں نے دامن علیؑ و دامن زہراؑ میں تربیت پائی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: ہم ابن زیاد کی ذلت (بیعت) قبول کر لیں' وہ جو کرنا چاہے کرلے کیا وہ ہماری توہین ہی تو کر رہا ہے اور بُرا کہہ رہا ہے؟ وہ جتنا زیادہ (توہین) کریں گے' تو اس صورت میں ہم نے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ ابداً! ایسا نہیں کہا:

لا والله لاُعطیکم بیدی اعطاء الذّلیل و لا افر فرار العبید

میں ہرگز یہ ذلت قبول نہیں کروں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح فرار اختیار کروں گا۔

یا پھر دوسری روایت کے مطابق

ولا اقر اقرار العبید

اور نہ ہی غلاموں کی طرح اقرار واعتراف کروں گا۔

ذلت کے لیے آمادہ نہیں ہوں' اس طرح کی تعبیرات قرآن و حدیث اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے کلمات میں خاص طور پر کلمات امام حسین علیہ السلام میں بہت زیادہ ہیں۔

۱۴۸﴾ ذلت آمیز زندگی سے سرخ موت بہتر

اس کے باوجود کہ امام حسین علیہ السلام سے زیادہ کلام نقل نہیں ہوا۔ اگر اس مناسبت سے حساب کریں تو معلوم ہوتا ہے آپؑ کے کلام میں سب سے زیادہ کرامت اور عزت نفس جیسے موضوع پائے جاتے ہیں۔ آپؑ کے کلمات قصار میں سے یہ جملہ (بحار) میں موجود ہے۔

موت فی عز خیر من حیوة فی ذل

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے اور اس پر ترجیح رکھتی ہے۔ آپؑ کا یہ مشہور جملہ "ھیھات منّا الذلّة"

یہ ایسا عجیب جملہ ہے جو قیامت تک نور اور حرارت دیتا رہے گا۔ اس جملے سے حماسہ، کرامت، عزت و شرافت نفس ٹپکتا ہے۔

الا و ان الدعی ابن الدعی قد رکز بین اثنتین بین السلّة و الذلّة و ھیھات منّا الذلّة یابی الله ذلک لنا و رسوله و المومنون و حجور طابت و طھرت و انوف حمیّة و نفوس ابیّة من ان نؤثر طاعة اللئام علی مصارع الکرام

[روز عاشورا امام حسینؑ] کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر لوگوں سے بات کرتے، ایک موقعہ ایسا آیا کہ آپؑ چاہتے تھے کہ آپ کی آواز سب لوگ سن لیں، اونٹ پر سوار ہوئے تاکہ بلند بھی ہو جائیں (جیسے منبر ہوتا ہے اور دوسروں لوگوں سے بلند ہوتا ہے، کیونکہ دوسرے افراد اس وقت گھوڑوں پر سوار تھے) تاکہ وسط میدان سب آپؑ کو دیکھ سکیں، اس وقت یہ جملے ارشاد فرمائے:

ھیھات منَ الذلّة

ہم کہاں اور ذلت وخواری کہاں؟ زمین تا آسمان فرق ہے۔ ہمارا خدا ہمارے لیے ذلت پسند نہیں کرتا، پیغمبرؐ پسند نہیں کرتے جس دامن میں ہم نے پرورش پائی ہے، وہ اجازت نہیں دیتے۔ (گویا یہ کہہ رہے ہیں) اگر پوری دنیا کے مومنین سے تا قیامت یہ پوچھا جائے، ریفرنڈم کروایا جائے کہ آپ حسینؑ کے

لیے ذلت پسند کرتے ہیں یا شمشیر، تمام مومنین یہی کہیں گے کہ ہم شمشیر پسند کرتے ہیں ذلت کو نہیں۔

من ان نؤثر طاعة اللئام علی مصارع الکرام

وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ ہم پست فطرت اور ستمگروں کی اطاعت قبول کریں۔ روز عاشور امامؑ نے فرمایا:

لا واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل و لا افر فرار العبید

میں ایک ذلیل انسان کی مانند ان کی بیعت نہیں کروں گا اور نہ ہی غلاموں کی مانند فرار اختیار کروں گا۔

اسی طرح آپؑ سے یہ جملہ بھی صادر ہوا:

الصدق عز و الکذب عجز

(اس طرح کے جملات آئمہ اطہار کے کلمات میں بھی زیادہ ملتے ہیں۔)

سچائی عزت ہے اور جھوٹ ناتوانی ہے، ایسے نکات موجود ہیں جس کی تدریجا شرح پیش کرتا ہوں۔

اس طرح کی تعبیرات کے اندر کئی معانی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ سچائی کو اس لیے اپنایا جائے کہ اس میں عزت ہے اور انسان عزت وشرف کے پیچھے ہوتا ہے اس دلیل کی بنیاد پر دروغ سے پرہیز کرے کہ دروغ ..وناتوانی ہے دروغگو انسان عجز وناتوانی کا اپنی روح میں احساس کرتا ہے اسی لیے جھوٹ بولتا ہے یعنی یہ امر محال ہے کہ ایک انسان عزت وشرف اور قدرت کا احساس کرے لیکن ایک کلمہ دروغ کہنے کے لیے بھی تیار ہو جائے۔

۱۱﴾ بہادر اور جذبے کا احساس

امام حسین علیہ السلام کی یہ تحریک کرامت وعزت وشرافت ونفاست نفس کے اطراف گھومتی ہے، آپؑ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اثر رکھتا ہے، ایک احساس ہے، فرمایا:

الا ترون ان الحق لا یعمل بہ و ان الباطل لا یتناھی عنہ لیرغب المؤمن فی لقاء اللہ محقاً

لوگو! تمہاری آنکھیں یہ نہیں دیکھ رہیں؟ آیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ نیکی کس طرح متروک ومجبور ہو رہی اور اس پر عمل نہیں ہو رہا؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ برائی کس طرح رائج ہو رہی ہے؟ [ایسے حالات

میں]ایک مومن ایک شریف انسان موت کو ترجیح دے گا۔ جب اس کے سامنے انسانیت کے عالی رتبہ پر بدترین برائی کو ترجیح دی جا رہی ہو۔

لیرغب المؤمن فی لقاء اللہ محقاً

ایسا ہونا چاہیے کہ ایسی شرائط میں مومن کو پروردگار کے ساتھ ملاقات کے لیے تیاری کرنی چاہیے اور ایسی دنیا سے بیزاری کا اعلان کرنا چاہیے یا ایک اور تعبیر کے مطابق حضرتؑ نے فرمایا: انی لا اری الموت الا سعادۃ و الحیاۃ مع الظالمین الا برماً

یہ کیسا احساس ہے' ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا' ایسی زندگی جس میں یہی ہو کہ جب بھی دیکھوں تو ستمگر کو ہی دیکھوں' ان کا ہی ساتھ دوں اور ان کے ہمراہ ہی رہوں' ایسے حالات و شرائط میں میرے لیے مرنا سعادت ہے' ایسی شرائط میں مرنا میرے لیے سعادت ہے۔

روز عاشورا خیمہ کے در پر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا:

یا اختاہ! ایتینی بولدی الرضیع

میرے شیر خوار بچے کو لائیے: حتی اودعہ

میں اسے خدا حافظ کہنا چاہتا ہوں' جبکہ اس طفل شیر خوار کی والدہ زندہ اور وہاں موجود ہے' لیکن امام حسینؑ یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ میرے قافلہ کی سالار زینبؑ ہے۔ اس لیے اپنی بہن زینبؑ سے مخاطب ہیں' زینبؑ امام حسینؑ کے شیر خوار بچے کو لے آتی ہیں' حسینؑ بچے کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ چند دنوں سے اس بچے کی ماں کو پانی نہیں ملا' اس لیے بچے کو بھی دودھ نہ مل سکا' بچے پر بھوک و پیاس کے آثار طاری ہیں حسینؑ جو محبت کا مرکز ہیں' اس بچے کو گود میں لیتے ہیں تاکہ بوسہ لے سکیں۔

دشمن لشکر کے ایک فرد کو حکم دیتا ہے کہ دیکھو کتنا اچھا ہدف مل رہا ہے اگر مہارت سے کام لے کر نشانہ لو کیسا ہے وہ کہتا ہے' کس کا نشانہ لوں؟ وہ کہتا ہے بچے کا نشانہ لو' بچہ ابھی امام حسینؑ کے ہاتھوں میں ہی" کہ ایک آپؑ نے دیکھا کہ بچے کو مرغ کے سر کی طرح ذبح کر دیا گیا ہو اور وہ تڑپ رہا ہو لیکن حسینؑ جو وفا کا مجسمہ ہیں کیا کرتے ہیں اپنی مٹھی میں خون جمع کرتے ہیں اور آسمان کی طرف اچھال دیتے ہیں۔

ھون علی انہ بعین اللہ' یہ خدا کی راہ اور رضائے حق کے لیے ہے۔ خدا دیکھ رہا ہے تو اب یہ

کے لیے ناگوار نہیں۔

۱۱۵۔ پیام شہید

تیس ہزار کا لشکر ہو اور شمشیر و تیر اور نیزہ لیے آمادہ کھڑا ہو۔ جبکہ امامؑ کے تمام اصحاب شہید ہو چکے ہوں اور خود تنہا ہوں' یہ آواز بلند کی' یہ ناہنجار' یہ حرامزادہ پسر حرامزادہ یعنی یہ تمہارا امیر لشکر عبید اللہ بن زیاد نے مجھے پیغام دیا ہے کہ حسینؑ کو اختیار حاصل ہے شمشیر یا ذلت' حسینؑ اور ذلت کو برداشت کر لے؟ هيهات من الذلة ہم کہاں اور ذلت کہاں؟ ہمارا خدا ہمارے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ یہ شہید کا پیغام ہے' میرا خدا میرے لیے ذلت پسند نہیں کرتا' میرے پیغمبرؐ میرے لیے ذلت پسند نہیں کرتے' پوری دنیا کے مومنین اور دوسرے افراد اور پاک دل انسان (تا روز قیامت تک آنے والے افراد) کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ ان کا حسینؑ ذلت قبول کر لے۔ میں ذلت قبول کر لوں؟ میں علیؑ و زہراؑ کے دامن میں بڑا ہوا ہوں۔ میں ہرگز ذلت قبول نہیں کر سکتا۔

۱۱۶۔ امامؑ کی زندگی کے شعار

ا۔ تاریخ یعقوبی' میں نقل ہوا ہے کہ حسینؑ بن علی علیہ السلام سے سوال کیا کہ جو کلام آپؑ نے خود رسولؐ اللہ سے سنا ہوا ہے اسے ہمارے لیے بیان کریں آپؑ نے فرمایا رسولؐ خدا سے میں نے سنا:

ان الله يحب معالى الامور و يبغض سفسفها

(یہ کلام رسولؐ اکرم ہے لیکن حسینؑ بن علی علیہ السلام کے علاوہ اسے کسی نے نقل نہیں کیا اس لیے یہ ؛ بن علیؑ کے نام سے نقل ہوا ہے) اس جملے کو سفینۃ البحار نے بھی رسولؐ اللہ سے نقل کیا ہے۔

(المنجد) میں یہ معنی ہے: السفساف: الردی من كل شئ' يقال فلان سفساف الكلام ليس لكلامه معنى: الامر الحقير

۲۔ اسی طرح امامؑ نے فرمایا:

الناس عبيد الدنيا و الدين لعق على السنتهم فاذا محصوا بالبلاء قل الديانون

لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین ان کی زبان پر ایک معمولی لقمہ کی مانند ہے اگر آفت و بلا کے ذریعے آزمائش کی جائے تو دیندار انتہائی کم ہوں گے۔ امام کا یہ جملہ خاص طور پر کلمہ (عبید) یہ ظاہر کرتا ہے کہ عزت نفس اور بندگان دنیا کی تحقیر امامؑ کے نزدیک کیا ہے۔

۳۔ یہ جملہ بہت معروف ہے جسے 'الانوار البھیۃ' صفحہ ۴۵ پر نقل کیا گیا ہے:

و فی وصیة موسیٰ بن جعفر علیه السلام لهشام قال: و قال الحسین بن علی علیه السلام: ان جمیع ما طلعت علیه الشمس فی مشارق الارض و مغاربها' بحرها و برها' و سهلها و جبلها عند ولی من اولیاء الله و اهل المعرفة بحق الله کفی الظلال ثم قال: الا حر یدع هذه اللماظة لاهلها (یعنی دنیا) لیس لانفسکم ثمن الا الجنة فلا تبیعوها بغیرها' فانه من رضی من الله بالدنیا فقد رضی بالخسیس

ان تین جملوں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اولاً روح حسینؑ ایک خاص روح ہے جو پستی اور ذلت کو قبول نہیں کرتی' اہم امور کی طالب ہے (اول جملہ) معلوم ہوتا ہے ہر وہ ہدف جو مادی اور دنیاوی ہو جو کائنات کے کلی اہداف سے جدا کر دے' اسے پست و حقیر سمجھتے ہیں۔

۱...... اللماظة لنمامه' وہ ذرات جو کھانے کے بعد دانتوں میں رہ جاتے ہیں۔

۲...... موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے ہشام سے فرمایا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ان تما چیزوں پر جن پر خورشید چمکتا ہے' مشرق و مغرب' دریا و خشکی' ہموار زمین یا پہاڑ سب کچھ ولی خدا اور اہل معرفت کے نزدیک ایک سائے سے کم نہیں' کیا کوئی آزاد مرد پیدا نہیں ہوگا کہ اس چبائے ہوئے لقمہ ہاتھ اٹھالے؟ تمہارے لیے بہشت سے بہتر کوئی بدلہ نہیں' اپنے آپ کو بہشت کے علاوہ فروخت نہ کر۔ کہ ہر کوئی خدا کے علاوہ دنیا پر راضی ہوا تو بڑی پست چیز پر راضی ہوا۔ نپولین کی طرح سے نہیں کہا فرانس میرے لیے چھوٹا سا ہے۔ روس کو بھی ساتھ ملانا چاہتا ہوں یا سکندر کی مانند کہا ہو کہ یونان میر لیے چھوٹا ہے ایران کو بھی ساتھ ملانا چاہتا ہوں (جملہ سوم) معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے آپ دنیاوی مقامات (پوستوں) سے وابستہ کر لیا ہے' ان مقامات اور ثروت کی وجہ سے خود کو پست کر لیتے ،

حسین علیہ السلام کی نظر میں وہ بسیار حقیر و پست ہیں۔ (جملہ دوم)

۱۱۷۔ روز عاشورا اور پیاس کی شدت

امام حسینؑ اور آپؑ کے اہلبیت واصحاب کے لیے تشنہ لبی کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں' گرم ہوا چل رہی تھی (عاشورا غالباً جون کا آخر تھا' عراق میں تو سردیوں کا موسم اتنا گرم ہوتا ہے تو سوچیں گرمیوں میں کیا حال ہوتا ہوگا) تین روز سے خاندان پیغمبرؐ پر پانی بند ہے' گو شب عاشور کچھ پانی لانے میں کامیاب رہے' حضرتؑ اسی لیے خیموں کے در پر گئے اور فرمایا پانی پی لیجئے یہ تمہارے لیے آخری توشہ ہوگا' طبیعت کے لحاظ سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر کسی کے بدن سے زیادہ خون بہہ جائے یا بدن سے خون کم ہو جائے یا اُسے تازہ خون کی ضرورت ہو' تو ایسے میں اسے بہت پیاس محسوس ہوتی ہے' خدا نے اس بدن کو اس طرح سے بنایا کہ جیسے ہی کسی چیز کی احتیاج ہوتی ہے تو وہ فوراً نظروں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتی ہے' وہ افراد جو زخمی ہو جاتے ہیں ان پر پیاس فوراً غالب آ جاتی ہے' یہ خون کے بہہ جانے کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ بدن تازہ خون بنانے کے لیے آمادہ ہوتا ہے اس لیے فوراً پانی کی ضرورت ہوتی ہے' خود خون کا بدن سے بہہ جانا تشنگی کا سبب بنتا ہے۔

۱۱۸۔ عزت نفس امام حسینؑ کی نظر کتنی اہم ہے

یحول بینه و بین السماء العطش' امام حسینؑ پر پیاس کا غلبہ اتنا تھا کہ جب آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ گویا کہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا' یہ بات اتنی سادہ نہیں ہے لیکن میں نے تمام مقاتل کا مطالعہ کیا ہے (جتنا میرے لیے ممکن تھا) تاکہ اس معروف جملے جو امام حسینؑ نے لوگوں سے کہا:

اسقونی شربة من الماء

ایک گھونٹ پانی دیدو' کو تلاش کروں لیکن مجھے نہیں ملا۔ حسینؑ ایسا نہیں ہے کہ لوگوں سے ایسی چیز طلب کرے' فقط ایک جگہ ایسا ملتا ہے کہ جب حضرتؑ جملہ کہہ رہے تھے: و هو یطلب الماء' قرائن سے یہ پتا چلتا ہے یا مقصود یہ ہے کہ جب آپ فرات کی طرف بڑھ رہے تھے (تاکہ پانی تلاش کر سکیں) نہ یہ کہ لوگوں سے طلب کریں۔

۱۱۹۔ میں پاک ہستیوں کے دامن میں پلا ہوں

روز عاشورا امام حسینؑ نے ایک خطبہ دیا' یہ اس وقت کا خطبہ ہے جب ظاہری طور پر تمام امیدیں دم توڑ چکی ہیں' اس موقع پر کوئی بھی ہو شکست کھا جائے گا' لیکن یہ خطبہ اس قدر جذبات سے پر اور احساسات سے بھرپور ہے جیسے آتش ہو اس قدر جوش اور ولولہ ہے۔

کیا یہ جملہ سادہ ہے' مذاق ہے؟ الا و ان الدعی ابن الدعی قد کرز بین الثنتین بین السلة و الذلة' و هیهات منا الذلة . ابن زیادہ کی شمشیر سے خون ٹپک رہا تھا' اس کا سفاک باپ بیس سال قبل اپنی زہرآلود نگاہوں کے ہمراہ اس طرح کوفہ کے لوگوں کے درپے تھا کہ جب انہوں نے سنا کہ ابن زیاد کوفہ میں مامور ہوا ہے' اس کے ڈر سے لوگ اپنے گھروں میں چھپ گئے' کیونکہ وہ اسے اور اس کے باپ کو جانتے تھے کہ کس قدر خونخوار ہیں۔

جیسے ہی ابن زیاد کوفہ کا امیر بنا' اس رعب کی وجہ سے جو لوگوں میں اس کے باپ کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا لوگ مسلمانوں کے دائرے سے خارج ہونے لگے۔ اس قدر لوگ ان سے خوفزدہ تھے۔

حسینؑ اہل کوفہ سے یوں خطاب فرماتے ہیں: الا و ان الدعی ابن الدعی اے لوگو! یہ زنازادہ ابن زنازادہ' وہ تمہارا امیر نے والی' قد رکز بین اثنتین بین السلة و الذلة (گریہ وزاری استاد مطہری) نے جانتے ہو مجھ سے کیا مطالبہ کیا ہے؟ کہتا ہے اے حسینؑ! یا ذلت وخواری قبول کر لو یا پھر شمشیر ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی' اپنے امیر سے کہدو کہ حسینؑ کہتا ہے:

هیهات منا الذلة

حسین ذلت وخواری کے لیے تیار رہو؟ (گریہ استاد) آیا اس نے مجھے اپنے جیسا سمجھ لیا ہے؟ یابی الله ذلک لنا و رسوله و المؤمنون و هجور طابت و طهرت (استاد مطہری کی گریہ وزاری) خدا چاہتا ہے کہ حسین ایسا کرے' کیا تم نہیں جانتے' وہ زنازادہ کیا یہ نہیں جانتا کہ میں نے کس دامن میں پرورش پائی ہے؟ میں پیغمبر کی آغوش میں پلا بڑھا ہوں' دامن علیؑ میں تربیت پائی ہے' میں نے زہرا مرضیہ کا دودھ پیا ہے (گریہ استاد) جس نے زہرا مرضیہ کا دودھ پیا ہو وہ ذلت واسارت کے لیے اپنے آپ کو ابن

یادہ جیسوں کے حوالے کرسکتا ہے؟ھیھات منا الذلۃ ہم کہاں اور ذلت وخواری کو قبول کرنا کہاں؟

۱۲۰ ننگ و عار سے موت بہتر ہے

حضرت سیدالشہداؑ کا معروف شعار جو آپؑ نے روز عاشور بلند کیا' الموت اولیٰ من رکوب العار مرگ ننگ وعار کے ساتھ زندگی گزارنے سے مرگ بہتر ہے یعنی میں فقط عزت کا خواہاں ہوں' اس جملہ کے ہمراہ ھیھات منا الذلۃ کہ ایک اور شعار ہے جو روز عاشور بہت زیادہ کہا گیا' سوائے اس مطلب کے کوئی اور تاریخ عاشورا میں نہیں ملتا یہی شعار موجزن رہا۔

انی لا اریٰ الموت الا سعادۃ و الحیاۃ مع الظالمین الا برماً اور جو کلمات آپؑ سے ذکر کیے گئے یہی ہیں:

موت فی عز خیر من حیاۃ فی ذل' عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

ایک اور تعبیر کے مطابق جو ہمارے مطلب سے نزدیک تر ہے آپؑ نے فرمایا:

الصدق عز و الکذب عجز

انسان کو اس لیے سچ بولنا چاہیے کہ یہ انسان کے لیے باعث عزت ہے۔(یہاں سچائی عزت کی بنیاد قرار دی گئی ہے) جھوٹ بولنا عجز وناتوانی ہے۔ایک ناتوان انسان جھوٹ بولتا ہے' قوی انسان کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔

۱۲۱ امام حسین الحسینؑ کے آخری کلمات

روز عاشور امام حسین علیہ السلام آخری حد تک مقابلہ کرتے ہیں۔اب وقت آن پہنچا کہ توانائی بدن سے سلب ہورہی ہے' ایک ستمگر زہر آلود تیر کمان میں رکھتا ہے اور امام حسینؑ کی طرف پھینکتا ہے جو امام حسینؑ کے سینے میں پیوست ہوجاتا ہے آپؑ بے اختیار زمین پر گرتے ہیں' کیا کہتے ہیں؟ آیا اس وقت ذلت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں؟ آیا کوئی خواہش وتمنا کرنا چاہتے ہیں؟ نہیں بلکہ جنگ کا وقت گزر چکا۔اپنا رخ قبلہ کی طرف کرتے ہیں کہ جہاں سے کبھی بھی انحراف نہیں کیا اور فرمایا:

رضاً بقضائک و تسلیماً لامرک و لا معبود سواک یا غیاث المستغیثین

یہ ہے حماسہ الٰہی' یہ ہے حماسہ انسانی

۱۲۲۔ گرچہ بے دین ہو لیکن آزاد مرد بنو

امام حسینؑ زندگی کے آخری لمحات گزار رہے ہیں' جہاں پر امام حسینؑ گرے ہیں وہ زمین ڈھلوان میں تھی' اس کا نام رکھا گیا ''گودال قتل گاہ'' (گڑھا) جب آپؑ خیموں سے کچھ دور ہوتے تھے' تب اہل بیتؑ آپؑ کو نہیں دیکھ سکتے تھے آپؑ کی حالت سے آگاہ نہیں ہوتے تھے۔

آخری لمحے آن پہنچے ہیں' کتنے زخم بدن اطہر پر ہیں' خون زیادہ بہنے کی وجہ سے تشنگی کا غلبہ ہے کہ کھڑے ہونے کی ہمت نہیں رہی آسمان تاریک نظر آ رہا ہے۔ دشمن چاہتا ہے کہ خیام پر حملہ آور ہو لیکن جرأت نہیں کرتا کہ کہیں حسینؑ کی یہ جنگی چال نہ ہو' کیونکہ جانتے تھے کہ اگر آپؑ کے بدن میں طاقت ہے تو اس صورت میں کوئی بھی آپؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ہر ایک چاہتا تھا کہ بدن مبارک سے سر کو جدا کر لے' لیکن نزدیک ہونے کی جرأت نہیں تھی' لہٰذا ایک ترکیب سوچی گی کہ حسینؑ ایک غیور اور غیرت مند حیثیت کا مالک ہے' لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ آپؑ کے بدن میں طاقت ہو اور آپؑ یہ برداشت کر لیں کہ دشمن خیام میں داخل ہو جائے' لہٰذا آپؑ کی زندگی میں ہی خیام پر حملہ آور ہو جائیں تا کہ یہ جان لیں کہ آپؑ زندہ ہیں یا نہیں۔ جب لشکر خیام کی طرف بڑھا' اور آپؑ نے محسوس کر لیا مگر بڑی مشکل اور زحمت سے زخمی بدن کو سہارا دیا اور کھڑے ہو گئے' ظاہراً اپنی شمشیر کا سہارا لیا' ایک مردانہ آواز اس وادی میں بلند ہوئی۔ (یہاں پر بھی غیرت و حریت موجزن ہے)

وَیلکُم یا شیعہ آل ابی سفیان انا اقاتلکم و انتم تقاتلوننی و النساء لیس علیھن جناح

اے خود کو آل ابی سفیان کے ہاتھ بیچنے والو! میں تمہارے ساتھ جنگ کر رہا ہوں اور تم میرے ساتھ' بچوں اور مستورات کا کیا قصور ہے؟ کونوا احراراً فی دنیا کم

اگر خدا کو نہیں پہچانتے' اگر قیامت پر بھی ایمان نہیں رکھتے وہ شرف جو ایک انسان کے پاس ہونا چاہیے کہاں چلا گیا؟ تمہاری آزادی اور حریت کہاں چلی گئی؟

کربلا: ایثار و جوانمردی کی نمائشگاہ

۱۲۳۔ عجیب آزمائش

ملائکہ نے بشر کی سرشت میں جو بھی بدی دیکھی وہ سب کربلا میں ظاہر ہو گئیں نیز جو خدا نے فرمایا کہ تم نے تصویر کا ایک رخ دیکھا ہے بشر کے نورانی اور پر فضیلت صفحے کو ابھی نہیں دیکھا' تمام انسانی فضیلتیں و نورانیت بھی کربلا میں ظاہر ہو گئی۔ ایسی آزمائش واقعاً عجیب ہے۔

۱۲۴۔ اخلاقیات کی نمائش

ہم اب اس موضوع پر بات کریں گے جسے اخلاق کہتے ہیں (اخلاق اسلامی) جب اس نگاہ سے حادثہ کربلا کو دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ ایک اخلاق اسلامی کی نمائش ہو رہی ہے۔ مختصر طور پر تین اخلاقی اقدار کا اہم ذکر کرتے ہیں' مروت' ایثار اور وفا' جو اس واقعہ میں موجود ہیں' آپ کے لیے میں اس کی وضاحت پیش کرتا ہوں' مروت کا ایک خاص مفہوم ہے۔ یہ مروت شجاعت کے علاوہ ہے' گو اس کا معنی مردانگی ہے' لیکن ایک خاص مفہوم ہے ملا رومی نے اسے بہتر انداز میں مجسم کیا ہے۔ جہاں وہ علی علیہ السلام اور عمر بن عبدود کے مبارزے کی داستان نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام عمرو کے سینے پر سوار ہو گئے تب اس نے آب دہان (تھوک) آپ کے چہرے پر پھینکا۔ حضرت فوراً اسے چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ دیر بعد دوبارہ پلٹتے ہیں' یہاں سے ملا رومی مدح سرائی شروع کرتا ہے۔ ایک شعر جو علی علیہ السلام کے بارے میں اس طرح ہے:

در شجاعت شیر ربّا نیستی
در مروت خود که داند کیستی

شجاعت کے لحاظ سے تم شیر خدا ہو لیکن مروت میں کوئی بھی تمہاری توصیف بیان نہیں کرسکتا کہ کس قدر جوانمرد اور آقا ہو۔

مروت یہ ہے کہ انسان اپنے دشمن سے بھی محبت کرے حافظ (شاعر فارسی زبان) کہتا ہے:

آسائش دو گیتی' تفسیر این دو حرف است
با دوستان مروّت با دشمنان مدارا

لیکن اسلام کا فرمان اس سے بھی بالاتر ہے۔ اگر اسلام کے نزدیک اسے بیان کیا جائے تو یوں کہا جائے گا دوستوں کے ساتھ مروت اور دشمنوں کے ساتھ بھی مروت و مردانگی' جب امام حسینؑ نے محسوس کیا کہ دشمن تشنہ لب ہے' تو اُسے پانی دیتے ہیں' اس کا معنی مروت ہے یہ شجاعت سے بھی بالاتر ہے' جس طرح علیؑ نے اسے انجام دیا۔

۱۲۵۔ صفات حسینی کی ایک دوسرے پر سبقت لینے کا دن

بہت معروف مصنف' عباس محمود عقاد' امام حسینؑ کے بارے میں یہ جملہ کہتا ہے: روز عاشورا ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ گویا حسینیؑ صفات کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے۔ یعنی حسینؑ کی فضیلتیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھیں۔ جیسے صبر حسین تمام صفات سے آگے جانا چاہتا ہو' رضائے حسینؑ جو رضائے خدا ہے' صبر سے آگے جانا چاہتا ہے' اخلاصِ حسینؑ ان سب کو پیچھے چھوڑنا چاہتا ہے' شجاعت حسینؑ تمام صفات سے سبقت حاصل کرنے کے درپے ہو۔

۱۲۶۔ صفات اسلامی کا ظہور

جو صفات امام حسینؑ سے روز عاشور ظہور پذیر ہوئیں وہ یہ ہیں:

۱۔ بدنی شجاعت

۲۔ قوت قلب اور شجاعت روحی

۳۔ خدا اور پیغمبرؐ اور اسلام پر کامل ایمان

۴۔ عجیب صبر و تحمل

۵۔ رضا و تسلیم

۶۔ اعتدال کی حفاظت' ہیجان برپا کرنے سے پرہیز بے معنی گفتگو سے پرہیز نہ خود اور نہ ہی اصحاب نے ایسا کیا۔

۷۔ کرم و بزرگواری اور بخشش

۸۔ فداکاری اور فدا کرنا۔

۱۲۷۔ عظیم حماسی نمائش

یہ حادثہ گویا ایک ایسی نمائش گاہ تھی جس میں حماسہ' المیہ' وعظ' عشق الٰہی' مساوات اسلامی اور انسانی جذبات اپنے کمال پر' ان مختلف کرداروں کے ذریعے جو سب کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ بوڑھے' جوان' عورت' مرد' آزاد' غلام یا آزاد شدہ' بالغ و بچے' جو بھی آیا اس نے اسلام کے تمام پہلوؤں کی نشاندہی کر دی۔ توحید و عرفان' عشق الٰہی' تسلیم و رضا حق کے ساتھ محبت خدا کے ساتھ محبت' پاکبازی' اسی حالت میں تمام اخلاقی پہلو متحرک کر دیے۔ محروموں سے ہمدردی' مساوات و برابری' عالی ترین اخلاقی جذبات کی نمائش گاہ بن گئی۔

۱۲۸۔ مروت امامؑ

سفر کربلا کے دوران ناگہانی طور ایک صحابی نے آواز بلند کی:

لا حول و لا قوۃ الا باللہ' یا لا الہ الا اللہ یا انا للہ و انا الیہ راجعون (ذکر کرتا ہے) اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا خبر ہے؟ وہ کہتا ہے: میں اس سرزمین سے آشنا ہوں' یہاں کوئی درخت نہیں تھا لیکن محسوس ہو رہا ہے کہ وہ دور سے کوئی درخت نظر آ رہا ہے۔ کسی درخت کی شاخ ہے' آپؑ نے فرمایا: غور سے دیکھیں جو زیادہ دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے انہوں نے فرمایا آقا وہ درخت تو نہیں ہے' وہ تو پرچم ہے' انسان ہیں' گھوڑے ہیں جو دور سے آ رہے ہیں' اشتباہ کر رہے ہو' خود حضرتؑ دیکھتے ہیں اور کہتے

ہیں تم صحیح کہہ رہے ہو۔ تمہارے بائیں ہاتھ پہاڑ ہے اسے اپنی پشت قرار دے لو حُر ایک ہزار کے لشکر کے ہمراہ چلا آ رہا ہے۔ حسینؑ اپنے والد علی علیہ السلام کی مانند ہیں۔ 'جنگ صفین' کی طرح ایسے موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا' بلکہ یہ ایسا مقام ہے کہ جہاں مروت اور اسلامی جوانمردی کا مظاہرہ کیا جائے۔ فوراً فرماتے ہیں پانی لایا جائے اور حیوانوں کو پانی سے سیراب کیا جائے' لوگوں کو سیراب کیا جائے' خود اس کام کی نگرانی کرتے ہیں تاکہ ان کے حیوان مکمل طور پر سیراب ہوں' ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے ایک مشک دی گئی اس کا منہ میں کھولنے میں ناکام رہا' خود حضرتؑ آگے بڑھے اور اپنے ہاتھوں سے مشق کا منہ کھول دیا اور میرے حوالے کر دی' یہاں تک کہ جب حیوان سیراب ہو رہے تھے تب فرمایا اگر یہ تھکے ہوئے ہوں تب ایک ہی سانس میں سیراب نہیں ہوتے' انہیں ایسے ہی رہنے دو' دو تین سانسوں میں انہیں سیراب ہونے دیں' اسی طرح کربلا میں نگرانی کرتے رہے بڑی شدت سے اس قانون کی پابندی کی کہ جنگ کی ابتداء ہماری طرف سے نہ ہو۔

۱۲۹﴾ مروت اور انسانیت کے ذریعے تبلیغ

تبلیغات کی ٹیکنیک کے طور امام حسینؑ نے مروت و انسانیت کو تمام مواقع پر استعمال کیا' دس محرم تک راستے میں دشمن کو سیراب کرنے سے لیکر جنگ کا آغاز نہ کرنے تک۔

۱۳۰﴾ اخلاقی اصولوں کی جنگ میں رعایت

امام حسین علیہ السلام اور حُر جب نینوا پہنچ گئے۔ اس کے بعد عبید اللہ کا خط پہنچا: اما بعد فجعجع بالحسین حتیٰ یبلغک کتابی و یقدم علیک رسولی' فلا تنزله الا بالعراء فی غیر حصن و علیٰ غیر ماء

زہیر نے مشورہ دیا کہ ان سے ابھی جنگ کر لیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا: انی اکره ان ابدأهم بالقتال

امام حسین علیہ السلام کا ایک بنیادی اصول جنگ کا عدم آغاز تھا۔

۱۳۱﴾ اخلاقی پہلو اور حادثہ عاشورا

الف: مروت:

در شجاعت شیر ربانیستی

در مروت خود که داند کیستی

لشکرِ حُر کو سیراب کرنا' حُر کی توبہ قبول کرنا' جنگ کا آغاز کرنے کے لیے آمادہ نہ ہونا' جنگ شروع کرنے سے پہلے تیر نہ چلانا' جس طرح علی علیہ السلام اور ابن ملجم کا واقعہ ہے۔

۱۳۲﴿ کربلا' ایثار کی نمائشگاہ

اب ہم ایثار کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں' ایک اور اخلاقی عنصر جو اس حادثے میں موجود رہا' یہ کربلا کیسی ایثار کی نمائشگاہ تھی! آپ غور کریں کہ کیا ایثار کی مجسم صورت جناب ابوالفضل العباس سے بہتر تلاش کر پائیں گے؟

۱۳۳﴿ ایثار کی انتہا

عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری جو انصار مدینہ کی اولاد میں سے تھے' یہ ظاہراً ان لوگوں میں سے تھا۔ جب امام حسینؑ نماز ادا کر رہے تھے اور اس صحابی نے اپنے آپ کو سپر قرار دے رکھا تھا' اس شخص کے بدن پر اس قدر تیر پیوست ہوئے کہ زخمی ہو کر گر گیا' وقت آخر تھا' امام حسینؑ خود اس کی سرہانے پہنچے' یہ شخص اس شک میں مبتلا تھا کہ شاید اس نے اپنے وظیفہ پر عمل کیا ہے یا نہیں تو کہتا ہے:

اوفیت یا ابا عبد اللّٰہ

آیا میں نے وفا کی یا نہیں؟

۱۳۴﴿ اجتماعی اصول و اسلامی برابری

داستان جون مولا ابی ذر (نفس المهوم ص. ۱۵۵):

فوقف علیه الحسین علیه السلام و قال اللهم بیض و جهه' وطیب ریحه' و احشره مع الابرار و عرف بینه و بین محمد و آله

حسین علیہ السلام بالائے سر کھڑے ہو گئے' خداوندا! اس کی صورت کو سفید فرما' اس کی بو کو خوشبو میں بدل دے' اسے نیک لوگوں کے ساتھ محشور فرما' محمدؐ و آل محمدؐ اور اس کے درمیان آشنائی برقرار فرما۔

۱۳۵۔ دین زندہ رہنا چاہیے

امام حسین علیہ السلام کا قتل ہونا یا نہ ہونا کوئی مسئلہ نہیں ہے' مسئلہ یہ ہے کہ دین قتل نہ ہو' ایک اصول چاہے وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو قتل نہ ہونے پائے۔ عاشورا کی صبح ہوتی ہے' شمر بن ذی الجوشن جو اتنا بد فطرت انسان تھا کہ جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی' اسے بہت جلدی تھی کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حال واحوال سے آگاہ ہو' اس نے سوچا کہ خیام کے پیچھے سے جائزہ لے بلکہ کوئی کارروائی بھی کردے' لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام اسے دیکھ چکے ہیں' خیموں کو ایک دوسرے کے قریب خط منحنی کی شکل میں ترتیب دیئے خیام کی پشت پر خندق کھودلی اور کچھ خشک لکڑیوں کو اس میں ڈال کر آگ لگادی تاکہ دشمن پشت سے حملہ نہ کرسکے' جب وہ آیا تو دیکھ کر ناراحت ہوا اور دشنام دینے لگا' بعض اصحاب نے جواب دیا' البتہ نہ کہ دشنام سے۔ ایک صحابی نے کہا: یا امام حسینؑ اجازت دیں تو ایک ہی تیر سے اسے حرام کردوں۔

فرمایا: نہیں۔

اس نے خیال کیا کہ شاید حضرتؑ اس شخص کی بدفطرتی سے آگاہ نہیں ہیں' اس نے کہا: یا بن رسول اللہ! میں اسے جانتا ہوں کہ یہ کتنا شقی القلب ہے۔

فرمایا: میں جانتا ہوں۔

پس پھر اجازت کیوں نہیں دیتے؟

فرمایا: میں جنگ شروع کرنا نہیں چاہتا' ابھی تک ہمارے درمیان جنگ کا آغاز نہیں ہوا' مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے کے سامنے ہیں' جب تک وہ جنگ وخونریزی کا آغاز نہ کریں میں جنگ شروع نہیں کروں گا۔

۱۳۶۔ جنگ کس نے شروع کی؟

یہ آپ سن چکے ہیں کہ عمر سعد نے روز عاشور جنگ کس طرح شروع کی' اس کے بعد یہ سن چکے ہیں کہ امام حسینؑ نے جنگ اپنی اور اصحاب کی طرف سے شروع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ وہ سنت ہے کہ جب جنگ میں ایک فرقہ بظاہر مسلمانوں کی صورت میں ہو' رعایت ہوتی ہے۔ علی علیہ السلام بھی اس کی

رعایت کرتے تھے' میں ہرگز جنگ کی ابتداء نہیں کروں گا' جنگ وہ شروع کریں گے بعد میں ہم ان سے جنگ کریں گے۔

۱۳۷۔ جنگ شروع کرنے والا

امام حسینؑ اسی طرح تھے' روز عاشور آپؑ پابند تھے کہ وہ لوگ جو بظاہر مسلمان تھے اور شہادتین پڑھتے تھے وہ جنگ شروع کریں' فرمایا: انہیں جنگ شروع کرنے دیں' ہم ہرگز شروع نہیں کریں گے۔

۱۳۸۔ الٰہی رضا بقضائک

روز عاشور پہلا تیر عمر سعد کے ہاتھوں چلایا گیا۔ اس نے بعد میں کہا کہ امیر سے یہ کہہ دینا کہ حسینؑ کی طرف پہلا تیر جس نے چلایا وہ میں ہوں' اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی' (امام حسین علیہ السلام نے اپنے احباب سے اس لیے منع کر دیا تھا کہ جنگ کا آغاز ہم نہیں کریں گے) ایک تیر سے جنگ کا آغاز ہوا اور ایک تیر سے جنگ کا خاتمہ ہوگیا' امام حسینؑ گھوڑے پر سوار تھے تھکاوٹ اور شدید زخمی ہونے کے باعث توانائی تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی' ایک تیر حضرتؑ کے سینے میں پیوست ہوگیا اور آپؑ زین سے زمین پر آ گئے اور اس حالت میں یہ فرمایا:

رضاً بقضائک و تسلیماً لامرک

لا معبود سواک' یا غیاث المستغیثین

۱۳۹۔ ایثار

امام کی منطق بغاوت' قبضہ' معاملہ طے کرنا' غیر صالح افراد کا ساتھ دینا نہیں تھی بلکہ ایثار و عقیدہ اور عقیدہ کی راہ میں شہادت آپؑ کی منطق تھی' انسان یا تو مکر و فریب کی منطق کا مالک ہے' اکثر دنیا کے سیاسی لوگ' معاملہ طے کرنے کی منطق کے قائل ہیں' جیسے آج کی سیاسی جماعتیں' یا پھر فدا و عقیدہ کی منطق رکھتے ہیں' جیسے نادر روزگار امام حسین علیہ السلام

۱۴۰۔ آل علیؑ کی مروت

آل علیؑ جس طرح اپنے مقصد اور ہدف کے لحاظ سے اپنے مخالفین کے درمیان فرق رکھتے ہیں' ویسے

کے انتخاب اور سبب میں بھی اسی طرح فرق موجود رہتا تھا' وہ اپنے ہدف اور مقصد کے لیے ہر وسیلے سے کام نہیں لیتے تھے' مثلاً معاویہ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے کئی لوگوں کو مسموم کرنے والا اس دنیا کے ایسے لوگوں میں سے ایک ہے۔

امام حسنؑ' اشتر نخعی وسعد وقاص حتیٰ کہ عبدالرحمن بن خالد جو اس کا بہترین دوست اور مددگار تھا اور معاویہ کے بعد اس کی نظر خلافت پر تھیں زہر دیدیا اور یہ کہتا تھا۔

ان للہ جنوداً من عسلٍ

لیکن آل علیؑ ایسے وسائل سے اجتناب کرتے تھے' کیونکہ یہ ان کے ہدف ومقصد سے منافی تھے' معاویہ کے برخلاف کہ جو مسند خلافت کے حصول کے علاوہ کوئی ہدف نہیں رکھتا تھا' مسلم بن عقیل (ہانی) کے گھر اس لیے قتل ہونے کے لیے تیار نہیں تھے کہ کہیں غفلت میں مارے نہ جائیں اور کہا:

انا اعل بیتٍ نکرہ الغدر

ہمارا خاندان مکروفریب کو ناپسند کرتا ہے۔

یا یہ کہا مجھے پیغمبرؐ کی یہ حدیث بھی یاد ہے کہ فرمایا:

الایمان قید الفتک

ایمان قتل وغارتگری سے روکتا ہے۔

۱۴۱۔ حسین علیہ السلام کی محبت کا انداز

روز عاشورا امام حسین علیہ السلام نے کس طرح لوگوں کو دین کی دعوت دی' نصیحت کی' مواعظ سے لوگوں کی توجہ اسلام کی طرف کرنے کی کوشش آخر دم تک کرتے رہے' آپ کے اصحاب کتنی محنت کرتے رہے۔ حنظلۃ بن اسعد الشبامی نے کتنی نصیحتیں کیں' زہیر بن قین نے کس طرح پند ونصائح سے اس ذمہ داری کو ادا کیا' امام حسینؑ ان کی بدبختی سے رنجیدہ تھے' آپؑ کی کوشش یہ رہی کہ کوئی بھی اس حالت میں نہ رہے' لوگوں کے ساتھ ضد نہیں بلکہ ہر زبان سے ان کو آگاہ کرتے رہے کہ اگر ایک مرد بھی ادھر سے کم ہو جائے کافی ہے' اپنی جد کا عملی نمونہ پیش کرتے رہے۔

لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم، حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم

کیا تم جانتے ہو کہ عزیز علیہ ما عنتم کا کیا معنی ہے؟

یعنی تمہاری بدبختی اس پر (پیغمبرؐ) گراں یعنی دشمنان پیغمبر کی بدبختی پیغمبرؐ پر گراں تھی، وہ خود تو اسے نہیں سمجھتے تھے، یہی ان کی بدبختی امام حسینؑ پر گراں تھی، کبھی شتر پر سوار ہوتے ہیں اور چلے جاتے ہیں پھر واپس آ جاتے ہیں، پیغمبرؐ کا عمامہ سر پر رکھتے ہیں، پیغمبرؐ کا لباس زیب تن کرتے ہیں، گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور لشکر کی طرف جاتے ہیں تاکہ ان شقی القلب افراد میں سے لوگوں کو کم کریں، یہاں سے حسین علیہ السلام کا پتا چلتا ہے کہ آپ سراپا محبت تھے، سراپا دوست تھے حتیٰ کہ اپنے دشمن کو بھی حقیقت میں دوست رکھتے تھے۔

۱۴۲﴾ تیر سے جنگ کا آغاز و انجام

۱۔ امام حسین علیہ السلام (اپنے لشکر) نے میمنہ تشکیل دیا، میسرہ تشکیل دیا، مرکز (قلب) بنایا، علم دار معین کیا اور یہ فکر اپنے قریب بھی نہ آنے دی کہ ان کا لشکر تیس ہزار کے لگ بھگ ہے اور ہم فقط بہتر (۷۲)، میمنہ زہیر بن قین کے حوالے کرتے ہیں، میسرہ حبیب ابن مظاہر کے حوالے کرتے ہیں اور علم اپنے بھائی ابوالفضل العباس علیہ السلام کو دیتے ہیں۔ یہ سب تیس ہزار کے مقابلے میں آن کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن دشمن اصول پسند نہیں ہے، ان کے کوئی اصول میرے سامنے نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک مردانگی اور نامردانگی اہم نہیں ہے، عمر سعد کی نگاہیں دنیا کی طمع اور رے کی حکومت (جگہ کا نام) پر جمی ہوئی ہیں اور اس کا تمام ہم و غم چاپلوسی اور عبیداللہ زیاد کی رضا کی بجا آوری ہے کہ کونسا کام کریں کہ جب عبیداللہ کے پاس حاضر ہوں تو وہ ہم سے بیشتر راضی ہو تاکہ حکومت رے (جگہ کا نام) پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ یکدم وہ تیر کمان میں رکھتا ہے اور پہلا تیر خود پسر سعد امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی طرف پھینکتا ہے اور پھر کہتا ہے:

ایھا الناس: اے میرے لشکریو! تم سب امیر کے سامنے اس بات کی گواہی دینا کہ پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔

پسر سعد کم از کم چار ہزار تیر انداز لیے ہوئے تھا' تیر بارش کی مانند امام حسینؑ کی طرف آئے' تاریخ میں ملتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے پاس بھی چند تیر انداز تھے' انہوں نے ایک زانو خم کیا اور ایک بلند رکھا اور مردانہ وار تیر اندازی شروع کر دی' امام حسینؑ کے بیشتر اصحاب اس تیر اندازی سے شہید ہوئے' لیکن حسینؑ نے جنگ شروع نہیں کی۔ روز عاشور جنگ کا آغاز ایک تیر سے ہوا اور آخری تیر سے جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی' عمر سعد کے تیر سے جنگ کا آغاز ہوا اور ایک تین نوکوں والے تیر سے جنگ ختم ہو گئی۔

فوقف ليستريح ساعة

حسینؑ ایک لمحہ کے لیے آرام کی غرض سے رک گئے' دشمن نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا کہ حسینؑ ایک فرد ہے اور تلوار سے جنگ کرتا ہے لہٰذا اس کے نزدیک جا کر جنگ کی جائے' کیونکہ جانتے تھے حسینؑ میں توانائی نہ بھی رہے تب بھی قریب جا کر جنگ کرنا خطرے سے خالی نہیں' لہٰذا دور سے پتھر پھینکتے ہیں' امام حسینؑ کی پیشانی ایک پتھر سے شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ آپؑ اپنے دامن سے خون صاف کرنا چاہتے ہیں یہی وہ مقام ہے جہاں جنگ اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ امام حسینؑ زین سے زمین پر آتے ہیں۔ اب میں یہ بتانے کی طاقت کھو بیٹھا ہوں کہ کیا ہوا بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ صدا بلند ہوئی اور یہ فرمایا:

بسم الله و بالله و علىٰ ملة رسول الله

۱۴۳۔ حسینؑ مرکز مروت

حسینؑ بن علیؑ کی تاریخ سب جانتے ہیں کہ کس حالت میں آپؑ نے قیام کیا' کتنا دباؤ تھا اور کتنے مظالم تھے' لیکن جہاں اخلاقی مسائل سے سامنا ہوا تو کہیں پر بھی دشمن پر تجاوز نہیں کیا کبھی ایسا نہ کر سکے' مسلم بن عقیلؑ آپؑ کے تربیت شدہ ایک فرد ہیں' شیعہ ہیں' فداکار ہیں' اس کے لیے بہتر موقع ہاتھ آتا ہے کہ ابن زیاد کو قتل کر دے' لیکن اسی حالت میں آپ فکر کرتے ہیں کہ اسلام اس طرح کے مبارزے کا مخالف ہے' ایسا مبارزہ کرنا جوانمردی نہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ کیوں باہر نہیں آتے تاکہ مسلمانوں کے سر سے اس شر کا خاتمہ ہو جاتا۔ کہا کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ حدیث پیغمبرؐ آ گئی کہ

الايمان قيد الفتك

ایمان اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جو آپ کے دین سے خارج ہے اس پر تجاوز کیا جائے' یہ جوانمردی نہیں' میں ایسا کام نہیں کر سکتا۔

دشمن راستے میں ملتا ہے اور پیاسا ہے کہتے ہیں کہ اس فرصت سے فائدہ اٹھائیں اور ان پر پانی بند کردیں' آپ نے فرمایا: خبردار ہرگز ایسا نہ کریں' مبارزہ کرنے کا یہ طریقہ ہمارا نہیں کہ ان پر پانی بند کردیں انہیں پانی دیا جائے' ان کے حیوانوں کو سیراب کیا جائے لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ مبارزہ کا یہ بہترین وقت ہے۔

فرماتے ہیں کہ انہیں ختم کردیں اس لحاظ سے تو یہ مناسب وقت ہے لیکن کیا حق اور قانون بھی یہی کہتا ہے؟ ابھی تک انہوں نے تجاوز نہیں کیا۔

یہ مسلمان ہیں' ہم بھی مسلمان ہیں' جب تک یہ تجاوز نہ کریں ہم اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔ اس اخلاقی ضابطہ پر غور کریں اس اخلاقی ضابطہ کی بنیاد خداشناسی ہے' اس اخلاق کو کوئی بھی چیز متزلزل نہیں کر سکتی۔ انفرادی منافع' زندگی سے محبت اپنی حفاظت' خاندان کا تحفظ' مقام ریاست وخلافت کوئی بھی چیز اس اخلاقی قانون کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ حتیٰ روز عاشور ایک شریر ترین فرد خیام کے عقب سے شبخون مارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ خیموں کی ترتیب اور خندق سے وہ بے خبر تھا' اسے غصہ آتا ہے اور وہ دشنام طرازی پر اتر آتا ہے' ایک شخص عرض کرتا ہے یا بن رسول اللہ اگر اجازت دیں تو ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردوں۔

فرمانے لگے: جب تک وہ ابتدا (جنگ کی) نہ کریں ہمارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں' وہ اگر شروع کریں تب ہم دفاع کریں گے یہ اخلاقی ضابطہ ہے' اس میں اپنی فردی حیثیت خاندان کی حفاظت' اہل حملہ وشہر و وطن کسی چیز کی اہمیت نہیں' یہ اخلاقی ضابطہ اہم ہے۔ اس میں آب وخاک نسل وملت کچھ بھی اہم نہیں۔ اگر اہم ہے تو وہ انسانیت ہے یہ ہے مسئلہ خودی اور اخلاق جو دین کے بغیر حل طلب نہیں۔

۱۴۴۔ مادر فداکار

کربلا میں نو یا دس بچے ایسے بھی شہید ہوئے جو بالغ نہیں تھے ان میں سے ایک کے بارے میں تاریخ لکھتی ہے:

و خروج شاب قتل ابوه فی المعرکة

ایک جوان جس کا والد پہلے شہید ہو چکا تھا (لیکن یہ نہیں لکھا وہ کون تھا اور ہمارے لیے مشخص نہیں ہو سکا کہ وہ کون ہے) امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں اور اسی طرح فرمایا: کہ اس جوان کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت نہ دی جائے' کیونکہ اس کا باپ شہید ہو چکا ہے' یہی کافی ہے' اس کی ماں بھی یہیں موجود ہے۔ شاید وہ راضی نہ ہو' وہ عرض کرنے لگا: یا ابا عبداللہ یہ شمشیر بھی میری ماں نے میری کمر کے ساتھ باندھی ہے اور اسی نے مجھے بھیجا ہے کہ جاؤ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی جان بھی امام حسینؑ پر قربان کردو۔ جوان نے التماس اور التجا کرنا شروع کردی۔ جب تک امام حسینؑ نے اجازت نہیں دی وہ التجا کرتا رہا اجازت مل گئی۔ یہ راز ہے کہ وہ مسلم بن عوسجہ کا فرزند تھا یا حرث بن جنادہ کا' اس لیے کہ ان دونوں خاندان کربلا میں موجود تھے۔ البتہ عبداللہ بن عمیر کا خاندان بھی کربلا میں موجود تھا لیکن یہ معلوم ہے کہ وہ عبداللہ بن عمیر کا فرزند نہیں تھا' جب بچہ میدان میں آیا اکثر اپنا تعارف اپنے پدر اور جد کے ذریعے کرواتے تھے کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں اس بچے نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے برخلاف' گویا اس معاملے میں بچہ سبقت لے گیا وسط میدان میں پہنچا تو یوں آواز بلند کی:

امیری حسینؑ و نعم الامیر

سرور فؤاد البشیر النذیر

اے لوگو! اگر مجھے جاننا چاہتے ہو کہ میں کون ہوں تو جان لو میں وہ ہوں کہ جس کا آقا حسینؑ ہے۔ میں اس سے ہوں جو قلب پیغمبرؐ کے لیے خوشحالی کا باعث ہے۔ جو سرور فواد البشیر النذیر ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ بچہ' بزرگ' شیر خوار ہر ایک اس حادثہ میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ (کیا عجیب مقام ہے)

اہل بیت پیغمبرؐ کا مقام' جو وظیفہ مستورات نے انجام دیا جو تبلیغ کی سب اپنی جگہ (ان سب میں اما حسین علیہ السلام کے اہلبیت سب سے آگے ہیں۔)

حسین غیرۃ اللہ کا مظہر

۱۴۵۔ دو جانگداز وداع

امام حسینؑ دو مرتبہ وداع کرنے کے لیے آئے اور پھر واپس چلے گئے۔ دوسری مرتبہ ترتیب اس طرح سے تھی' فرات کی طرف گئے اور وہاں تک پہنچ گئے' اسی دوران ایک شخص کی صدا بلند ہوئی حسین! تم پانی پینا چاہتے ہو؟ اور جبکہ لشکری خیام پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگے ہیں' آپ پانی نہ پی سکے' دوبارہ وداع کرنے کے لیے پلٹ آئے اور اہل بیت کو دوسری مرتبہ وداع کیا۔

ثُمَّ وَدَّعَ اَهْلَ بَيْتِهِ ثَانِياً اور کیا نورانی جملہ ارشاد فرمایا: اے میری اہل بیت! مطمئن رہنا کہ میرے بعد تمہیں اسیر کرلیا جائے گا۔ لیکن کوشش کرنا اس اسیری کے دوران اپنے شرعی وظیفہ کی انجام دہی میں معمولی سی کوتاہی بھی نہ ہونے پائے' کہیں ایسا کلمہ تمہاری زبان سے باہر نہ آنے پائے جو تمہارے اجر میں کمی کا باعث بن جائے' لیکن مطمئن رہنا ہوگا' یہی کام دشمن کا خاتمہ کردے گا' یہی مسئلہ دشمن کو شکست تک پہنچادے گا۔ وَ اعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ مُنْجِيكُمْ اور یہ جان لیں کہ خدا تمہیں نجات دے گا اور ذلت سے دور رکھے گا۔

یہ بہت بڑی بات ہے! اے میری اہل بیت تم اسیر کرلیے جاؤ گے لیکن حقیر و ذلیل نہیں کیے جاسکو گے' تمہاری اسیری بھی عزت والی اسیری ہوگی' اسی لیے ایسا ہوا جب کوفہ میں لوگ رسم صدقہ کے طور پر بچوں اور اسیروں میں روٹی تقسیم کررہے تھے اور زینبؑ قبول نہیں کررہی تھیں' اسیر تھے' لیکن خواری کے لیے تیار

نہ تھے۔ جب شیر کو زنجیر ڈال دی جائے اگر چہ زنجیر میں ہو لیکن پھر بھی شیر ہے۔ لومڑی اگر چہ آزاد بھی ہو پھر بھی لومڑی ہے' دوسری مرتبہ امامؑ آئے اہل بیت خوشحال ہو گئے' دوبارہ امام حسینؑ نے خدا حافظ کہا۔ امام حسینؑ کے حکم سے مستورات خیموں سے باہر نہیں آئیں۔

۱۴۶۔ حمیتِ حسینؑ کی انتہا

تاریخ میں ہے: امام حسینؑ نے اپنے لیے خیام حرم کے نزدیک مقام مرکز کے طور پر منتخب کیا ہوا تھا: اس کی دو وجوہات تھیں آپؑ جانتے تھے کہ دشمن کس قدر بے غیرت اور غیر انسانی صفات کے حامل ہیں۔ ان میں حمیت وغیرت نام کی کوئی چیز نہیں کہ کم از کم یہ کہہ سکیں ہمارا حسینؑ سے جھگڑا ہے' خیموں پر حملہ نہیں کریں گے' آپؑ چاہتے تھے جب تک بدن میں جان' جب تک آپؑ کی رگوں میں خون دوڑ رہا ہے کوئی بھی خیام کی طرف بڑھنے نہ پائے آپؑ حملہ کرتے' لوگ آپؑ کے سامنے بھاگ کھڑے ہوتے لیکن آپؑ ان کا زیادہ تعاقب نہیں کرتے تھے' واپس خیام کی طرف پلٹ آتے تا کہ خیام محفوظ رہیں۔ دوسرا یہ کہ جب تک زندہ رہوں اہل بیت کو یہ معلوم رہے کہ ابھی میں زندہ ہوں' لہٰذا ایک نقطہ مقرر کر لیا تا کہ وہاں تک آواز پہنچتی رہے' جب واپس آتے تو اسی مقام پر کھڑے ہو جاتے اور آواز بلند کرتے: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم۔ جب یہ آواز بلند ہوتی' اہلبیت سمجھ لیتے اور انہیں سکون مل جاتا اور ایک دوسرے سے کہتے کہ آقا ابھی زندہ ہیں۔

۱۴۷۔ حسینؑ' غیرت الٰہی کا مظہر

روز عاشور امام حسین نے اپنے حملوں کے دوران ایک مرکز کا انتخاب کیا ہوا تھا جو خیام حرم کے نزدیک تھا۔ حملہ کرتے اور واپس آ جاتے۔ پہلے جنگ دو بدو شروع ہوئی' کچھ لوگ آتے' جیسے ہی آتے امام حسینؑ انہیں واپسی کی مہلت نہ دیتے' اس طرح دشمن کے دل میں رعب جما دیا کہ عمر سعد نے فریاد کی کیا کر رہے ہو؟ وَاللّٰهِ نَفْسُ اَبِيْهِ بَيْنَ جَنْبَيْهِ تم کس سے جنگ کر رہے ہو؟

یہ اسی علیؑ کا فرزند ہے هٰذَا ابْنُ قَتَّالِ الْعَرَبِ. یہ اس کا فرزند ہے جس نے عربوں کو قتل کیا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ عربیت کے تعصب کو ہوا دے اور اسے حضرتؑ کے خلاف استعمال کرے۔

اس سے کہا گیا: کیا کریں؟

اس نے کہا: مصلحت اس میں نہیں ہے کہ ایک ایک کر کے جائیں اس طرح تمہارا ایک بھی بندہ زندہ نہیں بچے گا۔ ہر جانب سے حملہ کیا جائے' امام حسینؑ جس طرف حملہ کرتے' لوگ فرار کر جاتے' لیکن آپؑ محتاط رہتے کہ خیام سے دور نہ ہوں' حسینؑ غیرت مند ہیں' حسینؑ شجاع ہیں' صابر ہیں' راضی بہ رضائے الٰہی ہیں' مخلص ہیں لیکن غیرۃ اللہ کے حامل بھی ہیں۔ آپؑ کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ جب تک زندہ رہوں خیام کے نزدیک کوئی نہ جانے پائے۔ اہل بیتؑ کو حکم دیا کہ تمہیں باہر آنے کی اجازت نہیں۔

۱۴۸۔ حسینؑ غیرت مندی کی معراج پر

روز عاشور امام حسینؑ نے ایک جگہ کو مرکز قرار دے رکھا تھا حملہ کرنے کے بعد وہاں واپس آجاتے' یہ قطعی طور مسلم ہے اور تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ کسی نے بھی امام حسینؑ سے تنہا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کی' البتہ شروع میں چند افراد آئے اور جنگ کی لیکن جیسے ہی آئے پھر واپس نہ ہو سکے' پسر سعد نے فریاد کی کیا کر رہے ہو؟ اِنَّ نَفْسَ اَبِیہِ بَیْنَ جَنْبَیْہِ یا اِنَّ نَفْساً اَبِیَّۃً بَیْنَ جَنْبَیْہِ' یہ فرزند علیؑ ہے روح علیؑ اس کے پیکر میں موجزن ہے' تم کس سے جنگ کر رہے ہو؟ دو بدو جنگ کر رہے ہو' اس کے بعد دو بدو جنگ تمام ہوگئی' ان نامرادوں نے پتھروں اور تیروں سے جنگ شروع کر دی' تیس ہزار کا لشکر ایک فرد کو قتل کرنا چاہتا ہے دور سے تیر اندازی کر رہے ہیں جب امام حسینؑ حملہ کرتے ہیں تو بالکل غلے کی مانند جو شیر کے آگے فرار ہو رہا ہو بھاگ کھڑے ہوتے' لیکن حضرتؑ زیادہ دور تک ان کا پیچھا نہیں کرتے تھے یعنی آپؑ ایسا اس لیے نہیں کرتے تھے کہ کہیں آپؑ کے اور خیام کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو جائے 'غیرت حسینؑ یہ اجازت نہیں دیتی تھی کہ جب تک وہ زندہ رہیں خیام کی طرف جانے کی کوئی جرأت نہ کرے' حملہ کے بعد فوراً واپس اس مرکز کی طرف پلٹ آتے یعنی اہل بیت اگرچہ آپؑ کو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن آواز سن لیتے تھے' تاکہ آپؑ کی بہن زینبؑ مطمئن رہیں' اس لیے کہ آپؑ کی سکینہ مطمئن رہیں تاکہ آپؑ کے بچے مطمئن رہیں۔

جب مرکز پر پہنچے تو خشک حلق اور زبان سے آواز بلند کرتے: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ

العظیم. یعنی یہ طاقت حسینؑ سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے' شعار توحید بلند کرنے کے ساتھ خواہر زینبؑ کو بھی آگاہ کر دیتے تھے کہ اے زینبؑ ابھی تیرا حسینؑ زندہ ہے' اہلبیت کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب تک میں زندہ کسی کو خیام سے باہر آنے کا حق نہیں لہٰذا سب خیام میں ہی رہے۔

۱۴۹۔ اہل بیتؑ کا خیال

آقا نے انہیں (اہل بیت) باہر آنے کی اجازت نہ دی' لیکن خود ایک جگہ مقرر کر رکھی تھی' وہاں سے آپؑ کی آواز ان تک پہنچ جاتی تھی' آپ اس وسیلے سے انہیں مطمئن کرتے رہے۔

جب واپس پلٹتے' تب اس مرکز پر کھڑے ہو جاتے' بلند آواز (مجھے نہیں معلوم کہ اس خشک زبان اور گلے سے کس طرح بلند آواز نکلتی ہوگی) جس قدر طاقت ہوتی اسی قدر آواز بلند کرتے: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم.

خدایا! حسینؑ کی جتنی بھی جسمانی اور روحانی طاقت ہے تیری طرف سے ہے' اہل بیت مطمئن ہو جاتے کہ حسینؑ ابھی زندہ ہیں۔ کچھ دیر آرام کرتے' دشمن کا لشکر پھر اتنے میں گھیرا تنگ کرنے لگتا' تیراندازی شروع کر دیتے' پتھر مارتے' آقا پھر ان پر حملہ کرتے' اسی کروفر سے جنگ جاری تھی۔

۱۵۰۔ غیرت حسین علیہ السلام

امامؑ نے اہل بیت سے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں خیمہ سے کوئی باہر نہ آئے (آپ اس بات پر یقین نہ کریں کہ اہلبیتؑ دائماً بار بار خیمہ سے باہر آ جاتے تھے انہیں آقاؑ کا حکم تھا کہ جب تک میں زندہ ہوں کوئی بھی باہر نہ آئے)۔ کوئی ایسا لفظ تمہاری زبان سے ادا نہ ہونے پائے جو تمہارے اجر کو زائل کر دے' مطمئن رہیں تمہاری عاقبت بالخیر ہے' نجات حاصل کرو گے' خدا تمہارے دشمنوں کو جلد عذاب میں مبتلا کر دے گا' انہیں خیام سے باہر آنے کی اجازت نہیں تھی اور اس لیے کوئی بھی باہر نہیں آیا' غیرت حسینؑ اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ خود ان کی عفت و غیرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ باہر آئیں لہٰذا جیسے ہی امامؑ کی صدا سن لیتے: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم

تو انہیں اطمینان حاصل ہو جاتا کیونکہ امامؑ وداع کے بعد ایک یا دو بار واپس آئے' اس لیے اہلبیت

امام کی آمد کے منتظر رہتے۔ اُس دور میں عربی گھوڑوں کو میدان جنگ کی تربیت دی جاتی تھی کیوں کہ گھوڑا تربیت پذیر ہے۔ اسی لیے جب مالک قتل ہو جاتا ہے تب وہ ردِ عمل کے طور پر کچھ کر کے دکھاتا ہے۔

۱۵۱﴾ غیرت حسینؑ اجازت نہیں دیتی

اگر آپ نے یہ سنا ہے تو یہ جھوٹ ہے کہ اہل بیت بار بار خیمہ گاہ سے باہر آتے تھے اور العطش کی صدا بلند کرتے تھے اہل بیت فقط ایک مرتبہ خیمہ گاہ سے باہر آئے' جب امام حسینؑ کا گھوڑا خالی آیا۔ اس وقت باہر آنے کے بعد انہیں یہ پتا نہ چل سکا کہ معاملہ کیا ہے۔ گھوڑے کی آواز جب سنی تو یہ خیال کیا کہ آقاؑ تیسری مرتبہ وداع کہنے کے لیے آئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یہ گھوڑا تربیت یافتہ تھا۔ تنہا یہ گھوڑا تربیت یافتہ نہیں تھا بلکہ دشمنوں کے گھوڑے بھی تربیت یافتہ تھے' کہ جب سوار گر جاتا تو یہ حیوان محسوس کرتا۔ اس گھوڑے نے اپنے بال خون امام حسینؑ سے رنگین کیے ہوئے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ آقاؑ گر گئے ہیں اور اپنی جگہ سے بلند نہیں ہو سکتے' تب یہ خیام کی طرف آیا گویا یہ خبر پہنچانا چاہتا ہو۔ اہلبیتؑ اس خیال سے کہ آقاؑ واپس آئے ہیں' خیمہ گاہ سے باہر آ گئے۔ لیکن جب حالات معلوم ہو گئے تو پھر سوائے اس کے کہ گھوڑے کے گرد گھیرا ڈال کر گریہ و ماتم کریں کوئی اور چارہ نہیں تھا۔

۱۵۲﴾ آزاد مرد اور انسان بنیں

امام کا ایک فرمان جو آپؑ نے وقت آخر فرمایا آپ سن چکے ہیں' جب جنگ کرتے رہے' حملہ کرتے رہے' دو بدو جنگ کرتے رہے' بہت زیادہ تھک چکے تھے' زخمی بدن اور خون کافی بہہ جانے کے باعث اٹھنے طاقت نہ رہی۔ کم از کم اتنا کر سکے کہ اپنے زانو پر بلند ہو کر تلوار کا سہارے سے کھڑے ہو سکیں۔ محسوس تے ہیں کہ جیسے خیمہ گاہ کی طرف دشمن جانا چاہتا ہے تا کہ لوٹ مار کر سکیں۔ بڑی مشکل سے بلند ہو کر واز بلند کی:

وَيْلَكُمْ يا شيعَةَ آلِ ابي سُفْيان!

اے اپنے آپ کو آل ابی سفیان کے ہاتھوں بیچنے والو! اے وہ جنہوں نے ابوسفیان کی نوکری کر کے

اپنے آپ کو پست کرلیا ہے وائی ہو تم پر: اِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ دِیْن وَ کُنْتُمْ لا تَخَافُوْن الْمَعاد فکُوْنُوا اَحْرارًا فِی دُنْیَاکُمْ. اگر تم مسلمان نہیں ہو انسان تو ہو تمہارے وجود میں اگر ایک ذرہ حریت ہے تو آزاد مرد بنو خدا اور قیامت کے معتقد نہیں ہو لیکن اتنی شرافت کا احساس ضرور کرو ایک شریف انسان جس میں انسانیت کی اصل موجود ہے وہ یہ کام نہ کرے جو تم کرنا چاہتے ہو۔

کہنے لگے: اے فرزند فاطمہؑ کیا کہہ رہے ہو؟ ہم نے کونسا کام خلاف حریت کیا ہے؟

فرمایا: اَنَا اُقَاتِلُکُمْ وَ اَنْتُمْ تُقَاتِلُوْنَنِیْ وَ النِّسَاءُ لَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ

۱۵۳﴾ غیرت و عزت آخری دم تک

امام حسینؑ کی زندگی کے آخری لحات ہیں جب مقتل گاہ سے اٹھ نہیں سکے۔ حرکت کرنے کی قدرت نہیں تھی' دشمن سے جنگ کرنے کی ہمت تمام ہو چکی تھی۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی ہمت نہیں رہی' بڑی مشکل اور زحمت سے کھڑے ہوئے' اس کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ کے وجود سے غیرت و عزت متجلی ہے' بزرگواری موجزن ہے۔

۱۵۴﴾ آزاد مرد بنیں اگر چہ دیندار نہ بھی ہوں

لشکر سر مقدس کو بدن سے جدا کرنا چاہتا تھا' لیکن شجاعت ہیبت امامؑ اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ بعض کہتے تھے کہ کہیں حسین علیہ السلام کوئی جنگی چال نہ چل رہیں ہوں کہ اگر کوئی نزدیک آئے تو اس پر حملہ کردیں اور ان میں آپؑ کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں تھی' تب وہ پلید اور نامراد ایک منصوبہ ترتیب دیتے ہیں کہتے ہیں: اگر خیمہ گاہ پر حملہ کردیں تو آپؑ میں تو طاقت نہیں ہے۔ امام حسینؑ تو گر چکے ہیں۔ میں امام حسینؑ کی اس حالت کو مجسم نہیں کرسکتا۔ لشکر خیام حسینی کی طرف حملہ کرتا ہے! ایک شخص آواز بلند کرتا ہے حسینؑ! تم زندہ ہو؟ خیام پر حملہ ہو گیا ہے۔ امامؑ بڑی زحمت سے خود کو بلند کرتے ہیں اپنے زانوں پر کھڑے ہو کر ظاہراً نیزے کا یا شمشیر کا سہارا لیتے ہیں اور صدا بلند کرتے ہیں۔ وَیْلَکُمْ یا شیعَةَ آلِ ابی سُفْیان! اِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ دِیْن وَ کُنْتُمْ لا تَخَافُوْن الْمَعاد فکُوْنُوا اَحْرارًا فِی دُنْیَاکُمْ.

اے وہ جنہوں نے اپنے آپ کو آل ابی سفیان کے ہاتھوں فروخت کردیا ہے۔ اے ابوسفیان کے

پیروکارو! اگر خدا کو نہیں پہچانتے اور قیامت پر ایمان اور اعتقاد نہیں رکھتے تمہاری حریت اور شرافت و انسانیت کہاں چلی گئی؟

مَا تَقُولُ یَابْنَ فَاطِمَةَ؟ اے فرزند فاطمہؑ کیا کہہ رہے ہو؟

فرمایا: اَنَا اُقَاتِلُکُمْ وَ اَنْتُمْ تُقَاتِلُونَنِي وَ النِّسَاءُ لَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ

میں تمہارے مقابل ہوں یہ پیکر حسینؑ آمادہ ہے کہ تیر اور ضربات شمشیر کی آماجگاہ کے لیے لیکن روح حسینؑ حاضر نہیں ہے کہ جب تک زندہ رہوں کوئی خیام حرم کے نزدیک جائے۔

نماز و عبادت امام حسین علیہ السلام

حصہ اول

شب عاشورا! دعا و مناجات کی شب

۱۵۵۔ ایک شب کی مہلت کی درخواست

۹ محرم کو عصر کے وقت امام حسینؑ نے زینبؑ کو (خواب) واقعہ سنایا اور اپنے بھائی ابوالفضل کو آواز دی برادر جان! چند افراد کے ساتھ ان کے سامنے جاؤ اور کہو کہ کیا تازہ خبر ہے؟ اگر ہمارے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہیں تو جنگی قوانین کے مطابق وقت غروب جنگ کا وقت نہیں (عام طور پر اہل حرب، صبح سے غروب آفتاب تک جنگ کرتے ہیں شب ہوتے ہی واپس اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں) یقیناً کوئی تازہ خبر ہے۔ ابوالفضل چند بزرگ اصحاب زُہَیر بنِ القَیْن، حبیب بن مظاہر کے ہمراہ ان کے مقابل جا کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: میں اپنے بھائی کی طرف سے پیام لایا ہوں کہ تم سے پوچھوں کہ کیا نئی خبر ہے؟ عمر سعد کہتا ہے ہاں تازہ خبر ہے امیر عبداللہ زیاد کا حکم ہے کہ تمہارا بھائی فوراً تسلیم ہو جائے بغیر کسی شرط کے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔

فرمایا: میں اپنی طرف سے جواب نہیں دے سکتا۔ بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر ہی جواب لا سکتا ہوں۔ جب امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے تو امام حسینؑ نے فرمایا: ہم تو اہل تسلیم نہیں ہیں، ہم جنگ کریں گے، خون کے آخری قطرے تک جنگ جاری رہے گی۔ فقط انہیں یہ ایک جملہ کہہ دو ایک خواہش ہے، ایک تمنا ہے، ان

سے یہ تقاضا کرو کہ اس قضیہ کو کل تک ملتوی کر دیں۔ پھر اس لیے کہ کوئی خیال پیدا نہ ہو کہ حسینؑ ایک شب کو غنیمت کے طور پر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور یہ سمجھانے کے لیے کہ زندگی غنیمت نہیں' چند گھنٹے زندہ رہنے کی کوئی اہمیت نہیں' بلکہ آپؑ کچھ اور چاہتے تھے فرمایا: خدا خود جانتا ہے کہ میں یہ مہلت کیوں چاہتا ہوں۔ میں یہ مہلت اس لیے چاہتا ہوں کہ میری زندگی کی یہ آخری شب' میں اپنے خدا سے راز و نیاز میں یہ شب گزارنا چاہتا ہوں' مناجات اور عبادت کرنا چاہتا ہوں' قرآن کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔

ابوالفضل علیہ السلام چلے گئے' وہ اسے قبول کرنا نہیں چاہتے تھے' لیکن خود اُن کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ان میں سے ایک نے کہا تم لوگ بہت بے حیا ہو کیونکہ ہم جب کفار سے جنگ کرتے تھے اگر وہ ایسی مہلت مانگتے تو ہم دیدیا کرتے تھے' تو ہم خاندان پیغمبر کو یہ مہلت کیوں نہیں دے سکتے؟

عمر سعد مجبور ہو گیا کہ ابن زیاد کے فرمان کو زیر پا رکھ دے تا کہ اس کے لشکر میں اختلاف نہ ہو جائے کہنے لگا: بہت اچھا' صبح دیکھیں گے۔

یہ شب امام حسینؑ نے بڑی روشنی' ہیجان اور نورانیت میں بسر کی۔

مہلت کی شب:

عصر کے وقت دشمن حملہ کرنا چاہتا ہے' حضرتؑ اپنے بھائی ابوالفضل کو بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں' میں شب اپنے خدا سے راز و نیاز کرنا چاہتا ہوں' نماز' دعا اور استغفار کرنا چاہتا ہوں۔ تم جس طرح ممکن ہو انہیں آج رات کی خاطر ٹال دو البتہ کل ان سے جنگ کریں گے بالآخر وہ ٹل جاتے ہیں۔

۱۵۶﴾ معبود سے عشق کی تجلیگاہ

آپ غور کریں کہ شب عاشورا حسینی کس حالت سے گزر رہے تھے؟ اس شب کی امام حسینؑ نے کس طرح عبادت کی' استغفار' مناجات' راز و نیاز با پروردگار' روز عاشورا کی نماز کو دیکھیں کہ اس میں توحید' عبودیت و ربوبیت کے پہلو اور عرفانی پہلو و مطالب اپنی اوج پر ہیں۔

۱۵۷﴾ توبہ و استغفار کی منزل

۹ محرم عصر کے وقت عبیداللہ زیاد کے حکم کے مطابق عمر سعد نے حملہ کر دیا' اسی شب حسینؑ سے جنگ

کرنے کے خواہاں ہیں۔ حسینؑ اپنے بھائی ابوالفضل کے وسیلے سے ایک شب کی مہلت مانگتے ہیں کہ میں کل جنگ کروں گا، میں اہل تسلیم نہیں ہوں، میں جنگ کروں گا لیکن ایک شب کی مہلت دیدو، کل (وقت غروب تھا) اس لیے کہ کہیں حسینؑ وقت تو نہیں گزارنا چاہتے۔ تب حسینؑ نے یہ جملہ کہا برادر خدا جانتا ہے کہ میں اس کے ساتھ مناجات کو کس قدر دوست رکھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس شب کو اپنی زندگی کی آخری شب کے طور پر شب مناجات، توبہ واستغفار قرار دوں۔

۱۵۸﴾ یہ شب عاشورا گر آپ جان سکیں ایک معراج تھی، خوشی ومسرت حکم فرما تھی

جب دوسرے لوگ وہاں سے گزرتے تھے تو ان توابین (توبہ کرنے والے) مستغفرین (استغفار کرنے والے) کو دیکھتے تھے تو جانتے ہو انہیں کیا کہتے تھے؟ جب حسینؑ کے خیمے سے گزرے تو یہ کہنے لگے (دشمن نے یہ جملہ کہا) ''لَهُمْ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ مَا بَیْنَ رَاکِعٍ وَ سَاجِدٍ. ایسے محسوس ہوا جیسے انسان شہد کی مکھیوں کے چھتے کے قریب سے گزرا ہو جس طرح ان کے زمزمے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اس طرح حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کی دعا و نماز اور استغفار کی صدائیں بلند تھیں۔

حسین علیہ السلام کہتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ اس شب کو اپنے لیے توبہ واستغفار کی شب قرار دوں (چاہتے ہیں کہ اس شب معراج قرار دیں)۔

اب کیا ہم بھی توبہ کے نیازمند ہیں، وہ نیازمند ہیں اور ہم نہیں ہیں؟ حسینؑ بن علیؑ نے یہ شب اس طرح گزاری عبادت میں بسر کی۔

روز عاشورا کی نماز

۱۶۰۔ نماز ظہر کا وقت آ پہنچا

ظہر کا وقت ہو چکا' بیشتر اصحاب قبل از ظہر شہید ہو چکے تھے' یعنی قبل از ظہر عاشورا اصحاب اور اہل بیت بقید حیات تھے' پہلے مرحلے میں جو اصحاب شہید ہوئے وہ جو دشمن کے مقابل صف بندی کیے ہوئے تھے' امام حسینؑ کی مختصر فوج کی تعداد بہتر (۷۲) تھی' لیکن روح پرور شجاعت اور بے نظیر حماسہ کی بدولت امام حسینؑ نے شکست کا شائبہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا' بہتر (۷۲) افراد کے میمنہ اور میسرہ اور قلب (مرکز) قرار دیا' سالار لشکر قرار دیا' انتہائی منظم اور مرتب دستہ تھا' جناب زہیر بن القین کو میمنہ کے اصحاب سپرد کیے' جناب حبیب کو میسرا' اور پرچم اپنے برادر رشید ابوالفضل العباسؑ کو عطا کیا' اسی دن سے آپ کو پرچمدار اور علمدار اور شیر حسین علیہ السلام کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اصحاب جنگ شروع کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں' آپؑ نے فرمایا جب تک دشمن شروع نہ کرے ہم جنگ کا آغاز نہیں کریں گے۔

۱۶۱۔ امام حسینؑ کی آخری نماز کی عظمت

ابوالصائد نامی شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یابن رسول اللہؐ! وقتِ نماز ہے' ہماری آرزو ہے کہ اپنی زندگی کی آخری نماز آپؑ کی اقتدا میں ادا کریں۔

دیکھیں یہ کیسی نماز تھی! یہ وہ نماز تھی کہ جس میں تیر بارش کی مانند برسے' لیکن حسینؑ اور اصحاب' حالت نماز میں غرق تھے اَللّٰہُ اَکْبَرُ' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ 'ایک فرنگی کہتا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ نے کیسی پرشکوہ نماز پڑھی کہ ایسی نماز کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ اپنی مقدس پیشانی کو

گرم ریت پر رکھ دیا اور کہا: بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ

۱۶۲۔ امام حسینؑ اور نماز خوف

روز عاشور کے بارے میں آپؑ نے سن رکھا ہے کہ اکثریت بعد از ظہر شہید ہوئے یعنی قبل از ظہر عاشورا اصحاب واہلبیت اور امام حسینؑ سب زندہ تھے۔ خود امام حسینؑ بھی سب سے آخر پہ بعد از ظہر شہید ہوئے فقط امام حسینؑ کے تیس اصحاب قبل از ظہر دشمن کی تیراندازی سے شہید ہوئے باقی سب بعد از ظہر شہید ہوئے۔

امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ایک متوجہ ہوا کہ اب ظہر کا وقت ہے اور عرض کی اے امامؑ! وقت نماز ہے ہمارا دل چاہتا ہے کہ آخری نماز آپ کی اقتدا میں پڑھ لیں۔

امام حسینؑ نے تصدیق کی کہ آیا وقت نماز ہو چکا ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ اس وقت یہ جملہ فرمایا:

ذُكِرْتَ الصَّلٰوةَ یا: ذَكَّرْتَ الصَّلٰوةَ

اگر ذُکِرتَ ہو یعنی نماز تجھے یاد آ گئی' اگر ذَکَّرتَ ہو تو یہ معنی ہو گا کہ نماز ہمیں یاد کرائی ہے۔

ذَكَّرْتَ الصَّلٰوةَ جَعَلَكَ اللّٰهُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ

نماز کو یاد کیا ہے' خدا تجھے نماز گزاروں میں سے قرار دے۔

ایک ایسے مرد کو جو جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہے' ایسے مجاہد کو امامؑ نے یہ دعا دی ہے کہ خدا تجھے نماز گزاروں میں سے قرار دے۔

دیکھیے نماز گزار کا واقعاً کیا مقام ہے: (فرمایا:) ہاں نماز پڑھیں' میدان جنگ میں نماز پڑھیں گے جسے فقہی اصطلاح میں "نماز خوف" کا نام دیا گیا ہے۔

نماز خوف مسافر کی نماز کی مانند دو رکعت ہے نہ کہ چار رکعت یعنی انسان اگرچہ اپنے وطن میں بھی ہو تب بھی نماز دو رکعت پڑھے گا۔ کیونکہ یہاں ادا کرنا ممکن نہیں' کیونکہ اگر سب نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں تو دفاعی لائن درہم برہم ہو کر رہ جائے گی' لہٰذا فوج کا نصف دستہ دشمن کے مقابلے میں اور بقیہ امام جماعت کی اقتداء کریں گے۔ امام جماعت جب ایک رکعت پڑھ لے گا تو اتنا صبر کرے کہ وہ اپنی دوسری

رکعت پڑھ لیں۔ اس کے بعد وہ دستہ چلا جائے اور دوسرا دستہ آ جائے نماز کی اقتداء کرے جبکہ امام جماعت اسی طرح بیٹھا رہے یا کھڑا رہے۔

یہ دستہ اپنی پہلی رکعت امام جماعت کی دوسری رکعت کے ساتھ ادا کرے گا۔

امام حسینؑ نے اس طرح کی نماز خوف پڑھی' لیکن امام حسینؑ کی حالت ایک خاص حالت تھی۔ کیونکہ دشمن سے زیادہ دور نہیں تھے۔ لہٰذا وہ لوگ جو دفاع کرنا چاہتے تھے امام حسینؑ کے بالکل نزدیک کھڑے تھے اور بے حیاء اور بے شرم دشمن نے اس لمحے بھی صبر سے کام نہ لیا' جبکہ امام حسینؑ نماز میں مشغول تھے' دشمن نے تیراندازی شروع کردی' دو طرح کی تیراندازی' ایک تیراندازی زبان سے کر رہے تھے' ایک پکار رہا تھا حسینؑ! یہ نماز نہ پڑھو' تیری نماز کا کوئی فائدہ نہیں' تم نے یزید سے بغاوت کی ہے' تم باغی ہو' لہٰذا تمہاری نماز قبول نہیں!

دوسرے تیر کمان سے نکل رہے تھے' دو اصحاب ابا عبداللہ نے اپنے آپ کو مولاؑ کی سپر قرار دے رکھا تھا' ان میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی اس طرح گرے کہ جیسے ہی امام حسینؑ نے نماز تمام کی' تو ان کی جان نکلنے کے قریب تھی' آقا خود اس کی سرہانے پر پہنچے' جب اس کی سرہانے پہنچے اس نے بڑا عجیب جملہ کہا' عرض کیا: 'یا اَبَاعَبۡدِ اللّٰہ اَوَفَیۡتَ' آیا میں نے حق ادا کر دیا؟

گویا ابھی اس فکر میں تھا کہ حسینؑ کا حق اس قدر زیادہ ہے کہ اس قدر فداکاری بھی کافی نہیں' یہ تھی کربلا کے صحرا میں حسینؑ کی نماز۔

۱۶۳۔ حسینؑ کے دل کو شاد کر دیا

ابو ثمامہ صائدی نے جو آخری نماز کی خواہش کا اظہار کیا اس نے حسینؑ کے دل کو شاد کر دیا کہ آپ نے دعا کی' اس سے بالاتر سعید بن عبداللہ حنفی کی فداکاری تھی جب انہوں نے یہ جملہ کہا: اَوَفَیۡتُ؟

۱۶۴۔ گرم خاک پر سجدہ

امام حسینؑ نے نماز میں تکبیر بلند کی' ذکر کہا: سُبۡحَانَ اللّٰہ کہا بِحَوۡلِ اللّٰہِ وَ قُوَّتِہٖ اَقُوۡمُ وَ اَقۡعُدُ' رکوع اور سجود کیا۔ دو تین گھنٹے کے بعد ایک اور نماز پیش آئی' ایک اور رکوع کرنا پڑا' ایک اور سجدہ کرنا پڑا'

لیکن اس ذکر کو ایک اور شکل میں ادا کیا' امام حسینؑ کا رکوع اس وقت ہوا جب ایک تیر آپؑ کے سینہ مقدس میں پیوست ہو گیا' امام حسینؑ مجبور ہو گئے کہ اس تیر کو پشت کی جانب سے کھینچ کر نکالیں' کیا آپ جانتے ہیں کہ امام حسینؑ کا سجدہ کس شکل میں ادا ہوا؟ یہ سجدہ پیشانی سے ادا نہیں کیا' کیونکہ امام حسینؑ مجبوراً گھوڑے سے زمین پر آ رہے' تب آپؑ نے اپنا دائیاں رخسار کربلا کی گرم ریت پر رکھ دیا' تب امام حسینؑ کا ذکر یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰه

۱۶۵﴾ اشهد انک قد اقمت الصلوٰة

ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلام کی نظر سے جاننا چاہیے کہ یہ کیسا اصول ہے؟ یہ کیا ہے کہ جس کی قدر و اہمیت اور اصالت اتنی ہے کہ ایک ایسا شخص جو حسین بن علی علیہ السلام جیسے شخص کو اپنی راہ میں جان دینے پر تیار کر دیتی ہے' اپنا خون بہا دے' اپنے عزیزوں کا خون بہا دے' ایسا حادثہ رونما کر دے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی' اب ہم تیرہ سو سال بعد امامؑ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ گواہی دیں۔

اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتَ الزَّكٰوةَ وَ اَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ جَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ حَتّٰى اٰتَاکَ الْيَقِيْنُ

اس شہادت اور گواہی کے مفہوم کو درست سمجھنے کی کوشش کیجیے (ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے نماز قائم کی' آپ نے زکوٰۃ کو تمام مراتب کے ساتھ ادا کر دیا' وَ اَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا' جَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ اور وہ بھی اس قدر کوشش کہ جو سزاوار ہے ایک بشر راہ حق میں خود کو پیش کر دے۔

۱۶۶﴾ نماز و جہاد کی راہ میں جہاد

بزرگ اور بزرگواری میں یہ فرق ہے (فارسی میں بزرگ کا معنی' بڑا' عظیم' شریف' محترم اور بالغ ہے جبکہ بزرگواری کا معنی فراخ دلی اور بزرگی کا معنی عظمت اور بڑائی ہے)۔

البتہ فراخ دل بھی عظیم ہوتے ہیں لیکن سب عظیم لوگ فراخ دل نہیں ہوتے' سب فراخ دل عظیم

ہوتے ہیں اسی لیے جب ہم ان کے مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی بزرگواری کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی بزرگواری کی ہی بات کرتے ہیں نہ کہ بزرگی کی جو کہ بزرگواری سے جدا ہے اشهدانک قد اقمت الصلوة و اتیت الزکاة و امرت بالمعروف و نهیت عن المنکر ہم اگر نادرشاہ کے سامنے ہوں تو کیا کہیں گے؟ ہمیں اس کی بزرگی کی بات کریں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم ہند گئے اور اسے تباہ کر دیا اور ہمارے لیے الماس ہمارے لیے لائے کوہ نور ہیرا ہمارے لے لائے لیکن امام حسینؑ کے لیے کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؑ نے زکوۃ دی لیکن دولت جمع نہیں کی اور نہ ہی ہمارے لیے دولت لائے۔ آپؑ نے اچھائی کا حکم دیا اور برائی سے منع فرمایا آپؑ نے نماز جو کہ خدا اور بندے کے درمیان رابطے کا ذرہ ہے اسے زندہ کر دیا' آپ نے خدا کے راستے جدوجہد کی نہ کہ اپنی ذاتی خواہشات کے لیے محنت کی' نہ ہی جاہ طلبی کے کوشش کی' آپؑ ایک بڑے جاہ طلب نہیں تھے آپؑ ایک بڑے انتقام جو نہیں تھے' آپؑ ایک بڑے دولت کے پجاری نہیں تھے' آپ کینہ پرور نہیں تھے آپؑ تو خدا کے راستے کے بڑے مجاہد تھے' آپ نے اپنی حیوانی خودی کے بجائے اس خودی کو بیدار کیا جس کا خدا رشتہ ہے' اشهد انک جاهدت فی الله حق جهاده ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؑ نے جدوجہد کی' جہاد کیا لیکن جہاد شہوت حکومت یا پوسٹ کے لیے نہیں تھا' بلکہ یہ حق وحقیقت کے لیے تھا۔

۱۶۷۔ خدا سے ظاہر تر اور کون ہے؟

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَیَکُونُ لِغَیرِکَ مِنَ الظُّهُورِ مالَیسَ لَکَ

آیا تجھ سے زیادہ کوئی ظاہر تر ہے کہ میں تیرے غیر کو تیرے لیے بطور دلیل پیش کروں؟

۱۶۔ تجربہ کرلیں

امام حسین علیہ السلام سے یہ جملہ نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے شب عاشور فرمایا: میں اپنے اصحاب سے بہتر اور صحابی کو نہیں جانتا۔ فیض مرحوم کہتے ہیں مجھے یقین نہیں تھا کہ ایسی چیز امامؑ نے فرمائی ہو۔

ان سے کہا گیا: کیوں؟

توفیق مرحوم نے کہا: ان اصحاب نے کونسا ایسا کام کیا تھا کہ امامؑ ان کے بارے میں یہ کہیں کہ ان اصحاب سے بالاتر کوئی نہیں۔ جنہوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ بہت برے لوگ تھے' جن لوگوں نے امام حسینؑ کی نصرت کی انہوں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ کوئی بھی مسلمان ان کے ساتھ ہوتا اور اس سے یہ کہا جاتا فرزند پیغمبرؐ امام حسین علیہ اسلام دشمن کے نرغے تنہا رہ گئے ہیں' مجبوراً وہ بھی کھڑا ہو جاتا' ایک شب اسی عالم میں خواب دیکھا کہ کربلا کا صحرا ہے' امام حسین علیہ السلام بہتر (۷۲) افراد کے ساتھ ہیں' دوسری طرف تیس ہزار کا لشکر ہے' وہی منظر نظر آیا کہ نماز ظہر کا وقت ہے اور سب نماز پڑھنا چاہتے ہیں' حضرت امام حسینؑ نے اسی عالم (مرحوم فیض) سے فرمایا: تم آگے کھڑے ہو جاؤ تا کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ (جس طرح سعید بن عبداللہ حنفی اور ایک دو دوسرے اصحاب نے اپنے آپ کو امامؑ کی سپر قرار دے رکھا تھا) دشمن تیراندازی کر رہا تھا' یہ عالم آگے کھڑے ہو گئے۔ دشمن کی طرف سے پہلا تیر آیا جب انہوں نے دیکھا کہ تیر سیدھا ان کی طرف آ رہا ہے تو وہ نیچے بیٹھ گئے اور یہ تیر سیدھا امامؑ کے بدن میں پیوست ہو گیا۔ اس عالم نے خواب میں کہا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي وَ اَتُوبُ اِلَيْهِ. یہ تو بہت برا ہوا! اب ایسا نہیں کروں گا۔ دوسری مرتبہ جب تیر قریب آیا دوسری مرتبہ پھر خم ہو گیا۔ ایسا چند مرتبہ ہوا اور یہ بے اختیار خم ہوتا رہا۔ اسی دوران امامؑ نے فرمایا: اِنِّي لا اَعْلَمُ اَصْحاباً خَيْراً وَلا اَفْضَلَ مِنْ اَصْحَابِي.

میں اپنے اصحاب سے بہتر کسی اور کے اصحاب کو نہیں جانتا' یعنی تم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ جو کتابیں پڑھ لے وہ مجاہد بن جاتا ہے؟ یہ ایک حقیقت ہے۔

مَنْ لَمْ يَغْزُ وَ لَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِغَزْوٍ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنَ النِّفَاقِ! اگر عملی طور پر (جہاد کی) تربیت نہ لے یا کم از کم اس کی فکر بھی نہ کرتا ہو کہ ایسا کرے گا' تو اس کی روح میں دورُوئی (Double Minded) ہے یعنی جب جہاد کا موقع آئے گا تو اِدھر اُدھر ہو جائے گا۔

تحریک عاشورا کا عرفانی پہلو

تحریک حسینی ایک عرفانی تحریک ہے' خلوص الی اللہ ہے۔ فقط وفقط حسینؑ ہیں اور اس کا خدا ہے' گویا اور کوئی بھی درمیان نہیں ہے' لیکن اگر ایک اور زاویہ سے دیکھیں (جس نگاہ سے دعبل اور کمیت اسدی جیسے افراد نے دیکھا ہے) ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو جابر اور ظالم حکمران کے خلاف پوری آب وتاب کے ساتھ قیام کیے ہوئے ہے اور کوئی صورت بھی ایسی نہیں کہ وہ تسلیم ہو جائے' گویا آتش ہے' شعلہ ہے' عزت وآزادی اور شرافت کی صدا بلند ہے۔

لاَ وَاللّٰهِ لا اُعْطِيكُمْ بِيَدِي اِعْطَاءَ الذَّلِيلَ وَ لا اَفِرُّ فِرارَ الْعَبِيد ۔ میں اس ذلت کو ہرگز قبول نہیں کروں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح سے فرار کروں گا میرے لیے ممکن نہیں۔

هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ' اَلْمَوْتُ اَوْلىٰ مِنْ رُكُوبِ الْعارِ' لا اَرَى الْمَوْتَ اِلّا سَعَادَةً وَالْحَيٰوةَ مَعَ الظّالِمِينَ اِلّا بَرَماً

سب کچھ بتا دیا' جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ یہ حماسہ ہے' شجاعت ہے' عرب کی تعبیر کے مطابق اِبا یعنی کسی کو قبول نہ کرنا' عرب اس شخص کو کہ جو ظلم قبول نہ کرے کو' ابات' کہتے ہیں یعنی ایسے افراد جو کسی بھی صورت میں زور اور ظلم کو قبول نہ کریں۔

ابن ابی الحدید جو ایک سنی عالم دین ہے کہتا ہے حسینؑ بن علیؑ سید ابات (ابات کے سردار ہیں) ہیں' جن لوگوں نے ظلم وجور کو قبول نہیں کیا حسینؑ بن علیؑ ان کے سردار ہیں' اس پہلو سے اگر اس حادثہ پر غور کریں تو اس میں یہ اعتراض' تنقید' حماسہ نظر آئے گا۔ ایک اور جگہ' کسی اور مقام پر' ایک خیر خواہ کی مانند ایک واعظ' ایک نصیحت کرنے والا کی حالت میں دیکھتے ہیں جو اپنے دشمنوں کی بدبختی پر افسردہ ہیں کہ آخر

کیوں یہ لوگ جہنم میں جانا چاہتے ہیں' کیوں اس قدر بد بخت ہیں؟

۱۶۹۔ قضائے الٰہی کے سامنے تسلیم ہیں

میں آج شب حادثہ کربلا کے تمام پہلو جس کا مجھے اندازہ ہے آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں' توحیدی و عرفانی پہلو' راہ خدا میں پاکیزگی کا پہلو' غیر خدا کو کچھ بھی تصور نہ کرنا' شاید وہی دو جملے جو امام حسینؑ نے اپنے پہلے خطبے میں فرمائے یعنی جو خطبہ مکہ میں ارشاد فرمایا کافی ہے۔ فرمایا: رِضَی اللّٰہِ وَاللّٰہِ رِضَانَا اَھلَ البَیتَ۔ ہم اہلبیت کی اپنی کوئی پسند نہیں ہم اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو خدا ہمارے لیے پسند کرلے جو راہ خدا نے ہمارے لیے معین کی ہے ہمیں وہی راہ پسند ہے۔

۱۷۰۔ حسینی عرفان کی تجلی

الف: بدنی شجاعت ب: قلب و روح کی قوت

ج: حقیقت پر ایمان کیونکہ ہر ساعت بعد آپؑ کی شخصیت ہشاش بشاش ہو رہی تھی۔

د: صبر و تحمل ہ: تسلیم و رضا

و: اطمینان اور روحی طور پر عدم ہیجان کی کیفیت کہ ایک بھی غضب و خشم اور مقصد سے دور ہونے والی بات زبان پر نہیں آئی۔

ز: حماسی روح کہ جو ایسے خطبات منظر عام پر آگئے۔

۱۷۱۔ حسینؑ کی خدا سے محبت

ہم اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں تو کیا حسینؑ بن علی علیہ السلام کو اپنے بچوں سے محبت نہیں تھی؟ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپؑ ہم سے زیادہ اپنے بچوں کو دوست رکھتے تھے' ابراہیم خلیل اللہؑ اس طرح نہیں تھے کہ اپنے اسماعیلؑ کو ہمارے سے کمتر دوست رکھتے تھے۔ اس دلیل کی بنا پر کہ آپؑ ہمارے سے زیادہ انسان تر (انسانیت کے درجات میں) تھے اور یہ انسانی عواطف (جذبات) ہیں کیونکہ وہ بالاتر انسان تھے اس لیے انسانی جذبات بھی زیادہ تھے' حسینؑ بن علی علیہ السلام اپنے بچوں سے ہماری نسبت زیادہ محبت کرتے تھے' لیکن اس کے باوجود وہ خدا سے سب چیزوں سے زیادہ محبت کرتے تھے' خدا کے مقابلے

میں کسی اور چیز سے محبت نہیں تھی۔

۱۷۲۔ اخلاص اور اطمینان کی انتہا

میں عرض کرتا ہوں (البتہ میں امام حسین علیہ السلام کے خلوص کے بارے میں معمولی سی بات بھی نہیں کر سکتا' کیونکہ میں اس سے کہیں چھوٹا ہوں لیکن یہ کہنے کی قدرت رکھتا ہوں) کہ روز عاشور جو چیز سب سے زیادہ واضح اور نمایاں ہو کر سامنے آئی وہ امام حسین علیہ السلام کا اطمینان تھا' آرام اور استقامت تھی' یہ فقط بات نہیں جو میں نے کہہ دی یہ اسی روز سب نے محسوس کر لیا تھا' جو وہاں موجود تھے ان میں سے کسی نے یہ جملہ کہا:

وَاللّٰهِ مَا رَاَیْتُ مَکْثُوراً قَطُّ قَدْ قُتِلَ وَلَدُہٗ وَ اَھْلُ بَیْتِہٖ وَ اَصْحَابُہٗ اَرْبَطَ جَاشاً مِنْہُ

یہ ایک خبر نگار تھا جس نے یہ واقعات نقل کیے ہیں' وہ کہتا ہے "خدا کی قسم' میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا کہ دل شکستہ ہو اور اس پر بہت سی ذمہ داریاں ہوں جس کے فرزند اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیے گئے ہوں' جس کے اصحاب کے سر اُن کے بدن سے جدا کر دیے گئے ہوں' اس کے باوجود اس قدر قوت قلب کا مالک ہو۔

۱۷۳۔ حسین علیہ السلام کا اطمینان

جب انسان' وہ کلمات جو امام عالی مقام نے اہل بیت علیہم السلام سے کہے گئے ان پر غور کرتا ہے کہ یہ کتنا اعتماد' ایمان' اطمینان دیتے ہیں تو انسان حیرت میں غرق ہو جاتا ہے یا رب! یہ کیسی روح ہے کیسا ایمان اور کیسا اطمینان ہے' اس ضمانت کو کہاں سے لیا؟ تاریخ میں ہے: ثم ودع ثانیاً اھل بیتہ دوسری مرتبہ جب اہل بیت سے وداع کرنے آئے تب ان سے یہ کہا: استعدوا للبلاء و اعلموا ان اللہ حافظکم و حامیکم سختی برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور یہ جان لو کہ خدا تمہاری حفاظت و حمایت کرے گا۔

وَ سَیُنْجِیْکُمْ مِنْ شَرِّ الْاَعْدَاءِ وَ یَجْعَلُ عَاقِبَةَ اَمْرِکُمْ اِلٰی خَیْرٍ

خدا تمہیں نجات دے گا اور تمہاری عاقبت بالخیر ہوگی۔

وَ یُعَذِّبُ اَعَادِیَکُمْ بِاَنْوَاعِ الْبَلَاءِ، وَ یُعَوِّضُکُمُ اللّٰهُ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِیَّةِ بِاَنْوَاعِ النِّعَمِ وَ الْکَرَامَةِ

(خدا) تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کردے گا اور تمہیں ان مصائب اور مشکلات کے عوض نعمتوں اور کرامتوں سے نوازے گا۔

فَلَا تَشْکُوا وَ لَا تَقُولُوا بِاَلْسِنَتِکُمْ مَا یَنْقُصُ مِنْ قَدْرِکُمْ

کبھی شکایت یا ایسا جملہ زبان پر نہ آنے پائے جو تمہاری قدر و قیمت کم کرنے کا باعث بنے۔

جو امام حسین علیہ السلام کو اپنی کامیابی پر اطمینان تھا کہ اپنے خاندان سے تلقین کی، قرآن کی اس آیت سے استفادہ کرتے ہوئے فرمایا: وَ مَنْ یَتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً. یہ اطمینان قرآن سے لیا تھا، جس طرح کا اطمینان اور ایمان یوسفؑ رکھتے تھے کہ جب تقویٰ کے نتائج ملاحظہ کیے تو بڑی خوشی اور رضایت سے یہ کہا: اِنَّهُ مَنْ یَتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِینَ. لیکن امام حسین علیہ اسلام اس سے پہلے کہ داستان کا اختتام ہو اور نتیجہ دے آپ نتیجہ دیکھ چکے تھے۔

حسین علیہ السلام کے یہ چند کلمات اہلبیت کے دل پر نقش ہوگئے، سختی اور اسیری کو برداشت کیا لیکن صبر و تقویٰ کے ساتھ۔ بالآخر وہی ہوا جس کا حسین علیہ السلام نے اپنا وعدہ دیا تھا اور خدا نے قرآن میں ذکر کیا۔

۱۷۔۴ کربلا کے عرفانی پہلو

ہم عاشورا کے حادثہ میں تمام اخلاقی، مواعظ، مقاومت، توحیدی، عرفانی، اعتقادی پہلوؤں کو بالخصوص تجسم کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ جن افراد نے اسے انجام دیا اس میں طفل شیر خوار سے لے کر ستر سال بلکہ اسی سال کے بزرگ، جناب عبداللہ بن عمیر کلبی کی بوڑھی اہلیہ شامل ہے، تین افراد ایسے ہیں کہ جو اپنے خاندان کے ہمراہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، بچے اور خواتین حرم امام حسینؑ میں رہے، باقی افراد کے عورتیں اور بچے وہاں نہیں تھے، ایک مسلم بن عوسجہ ہے دوسرا عبداللہ بن عمیر کلبی ہے اور تیسرے شخص جنادة بن حرث الانصاری یہ تینوں اپنے خاندان کے ہمراہ میدان کربلا میں موجود تھے۔

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب اور مددگاروں کے فضائل اور خصوصیات

۱۷۵۔ شب عاشور یاران امام کی وفاداری کا اعلان

شب عاشور مختلف کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ کچھ اصحاب (خاص طور پر ایسے افراد جو اہل فن تھے) کو حکم دیا گیا آج کی شب تلواریں' نیزے تیار رکھے جائیں اور خود امام حسینؑ اس کام کی نگرانی کرتے رہے' ایک صحابی جس کا نام جون ہے جو اسلحہ کے ماہر تھے' حضرتؑ جاتے اور اس کے کام کو دیکھتے رہے۔

دوسرا کام جو امام حسینؑ نے اس شب انجام دیا' آپؑ نے حکم دیا کہ آج کی شب خیمے ایک دوسرے کے قریب کر لیے جائیں' اس طرح نزدیک سے خیمے لگائے گئے کہ ایک خیمے کی طنابیں دوسرے خیمے کے ساتھ نصب ہو گئیں۔ اس طرح خیموں کے درمیان سے عبور کرنا ممکن نہ تھا' پھر یہ بھی حکم دیا کہ خیموں کو ہلال (چاند) کی شکل دی جائے اور اسی شب خیموں کی پشت پر خندق کھودی جائے تاکہ دشمن کے گھوڑے خیموں کی پشت سے حملہ آور نہ ہوں۔

ایک فرمان یہ دیا کہ کچھ خشک لکڑیاں جمع کی جائیں جو وہاں بہت زیادہ تھیں تاکہ صبح عاشور انہیں آگ لگا دی جائے' جب تک ہم زندہ رہیں دشمن خیموں کی پشت سے حملہ آور نہ ہو۔

ایک اور کام جو آپؑ نے اس شب انجام دیا' تمام اصحاب کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور آخری مرتبہ تمام

حجت کے لیے ایسا کیا۔ سب سے پہلے ان کا شکریہ ادا کیا' بہت زیادہ بلیغ اور عمیق تشکر کے بعد اپنے خاندان اور اصحاب سے فرمایا: میرے اہل بیت سے بہتر اہل بیت اور میرے اصحاب سے بہتر اور باوفا اصحاب کا مجھے سراغ نہیں ملا۔

اسی طرح فرمایا: جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میرے علاوہ انہیں کسی اور سے کوئی غرض نہیں' ان کا ہدف فقط میں ہوں اگر مجھے حاصل کرلیں تو تم سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔ آپ اس شب کی تاریکی سے فائدہ اٹھائیں اور سب چلے جائیں تو ایک طرف سے اصحاب نے یہ کہنا شروع کردیا:

یا اباعبداللہ! ہم ایسا کرلیں؟ بَدَأَهُمْ بِهٰذَا الْقَوْلُ الْعَبَّاسِ بْنِ عَلِيٍّ علیه السلام سب سے پہلے جس نے یہ بات کی وہ آپ کے بھائی ابوالفضل العباس تھے۔

یہ وہ موقعہ تھا جو حقیقت میں تاریخی اعتبار سے انتہائی اہم ہے' ہر کوئی اپنی تعبیر کے مطابق بات کرتا تھا۔

ایک کہتا تھا: آقا! اگر مجھے قتل کردیا جائے اور میرے بدن کو آگ لگادی جائے اور اسے ہوا میں اڑا دیا جائے اور دوبارہ زندہ کیا جائے اور ستر (۷۰) مرتبہ اس کا تکرار کیا جائے تب بھی میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہماری یہ ناچیز جان اس قابل ہی نہیں کہ آپ پر قربان کی جاسکے۔

ان میں سے ایک نے یہ کہا: اگر مجھے ہزار مرتبہ قتل کردیں آپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت نے ہر وہ کام جو لازم تھا' انجام دیا' تاکہ خالص اور مخلص افراد رہ جائیں۔

۷۶۔ امام حسینؑ نے دوستوں کی آزمائش کی

امام حسین علیہ اسلام نے اپنے خطاب میں یہ اعلان کیا:

فَمَنْ كَانَ بَاذِلًا فِينَا مُهْجَتَهُ، مُوَطِّنًا عَلَى لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهُ فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا فَإِنِّي رَاحِلٌ مُصْبِحًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

جو اپنا خون دل ہمارے راستے میں بہانے کے لیے آمادہ ہے اور جو بھی لقاء پروردگار (ملاقات) کا مصمم ارادہ رکھتا ہے' ایسا شخص ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائے جو (جو کشور کشائی کا ارادہ رکھتا ہے واپس چلا جائے) اپنی جان نہیں دے سکتا ہمارے ساتھ نہ آئے' ہمارا قافلہ' جاںثاروں کا قافلہ ہے' اس

قافلے میں حسینؑ بن علی علیہ السلام کے عزیز ترین عزیز بھی ہیں' اگر حسینؑ بن علیؑ اپنے عزیزوں کو مدینہ ہی چھوڑ دیتے تو کسی نے اعتراض کرنا تھا؟ کبھی بھی کوئی اعتراض نہ کرتا لیکن اگر اپنے عزیزوں کو کربلا کے معرکہ میں نہ لاتے اور تنہا شہید ہو جاتے' جو اہمیت اب بنی ہے یہ بن سکتی تھی؟ نہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ایسا کام کر دکھایا کہ راہ خدا میں قربانی کی مثال قائم کر دی یعنی میدان عمل میں انتہا تک پہنچ گئے' راہ خدا میں قربانی کے لیے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ عزیز بھی ایسے نہیں تھے کہ حسین علیہ السلام انہیں زبردستی لائے ہوں' ہم عقیدہ' ہم فکر اور ہم ایمان تھے' حسینؑ بن علیؑ کسی ایسے فرد کو اپنے ساتھ لانے کے لیے تیار نہیں تھے جس میں معمولی سا بھی کمزور پہلو ہو' لہٰذا دو تین مرتبہ آزمائش کرنے اور تجزیہ و تحلیل کرنے کے بعد بلکہ روز اول جب مکہ سے سفر کرنے لگے یہ اعلان کر دیا کہ جو جانباز نہیں ہے وہ نہ آئے۔ ابھی بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر امام حسین علیہ السلام کوفہ چلے جاتے تو شائد یہ مسئلہ پیش نہ آتا' آنا جانا رہتا' آقا بن جاتے' ہمیں بھی پیچھے نہیں رہنا چاہیے' امامؑ کے ہی ساتھ چلتے ہیں کچھ لوگ راستے میں بادیہ نشین عرب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مل ہوئے۔

۱۷۷۔ آخری آزمائش

امامؑ نے راستے میں ایک خطبہ دیا: کہا ایھا الناس! اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ایک رتبہ حاصل کرلیں گے۔ کسی مقام پر پہنچ جائیں گے' ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے' وہ واپس چلا جائے' کچھ واپس چلے گئے' آخری آزمائش شب عاشور کی تھی لیکن شب عاشور کوئی واپس جانے والا نہیں تھا۔

۱۷۸۔ بیعت کی تجدید لازمی ہے

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے بیعت لی اور شب عاشور فرمایا: میں اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔ اَنْتُمْ فِي حِلٍّ مِنْ بَيْعَتي

مسلمؑ نے بھی کوفہ میں لوگوں سے بیعت لی۔

۱۷۹۔ دوستوں کا امتحان

حسینؑ بن علیؑ کے ہمراہ کافی لوگ آئے تھے' شروع میں شاید ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو اس

خیال میں تھے کہ ممکن ہے کہ حسینؑ بن علی علیہ السلام کی باتوں میں کچھ مبالغہ ہو شاید بعد میں اپنی سلامتی کی فکر کرنے لگیں' راستے میں بھی چند لوگ ساتھ ہوئے' لیکن حسینؑ بن علیؑ نہیں چاہتے تھے کہ ضعیف اور بزدل ان کے ہمراہ ہوں' مختلف مواقع پر آپؑ کے خطبات نے اصحاب کا تصفیہ کردیا ایسے افراد جو اس قابل نہ تھے جدا ہوگئے' خارج ہوگئے' آزمائش کے بعد اس قابل نہ رہے' فقط خالص ترین رہ گئے' ایسے افراد باقی رہ گئے کہ جن کے بارے میں حسینؑ بن علیؑ نے شہادت دی کہ میرے یاور و مددگار سے بہتر کسی کو نہ مل سکے۔ یعنی میرے اصحاب یعنی اگر اصحاب بدر اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنا پڑے میں تمہیں ترجیح دوں گا' اگر اصحاب احد اور تمہارے درمیان امر دائر ہو تو میں تمہیں ترجیح دوں گا'۔ اگر اصحاب صفین سے تمہارا مقابلہ ہو تو میں تمہیں ترجیح دوں گا' تم تمام شہداء کے سر کا تاج ہو' شب عاشور جب امام حسینؑ نے سب کو رخصت کرنا چاہتے تھے تو کہا میں اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔ دشمن کی طرف سے بھی اطمینان دلایا کہ تمہیں دشمن کچھ نہیں کہے گا۔ (اس لیے تمہارا دشمن سے کوئی سروکار نہیں) سب کہنے لگے: آقا! ہم نے آپ کی راہ میں شہادت کو منتخب کرلیا ہے' ایک جان کی تو اہمیت ہی نہیں' اے کاش ہزاروں جانیں ہوتیں سب کچھ آپؑ کی راہ میں فدا کردیتے۔ بَدَأَهُمْ بِذٰلِكَ اَخوهُ عَبَّاسُ بْنِ عَلِیٍّ! سب سے پہلے ابوالفضل العباسؑ نے یہ بات کہی۔ کس قدر امام حسینؑ کے مقدس قلب کو شاد کردیا اس بات نے کہ ایسے اصحاب آپؑ کے ہمراہ ہیں جو آپؑ کے ساتھ ہم آہنگ' ہم فکر' ہم عقیدہ' ہم مقصد ہیں۔

اس وقت امام حسینؑ نے ان کے لیے کچھ مطالب بیان کیے فرمایا: اب کام یہاں تک پہنچ گیا ہے تو پھر کل ہونے والے واقعہ کو اجمالی طور پر بتانا چاہتا ہوں کہ کل ایک شخص بھی تم میں سے زندہ نہیں رہے گا' روز عاشور امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو ایک یہ افتخار بھی دیا ایسی جزا دی کہ ہمیشہ تاریخ میں یہ جزا ثبت رہے گی' آخری لحات ہیں' سب شہید ہوچکے ہیں۔ زین العابدینؑ کے علاوہ جو بیمار تھے اور خیمے میں تھے کوئی اور باقی نہ بچا' حسینؑ ہیں اور سامنے دشمنوں کا لشکر' تنہا کھڑے ہیں دیکھتے ہیں کہ اصحاب کی لاشوں کے ٹکڑے جابجا گرم ریت پر پڑے ہیں۔ تب ایک جملہ کہا جس کا معنی یہ تھا:

میں روئے زمین پر ان ٹکڑے ٹکڑے بدنوں کے علاوہ کسی کو زندہ نہیں دیکھ رہا۔

مردہ دلانند بہ روی زمین بھرچہ با مردۂ شوم ھمنشین

جو زیرِ خاک ہیں یا خاک وخون میں غلطاں ہیں، زندہ ہیں، جبکہ حسینؑ بن علیؑ نصرت طلب کر رہے ہیں پ کو مددگار کی ضرورت ہے۔ ان سے جو خاک وخون میں غلطاں ہیں اور انہیں زندہ کہہ دیا، ان سے کمک چاہتے ہیں وہ زندہ کون ہیں؟ یہی ٹکڑے ٹکڑے بدن، فریاد کرتے ہیں: یٰا اَبْطَالَ الصَّفٰا وَ یٰا فُرْسَانَ الْهَیْجاه اے شجاع وباصفاء وباوفا اے میرے دلیرو! قُومُوا عَنْ نَوْمَتِکُمْ اَیُّهَا الْکِرَامُ وَ امْنَعُوا عَنْ حَرَمِ الرَّسُولِ الْعُتَاة.

اے بزرگ زادو! اس گہری نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ حرکت کرو، مگر کیا تم نہیں جانتے کہ یہ پست و ذلیل لوگ آپؐ کے پیغمبر کی اہلبیت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، آرام کرو، تم اس کا حق رکھتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے مقدس سر تمہارے جسموں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔

۱۸۰﴾ دو چیزوں نے چشمِ امامؑ کو روشن رکھا

الف: خاندان

ب: یاران باوفا، هٰهُنَا مُنَاخُ رُکّابٍ وَ مَصَارِعُ عُشّاقٍ. اصحاب اور خاندان نے دکھا دیا کہ جہاد عاشقانہ کیسے کیا جاتا ہے۔

۱۸۱﴾ امام حسینؑ کے اصحاب اور اہل بیت کا مقام

شہداء، تمام صالح اور نیک افراد کے درمیان نمایاں ہوتے ہیں اور اصحاب امام حسینؑ تمام شہداء کے درمیان نمایاں ہیں۔ آپ جانتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ سابقہ مراحل میں جب آزمائش ہو چکی تھی جو اس قابل نہیں تھے، چلے گئے اور جو اس لائق تھے باقی رہ گئے، پھر ان لائق افراد کی آخری بار آزمائش کی گئی، تو ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو واپسی کا ارادہ رکھتا ہو۔

شب عاشور کیا کیا؟ فجمع اصحابه "عند قرب الماء" یا "عند قرب المساء" دو طرح لکھا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "عند قرب الماء" یعنی ایک خیمہ ایسا تھا جہاں پانی کی بھری مشکیں جاتی تھیں، پہلے دن سے یہ کمرہ مختص کر دیا گیا تھا، اس خیمہ کو خیمہ "قرب الماء" یعنی ایسا خیمہ جہاں نی ہو، اپنے اصحاب کو جمع کیا، کیوں جمع کیا؟ یہ میں نہیں جانتا، شاید اس لیے کہ یہ خیمہ اس شب پانی سے

خالی تھا' کیونکہ پانی کی کوئی مشک نہیں تھی' اور اگر یہ جملہ' عند قرب المساء' ہو یعنی غروب کے نزدیک انہیں جمع کیا۔ بہر حال اصحاب کو جمع کیا اور ایسا عالی اور پر جوش خطبہ دیا جو کل ہونے والے تمام اہم امور پر مشتمل تھا۔

نو محرم الحرام تھی عصر کے وقت وظیفہ معین ہو چکا تھا کہ کل کی فقط مہلت دی گئی ہے۔ جب یہ طے ہو چکا تب امام حسینؑ نے اصحاب کو جمع کیا' اس کے راوی امام زین العابدین علیہ السلام ہیں جو خود وہاں موجود تھے۔ فرماتے ہیں: جس خیمے میں امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جمع کیا میں اس خیمے کے ساتھ والے خیمہ میں تھا جس میں میں بیماری کی حالت میں آرام کر رہا تھا' جب میرے والد گرامی نے اپنے اصحاب کو جمع کیا تو پہلے خدا کی حمد و ثنا کی اور کہا:

اُثْنِي عَلَى اللّٰهِ اَحْسَنَ الثَّنَاءِ وَ اَحْمَدُهُ عَلَى السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَحْمَدُکَ عَلَى اَنْ اَکْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَ عَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَ فَقَّهْتَنَا فِي الدِّينِ

میں خدا کی ثناء کرتا ہوں' عالی ترین ثناء' ہمیشہ سپاسگزار تھا اور ہوں' خواہ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں۔ جو حق وحقیقت کے راستے پر قدم بڑھائے' کیسے ہی حالات کیوں نہ ہو اس کے لیے خیر ہے' مرد حق ہر مشکل حالات میں اپنا وظیفہ مشخص کر لیتا ہے' وظیفہ کی انجام دہی میں جو بھی پیش آئے وہ شر نہیں ہوگا۔

در طریقت پیش سالک هر چه آید خیر او است
در صراط مستقیم ای دل کسی گمراه نیست
بر در میخانه رفتن کاریکر نگان بود!
خود فروشان را به کوی می فروشان راه نیست
هر چه هست از قامت ناساز بی اندام ماست
ورنه تشریف تو بر بالای کس کو تاه نیست

جب کربلا کی طرف عازم سفر تھے شاعر فرزدق کے جواب میں یہ جملہ ارشاد فرمایا جب اس نے عراق کی خراب حالت کے بارے میں خبر دی' امامؑ فرماتے ہیں:

اِنْ نَزَلَ الْقَضَاءُ بِمَا نُحِبُّ فَنَحْمَدُ اللّٰهَ عَلَى نَعْمَائِهِ وَ هُوَ الْمُسْتَعَانُ

عَلٰی اَدَاءِ الشُّکْرِ وَ اِنْ حَالَ الْقَضَاءُ دُونَ الرَّجَاءِ فَلَمْ یَبْعُدْ (فَلَمْ یَبْعُدْ)
مَنْ کَانَ الْحَقُّ نِیَّتَہٗ وَ التَّقْوٰی سَرِیْرَتَہٗ۔

یعنی اگر قضا و قدر نے ہماری آرزو کے مطابق ہمارا ساتھ دیا تو اس پر ہم خدا کا شکر ادا کریں گے اور شکر کی ادائیگی کے لیے مدد کی درخواست کریں گے اور اگر برعکس ہوا یعنی ہماری آرزو کے برعکس ہوا' اس کے بعد بھی ہمارا قصد اور ہدف سوائے حق اور حقیقت کے کچھ اور نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی شرشت میں تقویٰ ہے' جو ہر غرض و مرض سے پاک ہے نقصان دہ نہیں (دور نہیں) یعنی ہر حالت میں جو بھی پیش آئے وہ خیر ہے شر نہیں۔

واحمد علی السراء و لضراء وَ اَحْمَدُہٗ عَلَی السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں ان دنوں کا جو راحت اور آرام سے گزرے اور سخت دنوں کا بھی۔

یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں راحت اور خوشی کے دن دیکھے ہیں۔ ایسے دن بھی دیکھے ہیں جب میں زانوے پیغمبرؐ پر بیٹھتا تھا' دوش پیغمبرؐ پر سوار ہوتا تھا' ایسا وقت بھی گزرا ہے جب میں عالم اسلام کا عزیز ترین جوان تھا' خدا کا شکر گزار ہوں کہ ایسے دن مجھے نصیب ہوئے۔ آج کے دنوں کی سختی پر بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں' جو میرے لیے پیش آئے' میں اسے شر نہیں سمجھتا' خیر سمجھتا ہوں۔ خدایا! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہمیں قرآن کا علم عطا کیا' یہ ہم ہی ہیں جو قرآن کو جس طرح کہ وہ ہے سمجھتے ہیں تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں دینی بصیرت عطا کی' فقیہ دین قرار دیا' یعنی ہمیں توفیق دی کہ دین کو گہرائی تک سمجھتے ہیں۔ روح اور باطن کو سمجھتے ہیں' دین شناس بنایا۔

پھر کیا کیا؟ اس کے بعد تاریخی شہادت نامہ اصحاب اور اہل بیت کے لیے صادر کیا۔ فرمایا:

اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً خَیْراً وَلَا اَوْفٰی مِنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَهْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ
وَلَا اَوْصَلَ وَ لَا اَفْضَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ۔

مجھ سے بہتر اور باوفا تر اصحاب کسی کو نہیں ملے۔ آپؑ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میں حتیٰ کہ ان اصحاب پر بھی اپنے اصحاب کو ترجیح دیتا ہوں جو رکاب پیغمبرؐ میں شہید ہوئے' جو اصحاب میرے بابا حضرت علی علیہ السلام جو جمل و صفین و نہروان میں شہید ہوئے' کیونکہ تمہارے مخصوص حالات ان سے زیادہ اہم تر ہیں اپنے اہل

بیت سے نیک تر اور با فضیلت تر مجھے کہیں نظر نہیں آتے۔ اس وسیلے سے ان کے مقام کا اعتراف اور اقرار کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

پھر فرمایا ایھا الناس! میں سب کو بتا دینا چاہتا ہوں اصحاب کو بھی اور اپنی اہلبیت کو بھی کہ یہ قوم سوائے میرے کسی اور کے ساتھ کوئی مطلب نہیں رکھتی' یہ فقط مجھے اپنی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں' مجھ سے بیعت کے طلبگار ہیں' کیونکہ فقط میں ان کے راستے میں مزاحم ہوں اور مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اگر چہ مجھے قتل کر دیں گے تمہیں البتہ کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ دشمن کو تمہارے ساتھ کوئی مطلب نہیں' تم لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اپنی بیعت تم پر سے اٹھائے لیتا ہوں' پس تم دشمن کی وجہ سے جبری طور پر یہاں رہ رہے ہو اور نہ ہی دوستی کی وجہ سے' مطلقاً آزاد ہو' جو جانا چاہے' جا سکتا ہے۔

اصحاب کی طرف رخ کیا اور فرمایا: تم میں سے ہر ایک میرے خاندان کے ایک فرد کو ساتھ لے جائے کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے پاس چھوٹے بچے تھے' بزرگ تھے' وہ اس علاقے سے آشنا نہیں تھے' راستوں سے واقف نہ تھے' چاہتے کہ سب مل کر نہ جائیں بلکہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑیں اور یہاں سے نکل جائیں۔

یہ وہ منظر ہے جہاں امام حسینؑ کے اصحاب کا مقام روشن ہوا' نہ دشمن کی طرف سے جبری طور پر رکاوٹ اور نہ ہی امام حسینؑ کی بیعت تھی' امام حسینؑ نے سب کو آزاد کر دیا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں ایک ایک اصحاب و اہلبیت نے امام حسینؑ کے جواب میں پر شکوہ کلمات صادر ہوئے۔

۱۸۲۔ دو مرتبہ امامؑ کے دل کو سکون ملا

امام حسین علیہ السلام کو شب عاشور اور روز عاشور دو خوشیاں ملیں جس نے آپؑ کے قلب مقدس کو شاد کر دیا۔ بڑی دلی خوشی اہلبیت سے ملی کہ قدم قدم پر آپؑ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ طفل شیر خوار سے لے کر اسی سالہ بزرگ تک۔ دوسری دلی خوشی اپنے اصحاب باوفا سے ملی۔ آپؑ نے دیکھا کہ کسی میں بھی کہیں پر بھی نقطہ ضعف موجود نہیں۔ کل جب عاشورا ہوگی تو ایک بھی فرار نہیں کرے گا۔ ان میں سے ایک بھی دشمن سے نہیں ملا۔ لیکن دشمن کے افراد آپؑ کے قافلے میں آتے رہے' شب عاشور بھی لوگ آپؑ کے ساتھ

شامل ہوتے رہے اور روز عاشور بھی دشمن کو اپنا مجذوب بنائے رکھا' (حر بن یزید ریاحی ان میں سے ایک ہیں) تیس افراد شب عاشور آئے اور شامل ہوئے' یہ امام حسینؑ کی خوشی کا باعث بنے۔

ایک ایک کر کے سب امام حسینؑ کو جواب دینے لگے' آقا! ہمیں رخصت دے رہے ہیں؟ ہم چلے جائیں اور آپؑ کو تنہا چھوڑ دیں؟ خدا کی قسم! ایک جان تو آپؑ کے قابل ہی نہیں' ایک جان آپؑ کے راستے میں فدا کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

ایک نے کہا: میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے' میرے جنازے کو آگ لگا دی جائے اور پھر خاک کو ہوا میں اڑا دیا جائے اور پھر دوبارہ زندہ کیا جائے تو پھر بھی آپؑ کے راستے میں ہی جان قربان کردوں گا' یہاں تک کہ ایسا ستر مرتبہ ہی کیوں نہ ہو ایک مرتبہ تو کچھ بھی نہیں۔

ایک اور نے یوں کہا: میں دوست رکھتا تھا کہ مجھے ہزار مرتبہ یکے بعد دیگرے قتل کر دیا جائے میں اگر ہزار جانیں رکھتا تو وہ بھی آپؑ پر قربان کر دیتا۔

سب سے پہلے یہ بات کہنے والا آپؑ کا بھائی ابوالفضل العباس ہے' اس کے بعد دوسروں نے یہ کہا۔

بَدَاَ تهُمْ بِذٰلِکَ اَخُوهُ الْعَبَّاسُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طالب علیه السلام یعنی سب سے پہلے اس کا اظہار آپؑ کے بھائی ابوالفضل العباسؑ نے کیا۔ اس کے بعد دوسروں نے اسی طرح کے جملات کہے۔ یہ آخری آزمائش تھی جو ہونا چاہیے تھی اور آزمائش کی گئی۔ جب سب نے اپنے صد در صد مصمم ارادے کا اعلان کر دیا۔ اس وقت امام حسینؑ نے کل پیش آنے والے حقائق سے پردہ اٹھا دیا اور فرمایا پس میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم سب کل شہید کر دیے جاؤ گے۔

سب نے کہا: الحمد لله رب العالمین خدا کا شکر کہ ہم کل فرزند پیغمبرؐ کی راہ میں شہید ہوں گے' خدایا تیرا شکر ہے۔

یہاں ایک اور حساب ہے' اگر منطق' شہید کی منطق نہ ہوتی اور یہ منطق ہوتی کہ حسینؑ بن علیؑ تو ہر حال میں قتل ہو جائیں گے' ان لوگوں کے رکنے کی کیا تاثیر ہوگی' سوائے اس کے کہ یہ بھی قتل ہو جائیں گے' پس یہ پھر کیوں رک گئے؟

امام حسینؑ نے انہیں رکنے کی اجازت کیوں دی؟ انہیں جانے کیوں نہ دیا؟ یہ کیوں کہہ دیا ان کو

تمھارے سے کوئی غرض نہیں' تمہارا یہاں ٹھہرنا مجھے معمولی سا فائدہ بھی نہیں دے سکتا' فقط یہی اثر ہوگا کہ تم بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اس لیے سب چلے جائیں' جانا واجب ہے اور یہاں رکنا حرام ہے' اگر ہمارے جیسا فرد امام حسین علیہ السلام کی مسند پر بیٹھا ہوتا تو یہ کہہ دیتا کہ شرعی طور پر اس کے بعد یہاں رکے رہے تو تمہارا یہ سفر سفر معصیت ہے اور تمہاری نماز تمام ہے لہٰذا نماز پوری پڑھیں قصر نہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں ایسا نہیں کیا؟ بلکہ برعکس ان کی شہادت کے لیے آمادگی کے اعلان کی تعظیم وتکریم کی۔

۱۸۳۔ امام حسین علیہ السلام کی شب معراج

جس نے بھی کہا کہ یہ شب (شب عاشور) معراج امام حسینؑ ہے اس نے صحیح کہا ہے۔ یہی وہ شب ہے جس میں آپؑ نے مشہور خطبہ ارشاد فرمایا' اسی شب آپؑ نے سب کو واپس جانے کی اجازت دی۔ اے میرے اصحاب! اے میری اہلبیت! میرے اصحاب سے بہتر اصحاب اور میرے اہلبیت سے بہتر اہلبیت کسی کو نہ مل سکے۔ میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں' آپ سب کا انتہائی ممنون ہوں لیکن یہ جان لیں کہ میرے علاوہ انہیں (دشمن) کسی سے غرض نہیں' یہ فقط میری جان کے دشمن ہیں' اگر مجھ سے بیعت کر چکے ہو تو میں اسے اٹھا لیتا ہوں' آپ سب آزاد ہو' جو جانا چاہے' اسے اجازت ہے جا سکتا ہے۔ جو بھی جانا چاہے میری اہلبیت میں سے کسی ایک کو ہمراہ لیتا جائے۔ لیکن حسینؑ کے اصحاب کی آزمائش ہو چکی تھی۔

۱۸۴۔ اصحاب حسین علیہ السلام کی وفاداری

تاریخ میں ہے کہ تمام اصحاب نے یک آواز ہو کر کہا:

یہ آپؑ ہم سے کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم آپؑ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں؟ ہماری زندگی ایک سے زیادہ نہیں ہے کہ فدا کریں' اے کاش! خدا ہزار زندگیاں پے در پے دیتا' قتل ہوتے اور دوبارہ زندہ ہوتے' تو ہزار زندگی آپؑ کی راہ میں قربان کر دیتے' ایک جان تو اس لائق ہی نہیں۔

جان ناقابل من قابل قربان تو نیست

ترجمہ: میری یہ ناقابل جان آپؑ پر قربان ہونے کے قابل نہیں ہے۔

۱۸۵۔ یاران امام حسینؑ کا شکر

جب سب اصحاب نے اپنی وفاداری کا اعلان کر دیا تو امام حسینؑ نے اپنا موضوع بدل لیا اور حقائق سے پردہ اٹھا دیا' فرمایا: اب میں حقیقت بیان کیے دیتا ہوں' جان لیں کہ کل ہم شہید کر دیے جائیں گے ہم میں سے جو یہاں موجود ہیں ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا' سب نے کہا: خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ایسی نعمت اور عظمت ہمیں نصیب فرمائی۔

۱۸۶۔ اصحاب کی تعریف

امام حسین علیہ السلام نے شب عاشورا اپنے اصحاب کی تعریف کی' یہ نہیں کہا کہ کل بیگناہ اور بیچارے چند افراد قتل ہو جائیں گے' کل تمہاری عمر ختم ہو جائے گی' بلکہ ان کی ستائش کی۔

فَاِنِّي لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً خَيْراً وَلَا اَوْفٰى مِنْ اَصْحَابِي

میرے اصحاب سے بہتر اصحاب کسی کو نہیں ملے۔ یعنی اصحاب بدر پر بھی آپ کو ترجیح حاصل ہے یا قرآن میں جن اصحاب کا ذکر ہے ان پر بھی آپ کو ترجیح دیتا ہوں۔

وَ كَاَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَ هَنُوا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا اوَ مَا اسْتَكَانُوا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۔ میں ترجیح دیتا ہوں یعنی اعتراف کرتا ہوں کہ پ لوگ ہیرو ہیں۔ بات کا آغاز اس طرح سے کیا: مرحبا' مرحبا آپ سب ہیرو ہیں۔ اس بنا پر اب ہم سمجھ جائیں کہ اس داستان کے دو صفحے ہیں ہم دوسرے صفحے کا مطالعہ بھی کرنا چاہتے ہیں' ہم سابقاً غلطی کے مرتکب ہو چکے ہیں کہ ہم نے اس داستان کے ایک حصے کا مطالعہ کیا ہے اور غالباً داستان کا سرا حصہ "مسکوت عنہ" خاموش رہنے دیا یعنی ہم نے ان لوگوں کو نمائش کے لیے پیش کرتے ہے ہیں جو پسر معاویہ' پسر زیاد' پسر سعد ہیں۔ انہوں نے ظلم و جور کا جو کردار ادا کیا ہم نے اسے ہی لعے کے قابل سمجھا!

۱۸۔ یاران امام حسینؑ کی متفاوت

اس حادثہ کربلا کا ایک اور بڑا امتیاز یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اس گروہ میں ایمان اس قدر

مضبوط کر دیا کہ ہر قسم کے شدائد اور مصائب میں مقاومت کے لیے آمادہ و تیار نظر آئے۔

تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ ایک شخص بھی دشمن کے لشکر سے جا ملا ہو البتہ تاریخ بتاتی ہے کہ دشمن کے لشکر کئی افراد واقعات عاشورا کے دوران ان سے آ کر ملے۔ یعنی اصحاب امام حسینؑ میں سے کسی نے کمزوری نہیں دکھائی سوائے ایک شخص یا دو کے جس کا نام ضحاک بن عبداللہ مشرقی کہ جو شروع میں اما حسین علیہ السلام سے کہہ چکا تھا کہ میں آپؑ کے ساتھ ہوں لیکن جب تک احتمال رہا کہ میرا وجود آپؑ کے لیے مفید ہے آپؑ کے ساتھ رہوں گا۔ لیکن جب محسوس کرلوں گا کہ میرا رہنا آپؑ کو ذرا سا فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو آپؑ کو چھوڑ دوں گا' اس شرط کی بنا پر وہ وہاں حاضر تھا' امامؑ نے قبول کرلیا روز عاشورا موجود تھا آخری لحظہ امامؑ کے قریب آیا اور کہا کہ میں نے جو شرط بیان کی تھی اس کی بنا پر اب میں جا ہوں کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا وجود آپؑ کے لیے فائدہ مند نہیں۔ فرمایا: جانا چاہتے تو چلے جاؤ۔

اس کا گھوڑا بڑا تیز اور تربیت شدہ تھا' سوار ہوا اور چند کوڑے مارے تاکہ گھوڑے کو زیادہ تیز بھا کے لیے آمادہ کر دے' اطراف سے محاصرہ تھا' اس نے ایک نقطہ پر نظر رکھی' ایک مرتبہ دشمن کے قلب طرف بھاگا لیکن حملہ کرنے کی غرض سے نہیں اس لیے کہ لشکر کو چیرتا ہوا گزر جائے تاکہ فرار ہو سکے' افراد نے تعاقب بھی کیا' گرفتار ہونے کے قریب تھا' اتفاق سے تعاقب کرنے والوں میں سے ایک اسے جانتا تھا اس نے کہا: اسے کچھ نہ کہو وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا بلکہ فرار ہو رہا ہے لہٰذا اسے رہا کر دیا اور چلا گیا۔

۱۸۸۔ روز عاشورا حسین علیہ السلام کی فضیلت

اگر روز عاشورا اصحاب امام حسین علیہ السلام میں سے حتیٰ کہ ایک بچہ بھی کمزوری یا ضعف کا نشانہ بنتا دشمن کے لشکر سے جا ملتا جو کہ قوی اور طاقتور تھا' اپنے آپ کو خطرے سے نجات دے لیتا اور دشمن کی میں چلا جاتا تو یہ امام حسین علیہ السلام اور مکتب حسینیؑ کے لیے ایک نقص تھا' بلکہ برعکس دشمن کے لشکر افراد آپؑ کی طرف آئے' دشمن جو امن اور امان میں تھا وہاں سے لوگ خطرے کی پروا نہ کرتے ہو آپؑ کے ساتھ شامل ہوئے' یعنی خود آئے لیکن خطرے کا احساس کرنے کے باوجود امن کو پسند نہیں

اگر حسین علیہ السلام نے آزمائش اور خطرہ سے آگاہ نہ کیا ہوتا تو یہ حادثہ عجیب منظر پیش کرتا' ایک مرتبہ آدھے لوگ ہوسکتا تھا العیاذ باللہ دشمن کے ساتھ جا ملتے اور امام حسین علیہ السلام کے خلاف تبلیغ کرتے۔ کیونکہ دشمن کی طرف جانے والا ہرگز یہ نہ کہتا کہ میں ضعیف الایمان ہوں۔ میں ڈرتا ہوں بلکہ اپنے لیے ایک توجیح سوچ لیتا' جھوٹ گھڑ لیتا اور یہ دعویٰ کرتا کہ اگر تشخیص دوں تو راہ حق تو یہی ہے' خدا بھی اسی پر راضی ہے یہی ہم کیسے ان کے ساتھ کام کرتے۔ ایسا نہیں ہوسکتا' ہم نے یہ تشخیص دیا ہے کہ حق ان (دشمن) کے پاس ہے' اپنے لیے یہ منطق درست کر لیتا۔ لیکن کربلا میں ایسا ایک بھی واقعہ رونما نہ ہوسکا۔

۱۸۹﴾ وفادار اصحاب

شب عاشور امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص بھی واپس نہیں گیا اور یہ ثابت کر دیا کہ ہمارے درمیان کمزوری اور ضعیف الایمان نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔

۱۹۰﴾ اصحاب امام حسین کی خوشی

شب عاشور امام کے اصحاب میں سے ایک ''بریر بن خضیر'' بہت زیادہ مذاق کرتا رہا۔ اس کے رفیق نے کہا کہ آج کی شب مذاق کی شب نہیں ہے۔

اس نے کہا کہ اے میرے دوستو آپ سب جانتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی مذاق نہیں کیا۔ لیکن آج کی شب شوخی اور مزاح کی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کل بعد از شہادت فوراً بہشت میں چلے جائیں گے۔

۱۹۱﴾ امامؑ کی ہمراہی میں شہادت پر شکر

ایک شخص جسے اتفاق سے محرم کے دنوں میں یہ خبر ملی کہ تمہارا بیٹا فلاں جنگ میں کفار نے اسیر کر لیا تھا' اچھا جوان تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا بنا۔ اس نے کہا میں زندہ رہوں اور میرے بیٹے کے ساتھ یہ پیش آئے یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا' امام حسینؑ تک یہ خبر پہنچی کہ آپؑ کے فلاں صحابی کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے' آپؑ نے اسے (صحابی کو) طلب کیا اس کا شکریہ ادا کیا کہ تم فلاں فلاں ہو۔ اس حیثیت کے مالک ہو تمہارا بیٹا گرفتار رہے۔ ایک فرد وہاں ضرور جائے کچھ رقم دشمن کو ادا کرے' تحفہ دے تاکہ وہ اسیر کو آزاد کر دیں' وہاں آپؑ کے پاس جو لباس اور دوسری چیزیں تھیں انہیں فروخت کرنے کے

بعد پیسے حاصل ہو سکتے تھے۔

فرمایا: یہ لے جاؤ اور انہیں فروخت کر کے پیسے دشمن کو ادا کر کے اپنے بچے کو آزاد کرواؤ۔

جب حضرت نے یہ جملہ فرمایا تو اس نے عرض کیا:

اَکَلَتْنِیَ السِّبَاعُ حَیّاً اِنْ فَارَقْتُکَ

بیابان کے درندے مجھے زندہ پھاڑ کھائیں کہ اگر میں ایسا کروں بیٹا اگر گرفتار ہے ہوتا رہے کیا مجھے آپؑ سے زیادہ اپنا بیٹا عزیز ہے؟

اس شب اتمام حجت کے بعد جب سب نے اجتماعی طور پر وفاداری کا اعلان کیا اور کہا ہم ہرگز آپؑ سے جدا نہ ہوں گے۔ ایک مرتبہ منظر بدل گیا' امام علیہ السلام فرمایا: اب اگر ایسا ہی ہے تو جان لیجئے کہ ہم قتل کر دیئے جائیں گے سب نے کہا: الحمد للہ' خدا کا شکر کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں ایسی توفیق عنایت کی' یہ ہمارے لیے خوشخبری اور شادمانی ہے۔

۱۹۲۔ موت منتخب کرنے کا اختیار

اصحاب امام حسینؑ کا صادقانہ عشق یہ کہ جنہوں نے مرگ کو ایثار اختیار کیا یہ ان کی روحی قوت کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ خصوصیت تمام شہداء کربلا میں تھی کہ آثَرُوا الْمَوْتَ یعنی اختیار ننگ و عار کی زندگی گزارنے پر موت کو ترجیح دی' نجات کا راستہ سب کے لیے کھلا تھا۔ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے چند مرد، عورتیں اور بچے ناگہانی طور پر گرفتار ہو کر بڑے ظالمانہ طریقے سے قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن دنیا میں حادثہ کربلا کے تمام ایسے واقعات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جان بچانے کا راستہ سب کے لیے کھلا تھا لیکن ذلت اور بے ایمانی کو قبول نہ کیا بلکہ ایمان' فداکاری' ایثار اور حق کی تعظیم کو ترجیح دی' انہوں نے اخلاقی جمال اور شہادت کی زیبائی' عبادت کا کمال درک کر لیا تھا۔ عباس بن علی علیہ السلام اور محمد بن بشر الحضرمی کو امان دینا بیعت کا سب سے اٹھا لینا۔ قاسم اور غلام سیاہ کا قصہ یہ سب اختیاری موت کے گواہ ہیں۔

۱۹۳۔ فرزندان مسلمؑ کی وفاداری

حضرت مسلمؑ کی ایک چھوٹی بیٹی تھی جب امامؑ ایک جگہ بیٹھے تو اسے بلایا فرمایا کہ اس بچی سے کہیں کہ

یہاں آئے۔ بچی کو لایا گیا' آپؑ نے اسے زانو پر بٹھایا اور پیار کرنا شروع کر دیا۔ یہ بچی ذہین تھی اس نے محسوس کیا یہ محبت کیوں کی جا رہی ہے' یہ عادت کے برخلاف ہے' پدرانہ شفقت ہے' لہٰذا اس نے عرض کیا یا امام حسینؑ! یا ابن رسول اللہؐ اگر میرا بابا فوت ہو جائے تب بھی ایسا؟

امام حسینؑ بڑے متاثر ہوئے فرمایا: اے میری دختر! میں تمہارے بابا کی جگہ ہوں اس کے بعد میں تمہارے باپ کی جگہ لے لوں گا۔

امام حسینؑ کے خاندان میں گریہ وزاری کی صدا بلند ہوئی' امام حسینؑ نے اولاد عقیل کی طرف دیکھا اور فرمایا: اولاد عقیل! تم لوگوں نے ایک مسلمؑ دیدیا ہے کافی ہے' بنی عقیل سے ایک مسلمؑ کافی ہے تم لوگ جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔

عرض کرنے لگے: یا امام حسینؑ! یا ابن رسول اللہؐ! ہم نے ابھی تک مسلمؑ کو شہید کی صورت میں نہیں دیا تھا۔ (مسلمؑ کی شہادت سے بے خبر تھے) جبکہ اب ہم مسلمؑ کے خون کے طلبگار ہیں آپؑ کو چھوڑ دیں ایسا نہیں ہو سکتا' ہم سب آپؑ کی خدمت میں رہیں گے تاکہ جو مسلمؑ کو نصیب ہوا ہمیں بھی نصیب ہو سکے۔

۱۹۴﴾ حقیقت یا جھوٹا دعویٰ

امام حسین علیہ السلام کی زیارت میں ہم یہ جملہ کہتے ہیں: يَا لَيْتَنَا كُنَّا مَعَكَ فَنَفُوزَ فَوْزاً عظیماً۔ جو ہمارے لیے ایک ورد بن گیا ہے' جبکہ اس کے معنی پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔

یا امام حسینؑ اے کاش! ہم آپؑ کے ساتھ ہوتے تو یہ عظیم کامیابی ہمیں بھی نصیب ہو جاتی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اے کاش! اگر ہم بھی کربلا میں آپؑ کی خدمت میں ہوتے تو شہادت نصیب ہو جاتی۔

کیا ہمارا یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے؟ کچھ افراد ہیں جو از روئے حقیقت یہ دعویٰ کرتے ہیں لیکن ہماری اکثریت زیارت نامہ پڑھتی ہے جو زبانی اعلان ہے۔

۱۹۵﴾ عابس بن ابی شبیب شاکری کی شجاعت

عابس بن ابی شبیب شاکری، امام حسینؑ کے صحابی تھے' بہت دلیر اور شجاع تھے کہ گویا حماسہ حسینی ان کی روح میں جلوہ گر تھا۔ میدان جنگ کے درمیان کھڑے ہو گئے اور مبارزہ طلب کیا کہ کوئی میرے مقابلے

کے لیے آئے' کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ آپ کا سامنا کرے' ناراحت ہوگئے اور غصے کی حالت میں واپس آ گئے' اپنا خود (سر پر پہننے والی لوہے کی ٹوپی) اتار دی' زرہ بھی اتار دی' چکمہ [بڑا بوٹ] بھی اتار دیا اور خالی ہاتھ میدان میں آ گئے اور کہا: کہ اب تو آؤ عابس سے جنگ کرو' پھر بھی کسی میں جرأت نہ ہوئی۔ لیکن ایک بزدلانہ حرکت کی کہ اس عظیم مرد کی طرف پتھر' ٹوٹے ہوئے نیزے اور تلواریں پھینکنا شروع کر دیں' اس طرح آپ شہید کر دیے گئے۔

امام حسین کے اصحاب نے روز عاشور بڑی جوانمردی اور مردانگی دکھائی' اور وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ مرد و خواتین دونوں حقیقت میں تاریخ بشریت کے لیے ایسی تاریخ رقم کر گئے جس کی نظیر نہیں ملتی' اگر یہ تاریخ فرنگیوں (کفار) کی ہوتی' اس وقت آپ دیکھتے کہ وہ کیا کچھ نہ کرتے۔

۱۹۶۔ زہیر بن قین کی نیک بختی

حسینؑ بن علیؑ دشمن کے مقابلے میں اس قدر سر بلند ہوتے ہیں کہ کوئی بھی قدرت ان کے چشم ابرو کو نیچے لانے کی طاقت نہیں رکھتی۔ ان کا سر نہیں جھکا سکتی' لیکن جب ایسے افراد سے روبرو ہوتے ہیں کہ جنہیں ارشاد و ہدایت کرنا ہو اور وہ بے اعتنائی کریں تو آپ اس سے صرف نظر اور چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔ زہیر بن قین مکہ سے اپنے قافلہ کے ہمراہ سفر کرتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام بھی آ رہے ہیں۔ زہیر بن قین کوشش کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کے روبرو نہ ہوں یعنی اگر وہ دیکھتے کہ امام حسینؑ نزدیک ہو رہے ہیں تو وہ قافلے کو دوسری طرف لے جاتے' اگر آپ ایک جگہ پڑاؤ ڈالتے ہیں' خاص طور پر ایک چشمہ پر اکٹھے ہو گئے تب انہوں نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ میرا سامنا حسینؑ سے ہو تاکہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ (یہ ان کی گفتگو کا خلاصہ ہے)

امام حسین علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ زہیر کے دور ہونے کا مطلب کیا ہے؟ لیکن امام حسینؑ نے یہاں تشخیص دیا کہ زہیر غفلت میں ہے' لیکن یہ آدمی بے غرض ہے (اپنے آپ سے کہتے ہیں) ہم سے بے اعتنائی کر رہا ہے تو کرتا رہے ہمارا وظیفہ ارشاد و ہدایت کرنا ہے۔

اتفاق سے ایک ایسی جگہ مجبوراً زہیر کے قافلے کو رکنا پڑا جہاں پر امام حسینؑ ٹھہرے ہوئے تھے کیونکہ

وہ چاہتا کہ کسی اور جگہ پڑاؤ کرلے تو قافلہ اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ البتہ امام حسینؑ کے خیمے دوسری ف تھے امام حسینؑ یہ جانتے تھے کہ زہیر سامنے آنا نہیں چاہتے' لیکن آپؑ چاہتے ہیں اسے تذکر دیں۔ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ آپؑ اسے بیدار کرنا چاہتے ہیں' خواب غفلت سے نجات دینا چاہتے ہیں' لیکن مجبور نہیں کرنا چاہتے' ایک شخص کو اس کی طرف بھیجا اور فرمایا جاؤ اور زہیر سے کہو: اَجِبْ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ. کہ امام حسین نے تمہیں یاد کیا ہے' زہیر اور اس کے ساتھی ایک خیمے میں اکھٹے بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے' ایک مرتبہ پردا اٹھا اور یہ شخص اندر داخل ہو گیا۔ (یا زہیر اَجِبْ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ حسینؑ بن علیؑ. نے تمہیں بلایا ہے۔

(زہیر نے خود سے کہا افسوس! وہی ہوا جس کا ڈر تھا' اس کے ساتھی بھی اس (قضیہ) سے آگاہ تھے' تاریخ نے لکھا۔ ہماری اصطلاح کے مطابق۔ لقمہ یونہی میں ہاتھوں رہ گیا۔ دوسری طرف زہیر بن قین یہ بھی جانتے تھے کہ امام حسینؑ کون ہیں؟ فرزند پیغمبرؐ ہیں' انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ عرب کی ایک ضرب المثل ' کہتے ہیں: كانه على راسه الطير (گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے ہوں) ان کے بارے میں تو کہا گیا گویا كانه على رؤسهم الطير یعنی سب ساکت ہو گئے' زہیر سوچتے رہ گئے کہ اب کیا کہے، سکوت (خیمہ پر طاری ہو گیا) زہیر بن قین کی اہلیہ ایک عارفہ تھی' وہ حالات و واقعات سے باخبر تھی' ۔ کے باہر اسے پتہ چل گیا کہ امام حسینؑ نے کسی کو زہیر بن قین کے پاس بھیجا ہے تا کہ اسے دعوت دیں در زہیر خاموش ہیں نہ اقرار کرتے ہیں اور نہ انکار یہ عارفہ اور مومنہ خاتون تھیں۔ غیرت سے جوش میں گئی' ایک مرتبہ خیمہ گاہ میں داخل ہو گئی اور بڑے عتاب آمیز لہجے میں زہیر سے کہا آپ کو شرم نہیں آتی؟ زند فاطمہ نے تمہیں بلایا ہے اور تم متردد ہو کہ کیا جواب دوں؟

فوراً کھڑے ہو جاؤ' زہیر فوراً کھڑے ہو گئے اور امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

تذکر یہ کام کرتا ہے۔ امام حسینؑ اور زہیر بن قین کے درمیان جو مذاکرات ہوئے اس کی مکمل اطلاع رے پاس نہیں کہ حضرتؑ نے زہیر سے کیا فرمایا لیکن جو قطعی طور پر مسلم ہے وہ یہ کہ جو زہیر خدمت امام ۔: میں پیش ہوا اور جب زہیر ملاقات کے بعد باہر آئے یہ دو افراد تھے' یعنی جو زہیر تھکا ہوا تو خستہ حال' . رغبت اور بے میل داخل ہوا تھا لیکن وہی زہیر ہشاش بشاش' خوش اور مسکراتے ہوئے' امام حسینؑ کی

خدمت سے رخصت ہوا۔

مورخین نے فقط یہی لکھا ہے' حضرتؑ نے جو چیزیں وہ فراموش کر چکا تھا یا غافل تھا اسے یاد دلائیں' غفلت سے بیدار کر دیا جب بشارت اور تذکر ہو' بیداری ہو' تب ایک افسردہ شخص کو یہ طاقت اور انرجی کا مجسمہ بنا دیتی ہے' لوگوں نے زہیر کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ یہ وہ زہیر نہیں جو داخل ہوا تھا' زہیر خیمہ گاہ میں واپس آ گئے' جیسے ہی پہنچے یہ فرمان دیا: خیمے اتارے جائیں اور وصیت کرنا شروع کر دی، اموال کے ساتھ یہ حساب کریں، اولاد کے ساتھ یہ ہو، بیٹیوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا، اپنی اہلیہ کے بارے میں وصیت کی کہ اسے اس کے والد تک پہنچا دینا۔ اس انداز سے بات کی کہ پتہ چل گیا کہ زہیر جانے والے ہیں' زہیر اس طرح خدا حافظ کہہ رہے ہیں جیسے اب واپس نہیں آئیں گے۔ زہیر کی اہلیہ سب سے زیادہ اس بات کو سمجھ رہی تھی' زہیر کے دامن کو پکڑ لیا اور گریہ وزاری کرنے لگی اور یہ کہا:

زہیر! آپ اعلیٰ مقامات تک پہنچ جاؤ گے' میں سمجھ گئی ہوں آپ فرزند فاطمہؑ کی ہمراہی میں شہید ہو جاؤ گے' امام حسینؑ روز قیامت آپ کی شفاعت کریں گے۔ زہیر نے کہا: ایسا کام نہ کرو' جس سے میرے اور آپ کے درمیان روز قیامت جدائی ہو جائے' میں روز قیامت آپ کا دامن پکڑ لوں گی' امید ہے روز قیامت مادر حسینؑ میری شفاعت بھی کریں گی۔

اس تذکر اور بیداری نے کام یہاں تک پہنچا دیا کہ زہیر کی امام حسین علیہ السلام سے ملاقات نے اسے صف اول کے اصحاب میں لا کھڑا کیا' روز عاشور امام حسینؑ نے میمنہ زہیر کے سپرد کر دیا' اس قدر اس مرد نجیب و شریف نے اہمیت اختیار کر لی کہ جب اصحاب اور اہل بیت میں سے کوئی مددگار نہ رہا' تب امامؑ میدان جنگ میں آ کھڑے ہوئے اور اپنے اصحاب کو صدا دی جس شخص کا نام ایک ردیف میں سب سے پہلے لیا وہ جناب زہیر تھے۔

یا اصحاب الصّفا و یا فرسان الهیجا یا مسلم بن عقیل یا هانی بن عروة و یا زهیر! قوموا عن نومتکم بنی الکرام وادفعوا عن حرم الرّسول الطّغاة اللّئام

خلاصہ یہ ہے فرمایا: اے زہیر! اے عزیزم تم کیوں سو گئے؟ اٹھو' حرم پیغمبرؐ کا دفاع کرو۔

۱۹۷۔ سچی توبہ

ایک تائب (توبہ کرنے والا) جس نے کربلا کے صحرا میں مقبول توبہ کی' وہ حر بن یزید ریاحی ہیں' حر ایک شجاع اور طاقتور فرد تھے' پہلی مرتبہ جب عبید اللہ زیاد چاہتا تھا کہ ایک ہزار سوار حسینؑ بن علیؑ کے مقابلے کے لیے بھیجے تو اس نے حر کا انتخاب کیا' اس نے (حر) اہل بیت پیغمبرؐ پر ظلم و ستم کیا تھا' میں نے یہ کہا ہے کہ جب انسان سے بڑی زیادتی (ظلم و جور) سرزد ہو جائے' تب انسان کا وجدان (ضمیر) اگر زندہ ہو تو وہ رد عمل ظاہر کرتا ہے' آیئے اب دیکھتے ہیں کہ ایک عالی روح ایک ادنیٰ روح کے مقابلے میں کیسا رد عمل اپناتی ہے۔

راوی کہتا ہے: میں نے حر بن یزید کو عمر سعد کے لشکر میں دیکھا جیسے بید کی مانند لرز رہا ہو' میں نے تعجب کیا اور اس کے قریب چلا گیا اور کہا: حر! میں تو تمہیں بڑا بہادر شخص سمجھتا ہوں' اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ کا شجاع ترین فرد کون ہے تو میں تمہیں فراموش نہیں کروں گا' تم کیوں ڈر رہے ہو؟ لرز رہے ہو۔

اس نے کہا: تم غلطی کر رہے ہو' میں جنگ سے نہیں ڈرتا۔

پھر کس چیز سے ڈر رہے ہو؟

میں خود کو بہشت اور جہنم کے درمیان دیکھ رہا ہوں' میں ایسے دوراہے پر کھڑا ہوں میں مخیّر (اختیار رکھتا ہوں) ہوں اس راہ پر چلوں یا اس راہ پر؟ لیکن بالآخر بہشت کے راستے کا انتخاب کیا' آہستہ آہستہ اپنے گھوڑے کو ایک طرف کر لیا' اس طرح کہ کوئی یہ نہ سمجھ پائے کہ اس کا کیا ارادہ ہے' جب اس جگہ پہنچ گیا کہ جہاں سے اسے روکنا ممکن نہیں تھا' ایک مرتبہ اپنے گھوڑے کو چابک ماری اور حسینؑ بن علی علیہ السلام کے خیمہ گاہ کی طرف آ گیا' اپنی سپر (ڈھال) کو الٹا کر دیا تاکہ یہ جنگ نہ کرنے کی علامت بن جائے کہ میں امان کے لیے آیا ہوں۔ خود کو امام حسینؑ کے سپرد کر دیا سلام کیا' پہلا جملہ یہ ہے هل ترى لي من توبة آیا اس گناہگار کی توبہ قبول ہو جائے گی؟

فرمایا: ہاں' قبول ہے' حسینؑ کرم کو دیکھیں؟ یہ نہیں کہا کہ یہ کیسی توبہ ہے؟ جبکہ ہمیں اس بدبختی سے دوچار کر دیا ہے اب توبہ کرنے آ گئے ہو؟ لیکن حسینؑ بن علیؑ نے یہ نہیں سوچا' آپ فقط لوگوں کی ہدایت

چاہتے ہیں' اگر تمام جوان قتل بھی ہو جاتے' بعد میں عمر سعد کا لشکر توبہ کر لیتا تو آپ کہہ دیتے کہ سب کی توبہ قبول ہے اس دلیل کی بنیاد پر کہ حادثہ کربلا کے بعد یزید بن معاویہ نے علی بن حسینؑ علیہ السلام سے کہا: آیا اگر میں توبہ کرلوں قبول ہو جائے گی؟

فرمایا: ہاں اگر واقعاً تم توبہ کرلو قبول ہو جائے گی' لیکن اس نے توبہ نہ کی' حر نے حسین علیہ السلام سے کہا: آقا مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے' تاکہ جان آپؑ پر فدا کرسکوں' فرمایا: تم تو ہمارے مہمان ہو' گھوڑے سے نیچے آؤ کچھ دیر یہاں رہو۔

عرض کیا: آقا! اگر اجازت دیدیں تو میں چلا جاؤں یہ بہتر ہوگا۔ یہ (حر) شرمندہ تھا' شرم محسوس کر رہا تھا' کیوں؟ اس لیے خود سے یہ کہہ رہا تھا کہ خدایا! میں وہی گناہگار ہوں جس نے پہلی مرتبہ اولیاء خدا کے دل کو لرزایا' تیرے پیغمبر کی اہلبیت کو مرعوب کیا' یہ کیوں کر حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوا؟ کیونکہ اس فکر میں تھا اگر میں یہاں بیٹھ جاؤں ایسا نہ ہو کہیں اولاد حسینؑ بن علیؑ میں سے کوئی مجھے دیکھ لے اور میں تو شرمندگی اور پشیمانی میں غرق نہ ہو جاؤں۔

۱۹۸۔ خواب غفلت سے حر کی بیداری

حر دلیری اور دلاوری میں معروف تھے اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ انہیں ایک ہزار سوار دیے گئے تاکہ حسین علیہ السلام کا راستہ روکے' نامور شجاع تھے عام انسان نہیں تھے' حسینؑ اس کے دل میں طلوع ہو گیا' جس طرح آگ پانی کو جوش میں لاتی ہے اور جس کے نتیجے میں برتن لرزنے لگتا ہے' جو آگ حسینؑ بن علیؑ نے روشن کردی تھی (وہ بھی ہماری طرح دنیا پرست تھا' دولت مقام' سلامتی اور عافیت کا خواہشمند تھا) وہ اسے جوش میں لے آئی اور مجبور کر دیا کہ حسین بن علی علیہ السلام کی طرف جائے' لیکن دوسری طرف مادی افکار جو ہر انسان میں موجود ہیں۔ اسے وسوسہ میں ڈال رہے تھے کہ اگر چلا جاؤں تو کچھ دیر بعد قتل کر دیا جاؤں گا' پھر اپنے بیوی بچوں کو نہیں دیکھ سکوں گا' تمام ثروت ملیامیٹ ہو جائے گی' شاید بعد میں دشمن تمام ثروت پر قبضہ کرلے' بچے یتیم اور بغیر سرپرست کے رہ جائیں گے' بیوی بغیر شوہر کے ہو جائے گی یہ سب امامؑ کی طرف بڑھنے سے روکتے رہے' یہ دونوں مخالف طاقتیں اپنا کام دکھا رہی تھیں' ایک

مرتبہ کیا دیکھا کہ حر لرزنے لگا' کسی نے اس سے پوچھا: کیوں کانپ رہے ہو؟ تم تو شجاع تھے' اس نے خیال کیا شاید میدان جنگ سے ڈر رہا ہے۔

کہنے لگا: نہیں تم نہیں جانتے میں واجدانی (ضمیر کے) عذاب میں مبتلا ہوں' میں خود کو بہشت و جہنم کے درمیان دیکھ رہا ہوں' سمجھ نہیں آ رہی کہ بہشت جو بعد میں ملے گی وہ لوں یا دنیا جو نقد ہے اسے قبول کرلوں کہ جس کی عاقبت جہنم ہے۔ کچھ دیر اسی کشمکش میں مبتلا رہا' بالآخر اس مرد شریف بہ تعبیر امام حسین علیہ السلام حر و آزاد نے اپنا مصمم ارادہ کیا۔

۱۹۹﴾ حر کی توبہ قبول ہوگئی

تاریخ میں ملتا ہے: یہ عربی ہے: "قَلَبَ تُرسَهُ" یعنی حر نے اپنی سپر علامت کے طور پر الٹ دی کہ میں جنگ کے لیے نہیں آ رہا بلکہ امان چاہتا ہوں' سب سے پہلے اسے جس کا سامنا کرنا پڑا وہ امام حسین علیہ السلام تھے آپؑ خیام کے باہر کھڑے ہوئے تھے' حر نے سلام کیا:

عرض کرنے لگا آقا! میں گناہگار ہوں' روسیاہ ہوں' میں وہی مجرم و گناہگار ہوں (سب سے پہلے) جس نے آپؑ کا راستہ روکا تھا' اپنے خدا سے عرض کرتا ہے۔ خدایا! اس گناہگار کے گناہ کو بخش دے' اللھم انی ارعبت قلوب اولیائک۔ خدایا! میں نے اولیاء اللہ کے قلوب کو لرزایا ہے' انہیں ڈرایا اور مرعوب کیا ہے (حسینؑ بن علی علیہ السلام کے اہل بیت نے جب حر کو راستے میں دیکھا تو یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے دشمن کو دیکھا۔ جب ایک ہزار مسلح افراد کو دیکھا کہ قافلے کو روکا ہوا ہے) آقا! میں توبہ کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں' یہ سیاہ داغ سوائے خون سے اور کسی چیز سے پاک نہیں ہوسکتا' اسی لیے آیا ہوں کہ آپؑ کی اجازت سے توبہ کروں۔ یہ بتائیں کہ میری توبہ قبول ہو جائے گی یا نہیں؟

امام حسین علیہ السلام اپنی ذات کے لیے کچھ بھی نہیں چاہتے' حر توبہ کرے یا نہ کرے' توبہ کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں' لیکن آپؑ حر کو اپنے لیے نہیں چاہتے' جواب دیا: ہاں تمہاری توبہ قبول ہے' کیوں قبول نہ ہو؟ کیا باب رحمت ایک توبہ کرنے والے کے لیے بند ہے؟ ہرگز ایسا نہیں حر خوش ہوگیا کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ الحمد للہ پس میری توبہ قبول ہے؟

-ہاں!

پس اجازت دیں کہ میں جاؤں اور یہ جان آپ پر فدا کردوں' یہ خون آپ کی راہ پر بہا سکوں۔

امامؑ نے فرمایا: اے حر! تم ہمارے مہمان ہو' نیچے آؤ' تھوڑی دیر آرام کرو' ہم تمہاری خدمت کرنا چاہتے ہیں (میں نہیں جانتا امام کس چیز سے خدمت کرنا چاہتے ہیں) لیکن حر نے امامؑ سے نیچے نہ آنے کی اجازت لی۔ آقا اصرار کرتے رہے' لیکن حر نیچے نہ آیا' بعض اہل رمز نے اس مطلب کو اس طرح کشف کیا کہ حر چاہتا تھا کہ امامؑ کی خدمت میں کچھ دیر بیٹھے' لیکن اسے ایک بات کا خطرہ تھا کہ اگر وہ امامؑ کی خدمت میں رہے گا' اسی دوران اگر امام حسین علیہ السلام کے اطفال میں سے کوئی اسے دیکھ لے اور یہ کہہ دے' یہ وہی شخص ہے جس نے روز اول راستہ بند کر دیا تھا' اس شرمندگی سے بچنے کے لیے وہ اس دامن پر لگے سیاہ داغ کو اپنے خون سے صاف کرنا چاہتا تھا' اس لیے اصرار کرتا رہا کہ مجھے اجازت دیں امامؑ نے فرمایا: اس قدر اصرار کر رہے ہو تو میں مانع نہیں بنتا' جاؤ۔

۲۰۰۔ حسینؑ کی مہربانی

یہ مرد رشید (حر) لوگوں کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ان سے گفتگو شروع کر دی' کیونکہ خود اہل کوفہ کا رہنے والا ہے۔ اس لیے کوفہ کے لوگوں کو دعوت کا موضوع یاد دلایا' کہتا ہے اے لوگو! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہوں نے خط لکھے تھے' لیکن تم سب اور تمہارے سردار وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس مرد (امامؑ) کو خطوط لکھے' اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی' اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا' کس اصول کی بنیاد پر' کس قانون کی وجہ سے' کس مذہب اور دین کی بناء پر اب اپنے مہمان سے ایسا سلوک کر رہے ہو؟

بعد میں معلوم ہوا کہ اس حادثے (اہل کوفہ کی بیوفائی) نے حر کو ناراحت کیا ہوا تھا؟ یہ ایک پست اور ذلت آمیز رویہ تھا جو ان لوگوں نے اپنایا' ایسا پست رویہ کہ جو روح انسانیت کے خلاف اور اسلام کی ضد ہے' تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام نے اپنے دشمن کے ساتھ کہیں بھی ایسا رویہ رکھنے کی اجازت نہیں دی' یعنی دشمن کو ہر چیز سے محروم (اقتصادی بائیکاٹ) کر دیں' اس پر پانی بند کر دیا جائے' علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو یہی مشورہ دیا گیا تھا اور علیؑ معاویہ کے خلاف یہ کام کر سکتے تھے' لیکن ایسا نہیں

کیا حسین بن علیؑ نے اسی حر کو اس کے ساتھیوں کے ہمراہ جبکہ یہ سب دشمن تھے سیراب کیا تھا۔

لازمی طور پر حر یہ جانتا تھا کہ ہم نے اس پر پانی بند کیا ہے جس نے اس روز ہمیں سیراب کیا تھا جب ہم پیاسے تھے' پانی کی درخواست کیے بغیر ہمیں سیراب کر دیا تھا' وہ کتنے شریف' اعلیٰ اور بزرگ منش لوگ تھے اور ہم کس قدر پست۔ کہا: اے کوفہ کے رہنے والو! تمہیں شرم نہیں آتی؟ یہ ٹھاٹھیں مارتا دریائے فرات ہے یہ پانی ہر جاندار حلال ہے' انسان' حیوان' وحشی اور جنگلی سب یہاں سے پانی پیتے ہیں اور اسے تم نے فرزند پیغمبرؐ پر بند کر دیا۔

یہ مرد جنگ کرتا رہا اور بالآخر شہید ہو جاتا ہے۔

امام حسینؑ نے اسے بغیر جزا کے نہیں چھوڑا' فوراً اس عظیم شخص کی لاش پر پہنچے اور اس کے لیے یہ شعر کہا: و نعم الحرّ حرّ بنی ریاح یہ حر ریاحی' کیسا حر ہے اس کی ماں نے اس کے لیے کتنے اچھے نام کا انتخاب کیا ہے' پہلے دن ہی حر کہہ دیا' آزاد مرد' سچ ہے کہ تم آزاد مرد تھے۔

یہ حسینؑ ہیں' بزرگوار اور شریف النفس' کس حد تک اپنے اصحاب کے احترام کے قائل ہیں' یہ خود امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے' جن کے سرہانے پر حسینؑ بن علیؑ پہنچے ہر ایک کی حالت مختلف تھی' جب امامؑ آتے ایک زندہ ہوتا اور آقا سے ملاقات کرتا اور کوئی جان دے رہا ہوتا تھا۔

۲۰۱ برادری و برابری

اب ہم اسلامی مساوات کی بات کرتے ہیں' اسلامی برادری اور برابری جن کی لاش پر امام حسینؑ پہنچے وہ کم لوگ تھے' ان میں سے دو افراد ایسے تھے جو ظاہراً غلام (بردہ تھے) تھے لیکن آزاد کر دیئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام جون ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے مولیٰ (مالک) ابوذر غفاریؓ تھے' یعنی ابوذر غفاریؓ کے آزاد شدہ تھے۔ ان کا رنگ سیاہ تھا' ظاہراً آزاد ہونے کے بعد اہل بیت کے گھرانے سے دور نہیں رہے یعنی اس گھر کی بطور نوکر خدمت کرتے رہے' روز عاشورا یہی سیاہ جون امام حسینؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی مجھے جنگ کی اجازت دیجیے۔

حضرتؑ نے فرمایا: نہیں تمہارے لیے ابھی وقت ہے کہ جاؤ اور دنیا میں خوش رہو' تم نے ہمارے خاندان

کی بہت خدمت کی ہے۔ ہم تجھ سے راضی ہیں وہ پھر التماس کرنے اور خواہش کا اظہار کرنے لگا' حضرت نے منع کر دیا' اس کے بعد جون امام حسینؑ کے قدموں میں گر گیا اور آقا کے قدموں کے بوسے لینے شروع کر دیئے کہ آقا مجھے اس سعادت سے محروم نہ کریں' اس کے بعد ایک ایسا جملہ کہا کہ پھر امام حسینؑ نے اُسے جانے کی اجازت دیدی' آقا! میں سمجھ گیا کہ مجھے کیوں اجازت نہیں دے رہے' میں کہاں اور یہ سعادت کہاں؟ میں اس سیاہ رنگ' کثیف خون اور متعفن بدن کے ساتھ اس مقام کے لائق نہیں ہوں۔

فرمایا: ایسا کوئی مسئلہ نہیں' یہ وجہ نہیں ہے' جاؤ۔

جون میدان جنگ میں پہنچا اور رجز پڑھا' شہید ہو گیا۔ امام حسین شہادت سے پہلے اس کی لاش پر پہنچے اور وہاں دعا کی' کہا: خدایا! اس دنیا میں اس کے چہرے کو سفید کر دے اور اس کی بو کو خوشبو میں بدل دے' خدایا! اسے ابرار کے ساتھ محشور کر (ابرار' متقین سے برتر ہیں) انّ کتاب الابرار لفی علّیین. خدایا اس جہان میں اس کے اور محمدؐ و آل محمدؐ کے درمیان کامل شناسائی برقرار فرما۔

۲۰۲﴾ مولاؑ نے غلام کے رخسار پر اپنا رخسار رکھ دیا

دوسرا (غلام) رومی ہے (ترک بھی کہا گیا ہے) جب یہ گھوڑے سے گرا، تو امام حسینؑ اس کے لاشہ پر پہنچے یہ منظر فوق العادہ عجیب ہے' یہ غلام بے ہوش ہے یا اس کی آنکھوں میں خون ہے' امام حسینؑ نے اس کے سر کو اپنے زانو پر رکھا' پھر اپنے ہاتھوں سے اس کی چہرے سے خون صاف کیا' اسی دوران اسے ہوش آ گیا' اس نے امام حسینؑ پر ایک نگاہ ڈالی اور چہرے پر تبسم آیا' امام حسینؑ نے اپنی چہرے کو اس چہرے پر رکھ دیا اور یہ فقط اسی غلام کے ساتھ ہی ہوا' علی اکبرؑ کسی اور کے بارے تاریخ نے ایسی کسی چیز کا ذکر نہیں کیا۔ و وضع خدہ علی خدہ. یعنی اپنے رخسار کو اس کے رخسار پر رکھ دیا' غلام اتنا خوش ہوا اور چہرہ پر تبسم ہو گیا' فتبسم ثم صار الی ربہ (رضی اللہ علیہ)

اس کا سر امام حسینؑ کے دامن میں تھا کہ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

این جان عاریت کہ بہ حافظ سپردہ دوست
روزی رخش بینم و تسلیم وی کنم

۲۰۳۔ کمال ایمان

امام حسینؑ کے تمام اصحاب بنی ہاشم اور امام کی شہادت سے پہلے خود شہید ہو گئے اور یہ اپنے قائد پر کمال ایمان کی دلیل ہے۔

۲۰۴۔ ایمان وحریت کی جنگ

امام حسینؑ کے اصحاب نے اجرت اور لالچ کی خاطر جنگ نہیں کی اور نہ ہی ڈر اور وحشت کی وجہ سے بلکہ ایمان وعقیدہ اور حریت کی خاطر جنگ کی۔

۲۰۵۔ مکتب عشق

یہ عجائب میں سے ایک ہے کہ کسی موقع پر بھی اپنی جان بچانے کی غرض سے کسی نے عذر یا توجیح نہیں کی عقاد (ص۔۱۸۷) لکھتا ہے: و لم یخطر لاحد منهم ان یزین له العدول عن رأیه ایثاراً لنجاتهم و نجاته، و لو خادعوا انفسم قلیلاً لزینوا له التسلیم و سموه نصیحه مخلصین یریدون له الحیاة. جس طرح ابن عباسؓ اور دوسروں نے کیا: و لکنم و لم یخادعوا انفسم و لم یخادعوه وراء اصدق النصیحه له ان یجنبوه التسلیم و لا یجنبوه الموت، و هم جمیعاً علی ذلک.

اس کے باوجود کہ اپنے اہل وعیال اور اطفال کو دیکھ رہے تھے اور ان کے مستقل سے بھی باخبر تھے یہی چیز عجائبات میں سے ہے اور یہی دلیل ہے کہ مکتب حسینؑ مکتب عشق تھا۔ مناخ رکاب و منازل عشاق

شود آسان به عشق کاری چند

که بود نزد عقل بس دشوار

ترجمہ: جو کام عقل کے نزدیک مشکل ہوتے ہیں لیکن عشق اسے انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۲۰۶۔ امام حسینؑ کی دعا

امام حسین نے روز عاشور چند اصحاب کے لیے یہ دعا کی:

۱۔ ابوثمامہ صائدی

۲۔ علی اکبر علیہ السلام

۳۔ سب کے لیے شب عاشور یہ دعا کی' جب یک زبان ہو کر سب نے کہا کہ ہم ہرگز آپؑ سے جدا نہیں ہوں گے آپؑ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ فرمایا: جزاکم اللہ خیراً

۲۰۷۔ حضرت سید الشہداء اس لیے خوش تھے

کربلا میں چند چیزیں عجیب تھیں' ان میں سے ایک امام حسینؑ پر مصائب اور مشکلات کا زیادہ ہونا تھا' اس سے بالاتر بعض ناروا باتیں بے ادبی اور بد اخلاقی وحشی گری تھی جو کوفیوں میں نظر آئی' لیکن دو چیزیں ایسی تھیں جو امام حسینؑ کے لیے سکون اور خوشی کا باعث تھیں' یہ دو امامؑ کے اصحاب اور اہلبیت تھے' وفاداری اور جانثاری اور خدمت ایک دوسری تعبیر کے مطابق باوفا اور ہمقدم رہنا۔ ہماہنگی نے حضرتؑ کو شاد کیے رکھا۔ (عقیدہ ایمان و مسلکی شخص کے لیے لوگوں کی ہماہنگی اور ہمقدم ہونے سے بہتر کوئی خوشی نہیں ہوتی) اس لیے آپؑ نے کئی ایک مواقع پر تکرار اُدعا کی اور یہ شہادت بھی دی:

انی لا اعلم اصحاباً ابر و لا اھل بیت اوصل و لا اوفی من اصحابی

یہ امام حسین کے کمال اعتماد اور دل کی خوشی کی حکایت ہے۔

۲۰۸۔ اصحاب حسینؑ کی فضیلت

اصحاب حسین علیہ السلام اصحاب بدر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب صفین حضرت علی علیہ السلام پر ترجیح رکھتے تھے۔ جس طرح عمر سعد کے اصحاب جنگ بدر میں اصحاب ابوسفیان اور جنگ صفین میں اصحاب معاویہ پر شقاوت اور ظلم میں ترجیح رکھتے تھے' کیوں کہ انہوں نے جنگ بدر میں ابوسفیان کی ہمراہی میں عقیدہ اور عادت کے مطابق جنگ نہیں کی۔ اسی طرح معاویہ کی ہمراہی میں جنگ صفین میں قتل عثمان کی مانند اشتباہ نہیں کیا تھا انہوں نے اس حالت میں کربلا میں ظلم کیا کہ جب ان کا ضمیر ان کے خلاف تھا۔

قلوبھم معک و سیوفھم علیک

دل تمہارے ساتھ لیکن تلواریں تمہارے خلاف ہیں۔ یہ گریہ کرتے ہوئے قتل کا فرمان جاری کرتے تھے اشک جاری رہتے اور دختران حسینؑ بن علیؑ کے گوشوارہ چھینتے رہے، لرزتے تھے لیکن حسین کا سر حاصل کرنے کا نعرہ بھی بلند کرتے تھے۔

۲۰۹﴾ اصحاب اہل بیت پر فدا ہو گئے

جب تک اصحاب زندہ رہے انہوں نے پیغمبرؐ کے خاندان اور امامؑ کے بھائیوں اور بیٹوں میں سے کسی کو بھی میدان جنگ میں جانے نہیں دیا۔ کہتے تھے آقا! یہ ہمارا وظیفہ ہے ہمیں اجازت دیں جب ہم قتل ہو جائیں، بعد میں خود آپ جانتے ہیں۔

پیغمبرؐ کی اہلبیت منتظر تھی کہ ہماری نوبت کب پہنچے گی جب امام حسینؑ کے اصحاب میں سے آخری فرد بھی شہید ہو گیا۔ تب پیغمبرؐ کے خاندان میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا، سب تیار ہونے لگے، تاریخ میں ملتا ہے:

فجعل یودع بعضھم بعضاً. ایک دوسرے کو الوداع کرنا شروع کیا، خدا حافظ کہنے لگے ایک دوسرے کے بغلگیر ہونے لگے، ایک دوسرے کے از راہ عقیدت بوسے لینے لگے۔

۲۱۰﴾ انی لا اعلم اصحاباً خیراً

امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور فرمایا: کہ میرے اصحاب سے بہتر اور باوفا تر اصحاب کسی کو نہیں ملے ایک بہت بڑے شیعہ عالم دین نے یہ کہا: کہ مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ جملہ امام حسین علیہ السلام نے کہا ہو میں خود یہ سوچتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے کوئی بڑا کام نہیں کیا، دشمن نے بڑا ظلم کیا (شقی القلب دشمن سے اس کی توقع تھی) امام ریحانہ پیغمبرؐ ہیں، امام زمان ہیں، فرزند علیؑ ہیں، فرزند زہراؑ ہیں، ایک عام شخص بھی اگر امام حسینؑ کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو ضرور مدد کرتا، جنہوں نے مدد کی۔

تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، جنہوں نے آپ کی مدد نہیں کی وہ بہت برے نکلے۔

یہ عالم کہتا ہے، گویا خدا چاہتا تھا کہ یہ شخص اس غفلت و جہالت اور اشتباہ سے نکل آئے، ایک شب عالم رؤیا (خواب) میں کربلا کا منظر دیکھا کہ میں امام حسینؑ کی خدمت میں آیا ہوں تا کہ اپنی آمادگی کا اعلان

کروں، سلام کیا اور عرض کی: میں آپؑ کی مدد کے لیے آیا ہوں تا کہ آپؑ کے اصحاب میں سے ہو جاؤں۔

فرمایا کہ جب موقع آئے گا تو تمہیں حکم دوں گا، نماز کا وقت ہو گیا (ہم نے مقتل میں پڑھا تھا کہ سعید بن عبداللہ حنفی اور دوسرے افراد امامؑ کے لیے سپر بن گئے تھے تا کہ امامؑ نماز پڑھ سکیں) امامؑ فرمایا: ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں تم یہاں کھڑے ہو جاؤ تا کہ دشمن کی طرف سے آنے والے تیر کو روک سکو۔

میں نے کہا جیسے آپؑ کا حکم ہے ویسے ہی ہوگا، میں حضرتؑ کے آگے کھڑا ہو گیا اور حضرتؑ نماز پڑھنے لگے، ناگہاں میں نے دیکھا کہ ایک تیر بڑی تیزی سے حضرتؑ کی طرف آ رہا ہے۔ جیسے ہی میرے نزدیک آیا میں بے اختیار نیچے جھک گیا اور تیر امام حسینؑ کے جس میں اطہر میں پیوست ہو گیا، عالم رویا میں کہا: استغفر الله ربی و اتوب الیه۔ یہ تو بہت برا ہوا اب ایسا نہیں ہونے دوں گا، دوسری مرتبہ تیر پھر آیا جیسے نزدیک آیا میں پھر خم کھا گیا اور تیر پھر حضرتؑ کے بدن مقدس میں جا لگا۔ تیسری اور پھر چوتھی مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا ناگہاں میں نے کیا دیکھا کہ امام حسینؑ مسکرائے اور فرمایا: ما رأیت اصحاباً ابرّ و اوفی من اصحابی. اپنے اصحاب سے بہتر اور باوفا تر اصحاب میرے علاوہ کسی کو نہ مل سکے۔

اپنے گھر میں بیٹھ کر بار بار یہ کہنا: یا لیتنا کنا معک فنفوز فوزاً عظیماً. اے کاش! ہم بھی وہاں ہوتے، اے کاش، ہم بھی یہ عظیم مرتبہ حاصل کر لیتے۔ جب تک میدان عمل میں نہیں آ ؤ گے کیسے پتا چلے گا کہ تم عمل میں بھی ایسے ہو یا نہیں؟ میرے اصحاب میزان عمل اور کردار کے غازی تھے نہ کہ فقط گفتار کے۔

فضائل و مصائب خاندان ابی عبداللہ الحسینؑ

حصہ اول

حضرت علی اکبرؑ کے فضائل و مصائب

۲۱۱ موت کے کاروان کا سفر

تاریخ نے اسے نقل کیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام عازم کربلا تھے تو دوران سفر سواری کی حالت میں سر زین پر رکھ دیا اور نیند آ گئی، ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ سر کو بلند کیا اور فرمایا: "انا للّٰه وانا الیه راجعون" جیسے ہی یہ جملہ کہا' اصطلاحاً "کلمہ استرجاع" زبان پر لائے' سب ایک دوسرے سے کہنے لگے یہ جملہ کیوں کہا؟ کیا کوئی نئی خبر ملی ہے؟ آپؑ کے عزیز فرزند جسے امام حسین علیہ اسلام بہت دوست رکھتے تھے نے یہ اظہار کیا اور ایسی خصوصیت جو فرزند کو اپنے والد کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ بنا دیتی ہیں، جو خصوصیت اکثر محبوبیت کا باعث بنی' وہ علی اکبرؑ کی پیغمبرؐ کے ساتھ کامل شباہت تھی (وہ انسان کتنا ناراحت اور غمگین ہوگا جس کا ایسا فرزند خطرے میں گھر چکا ہو) یعنی علی اکبرؑ آگے بڑھے اور عرض کیا: یا ابتاہ الم استرجعت؟ آپؑ نے انا للّٰه وانا الیه راجعون کیوں پڑھا؟ فرمایا: عالم خواب میں صدائے ھاتف سنی جو یہ کہہ رہا تھا' القوم یسیرون والموت تسیر بھم یہ قافلہ جو حرکت کر رہا ہے دراصل موت اس قافلے کو حرکت دے رہی ہے ھاتف کی اس صدا سے میں یہ سمجھا ہوں ہمارا انجام موت ہوگی۔ ہم قطعی طور پر موت کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔

(علی اکبر ایک بات کرتے ہیں) وہی بات جو اسماعیل علیہ اسلام نے ابراہیم علیہ اسلام سے کی تھی۔

کہا: بابا جان! اولسنا علی الحق؟ کیا ہم حق پر نہیں؟ بیٹا کیوں نہیں۔ جب ہم حق پر ہیں، تو پھر ہمارا انجام جیسا بھی ہو موت یا حیات، کوئی فرق نہیں پڑتا، اصل میں راہ حق پر ہونا اہم ہے۔ ابا عبداللہ علیہ اسلام بڑے مسرور ہوئے' حضرت نے فرمایا: میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ تجھ جیسے فرزند کو اس کی جزا پر کیا دوں۔ خدا سے یہی دعا ہے! خدایا ایسی جزا جو اس جیسے فرزند کے لائق ہو میری جگہ تو عنایت فرما! جزاک اللہ عنی خیر الجزاء.

امام حسینؑ کو ایسے فرزند سے کتنی محبت ہوگی؟ کتنا چاہتے ہوں گے کہ مناسب موقع پر اس کو انعام دینا چاہتے ہیں کیا دیں؟ غور کیجیے گا۔ عاشورا کے دن ظہر کا وقت ہے، یہی جوان اپنے بابا کے سامنے میدان جنگ میں گیا، شجاعت اور شہادت کے جوہر دکھائے' کئی ایک کو جہنم رسید کیا' زخمی کیا اور زخم کھائے۔ اس حالت میں واپس آئے کہ زبان لکڑی کی مانند خشک ہو چکی ہے، میدان سے واپس آئے اور اس تمنا کا اظہار کیا: یاابة ا العطش قدقتلنی وثقل الحدید اجهدنی فهل الی شربة من الماء سبیل؟

بابا جان! پیاس اتنی شدید ہے کہ مجھے قتل کیے دے رہی ہے اسلحہ کی سنگینی نے مجھے سخت زحمت میں ڈال رکھا ہے، ممکن ہے کہ ایک گھونٹ پانی مل جائے تا کہ جسم میں جہاد کرنے کی طاقت ہو۔

حسین علیہ اسلام ایسے فرزند کو کیا جواب دیں، اے فرزند عزیز! جتنی جلدی ہو شہادت کے درجے پر پہنچو اور اپنی جد کے ہاتھوں سیراب ہونا۔

۲۱۲ اہلبیت کا پہلا شہید

معتبر ترین روایات کے مطابق جو خاندان پیغمبرؐ کا فرد پہلے شہید ہوا وہ جناب علی اکبرؑ ہیں اور آخری جناب ابوالفضل العباس تھے، یعنی جب ابوالفضل العباس شہید ہوئے سب اصحاب اور اہلبیت سے کوئی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ فقط یہ اور حضرت سید الشہدؑاء باقی بچے تھے۔

۲۱۳ حضرت علی اکبر اور میدان جنگ کی اجازت

اہل بیت پیغمبرؐ کے جوانان میں سب سے پہلے حضرت علی اکبرؑ امامؑ سے اجازت لینے میں کامیاب رہے، آپؑ کے عزیز فرزند علی اکبرؑ جوان تھے، امامؑ نے خود ان کی شہادت دی، لوگوں میں سے سب سے زیادہ شبیہ

ترین اخلاقی اور منطقی حوالے سے اور بات کرنے کا انداز پیغمبرؐ جیسا تھا، جب بات کرتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا گویا پیغمبرؐ بات کر رہے ہوں۔ اس قدر پیغمبرؐ سے مشابہ تھے کہ خود ابا عبداللہ نے فرمایا: خدایا! تو خود جانتا ہے کہ جب ہم پیغمبرؐ کے دیدار کے مشتاق ہوتے تھے تو اس جوان کی زیارت کیا کرتے تھے، جو ہو بہو پیغمبر کی مانند ہے۔ یہ جوان اپنے بابا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، بابا جان! مجھے جہاد کی اجازت دیجیے۔

کئی اصحاب کے بارے میں خاص طور جوانوں کے بارے میں یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ جب اجازت لینے حضرتؑ کی خدمت میں آتے، تب حضرتؑ کسی نہ کسی انداز سے انہیں روکتے تھے، حضرت قاسمؑ کی داستان جو مکرر آپؐ نے سنی ہے۔ لیکن جب علی اکبرؑ میدان جنگ میں جانے کی اجازت لینے آئے تو آپؑ نے سر جھکا لیا اور یہ جوان میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

۲۱۴﴾ یاس و ناامیدی امام حسینؑ کی نگاہ میں

حسینؑ یعنی انسان کامل، زہراؑ یعنی انسان کامل، یعنی یہ عام انسانی خصوصیات کے حامل ہیں، وہ بھی اعلیٰ اور مافوق ملکی (ملائکہ)، یعنی ایک انسان کی مانند انہیں بھوک لگتی ہے لہٰذا غذا کھاتے ہیں، پیاس لگتی ہے، سب پانی پیتے ہیں، غریزہ جنسی بھی رکھتے ہیں، جذبات بھی ہے، لہٰذا ان کی اقتدا کی جا سکتی ہے، اگر یہ اس طرح سے نہ ہوتے' سب یہ پیشوا اور امام نہ ہوتے، اگر العیاذ باللہ امام حسین علیہ اسلام انسان جذبات میں سے ایک کے حامل نہ ہوتے' اگر ایک انسان اپنے فرزند پر آنے والی مصیبت پر رنجیدہ نہ ہو' اگر چہ اس کے بچے کو اس کے سامنے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے' تو اسے کوئی دکھ اور درد نہ ہو' اگر اس طرح ہوتا کہ ٹکڑے کرنے والے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے، یہ تو کوئی کمال نہ ہوتا، میں بھی اگر اس طرح یہ کام کرتا کہ ٹکڑے کرنے والے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ان میں جذبات اور انسانی پہلو ہم سے قوی تر ہے اور اس حوالے سے وہ فرشتہ جبرائیل امین سے بھی بالاتر ہیں، لہٰذا امام حسین علیہ اسلام کو پیشوا قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ تمام خصوصیات آپ میں موجود ہیں، جب علی اکبرؑ اجازت لینے کے لیے آئے تو آپؑ کے دل میں گویا کسی نے آگ لگا دی ہو، سو فیصد فرزند کی دوستی کی محبت کے جذبات ہم سب سے آپؑ میں زیادہ ہیں۔ یہی جذبات اصل میں انسانیت کا کمال ہے، جو رضاء خدا کے لیے ان سب جذبات کو نظر انداز

کر دیتا ہے۔

فاستاذن اباہ فاذن لہ، آئے اور کہا بابا جان مجھے جانے کی اجازت ہے؟

فرمایا: اے میرے فرزند عزیز! جاؤ۔

یہاں مورخین نے بہت سے اچھے نکات پر اعتراض کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

فنظر الیہ نظر آیس منہ و ارخی عینیہ 'ایک ایسی نگاہ علی اکبرؑ پر ڈالی جو ایسے حالات میں ڈالی جاتی ہے جب انسان حالات سے مایوس ہو جاتا ہے۔

انسانی نفسیات یہ کہتی ہیں کہ روحانی حالات پر ہونے والی تاثیر انسان کے بدن پر واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب ایک خوشخبری ملے تو بے اختیار اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں' اگر کوئی شخص اپنے کسی عزیز کے سرہانے (جس کی جان نکلنے والی ہو) پہنچے جبکہ اسے یقین ہو کہ یہ مرجائے گا' جب اس کے چہرے کی طرف دیکھے گا' تو اس کی آدھی آنکھیں بند ہو جائیں گی' نیم کھلی آنکھوں سے اسے دیکھے گا' جیسے دل سے راضی نہیں ہے کہ پوری آنکھیں کو کھول کر دیکھے۔ اس کے برخلاف اگر اس کا بیٹا کوئی کامیابی حاصل کرے یا اس کی شادی ہو' تب اس کی آنکھیں کھلی ہوں گی۔

کہتے ہیں: ہم نے حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی آنکھیں بند کرلیں اور جوان کی طرف نگاہ کی۔
فنظر الیہ نظر آیس منہ ۔ گویا یہ جذبہ علی اکبر حسینؑ کو اس جوان کے پیچھے چند قدم چلنے پر مجبور کردے گا۔ اپنے پیچھے آنے پر مجبور کردے گا۔ حسینؑ چند قدم اس جوان کے پیچھے چلے۔

در رفتن جان از بدن
گو بند ھر نوعی سخن
من خود بہ چشم خویشتن
دیدم کہ جانم می رود

چلتے چلتے ایک مرتبہ آواز بلند کی اور عمر سعد کو مخاطب قرار دیا (اے پسر سعد! خدا تمہاری نسل کا خاتمہ کردے کہ تم نے میری نسل ختم کردی۔)

قطع اللہ رحمک کما قطعت رحمی

۲۱۵۔ امامؑ کی نفرت کی قبولیت

امام حسینؑ کی اس بدعا کے دو تین سال بعد مختار نے عمر سعد کو قتل کروا دیا اس کے بعد عمر سعد کے بیٹے نے مختار کی مجلس میں شرکت کی تا کہ اپنے باپ کی سفارش کر سکے' عمر سعد کا سر اس مجلس میں لایا گیا' اس پر کپڑا ڈالا ہوا تھا' مختار کے سامنے اس سر کو رکھ دیا گیا۔ اب عمر سعد کا بیٹا (جو نہیں جانتا تھا کہ اس کے باپ کے ساتھ کیا بیتی) اپنے باپ کی سفارش کے لیے آگے آیا۔ اچانک اس کے بیٹے سے کہا گیا: اس سر کو پہچانتے ہو؟ جب اس نے کپڑا ہٹایا تو دیکھا یہ تو اس کے باپ کا سر ہے۔

بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا' تو مختار نے کہا: اسے بھی اس کے باپ تک پہنچا دو۔

۲۱۶۔ حضرت علی اکبرؑ پر پیاس کا غلبہ

علی اکبرؑ میدان جنگ میں پہنچ گئے' مورخین کا اجماع ہے کہ جناب علی اکبرؑ نے بڑی جانفشانی اور بہادری سے مبارزہ کیا' جس کی نظیر نہیں ملتی' جب مبارزہ سے تھک گئے' اپنے بابا کی خدمت میں آئے۔ یہ تاریخ کا معمہ ہے ان کا مقصد کیا تھا اور کیوں آئے؟ کہا: اے بابا جان! "العطش" پیاس مجھے مار دے گی' اس اسلحہ کے وزن نے مجھے تھکا دیا' اگر ایک گھونٹ پانی مل جائے تو توانائی آ جائے گی' پھر حملہ شروع کر دوں گا۔

یہ بات امام حسینؑ کے تن بدن میں آگ لگا دیتی ہے' کہتے ہیں: اے میرے فرزند! دیکھو میری زبان تو تمہاری زبان سے زیادہ خشک ہے' لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی جد کے ہاتھوں پانی سے سیراب ہو جاؤ گے' یہ جوان پھر میدان کا رخ کرتا ہے اور مبارزہ جاری رکھتا ہے۔

۲۱۷۔ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت

حمید بن مسلم جو راوی حدیث ہے' ایک خبر نگار کی مانند کربلا کے صحرا میں موجود تھا' لیکن جنگ میں شرکت نہیں کی' اکثر واقعات کو اس نے نقل کیا ہے۔ کہتا ہے کہ میں ایک مرد کے قریب تھا جب علی اکبرؑ حملہ کرتے تو سب بھاگ کھڑے ہوتے' تو وہ ناراحت ہوا' خود وہ مرد بھی شجاع تھا' اس نے کہا میں قسم اٹھاتا ہوں کہ اگر یہ جوان میرے قریب سے گزرا تو ایسا وار کروں گا کہ اس کے باپ کا دل بھی زخمی ہو جائے گا۔

میں نے اسے کہا: تمہیں اس سے کیا کام؟ چھوڑو آخر کار قتل ہو جائے گا۔

اس نے کہا: نہیں۔

علی اکبر جیسے ہی اس کے قریب سے گزرے اس نے بے خبری میں ایسا نیزے کا وار کیا کہ آپ توازن برقرار نہ رکھ سکے اور اپنے بازو گھوڑے کی گردن میں ڈال دیئے کیونکہ توازن برقرار نہ رکھ سکے، یہاں فریاد بلند کی، یا ابتاہ! ھذا جدی رسول اللّٰہ

بابا جان! اب میں چشم دل سے اپنی جد کو دیکھ رہا ہوں اور شربت سے سیراب ہو رہا ہوں، گھوڑا جناب علی اکبرؑ کو دشمن کے لشکر میں لے گیا، ایسا گھوڑا تھا گویا اس کا سوار ہی نہ ہو، لوگوں کے درمیان چلا گیا، یہاں بڑا عجیب جملہ کہا گیا:

فاحتمله الفرس الی عسکر الاعداء فقطعوه بسیوفهم ارباً ارباً

امام حسن مجتبیٰؑ کے فرزند قاسم اور عبداللہ بن الحسن کے مصائب

۲۱۸۔ امام حسن علیہ السلام کے دو فرزند تھے

تاریخ میں لکھا ہے حسنؑ بن علی علیہ السلام کے کئی فرزند تھے جو امام حسینؑ کے ہمراہ تھے' ان میں سے ایک جناب قاسمؑ تھے' امام حسن علیہ السلام کا ایک فرزند دس سال کا تھا' جو آپؑ کا آخری فرزند تھا' اس بچے کو شاید اپنے والد یاد نہیں تھے' امامؑ کی شہادت کے وقت اس بچے کی عمر چند ماہ تھی' یہ بچہ امام حسینؑ کے گھر بڑا ہوا تھا۔ امام حسینؑ امام حسنؑ کی اولاد پر بہت مہربان تھے۔ شاید اپنی اولاد سے بھی زیادہ ان پر مہربان تھے۔ کیونکہ یہ یتیم تھے' باپ کا سایہ سر پر نہیں تھا' اس بچے کا نام عبداللہ تھا اور وہ آقا سے بہت محبت کرتا تھا۔

۲۱۹۔ شہد سے زیادہ میٹھی موت

[شب عاشور] ایک بچہ مجلس کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا کہ جس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہیں تھی' اس بچے کو شک تھا کہ کل ہونے والے معرکے میں اس کا نام بھی ہوگا یا نہیں۔ حضرت نے فرمایا ہے جو بھی یہاں موجود ہیں شامل ہونگے۔ ممکن ہے میں چونکہ بچہ اور نابالغ ہوں میں شاید ان کا مخاطب نہ ہوسکوں' امام حسینؑ کی طرف دیکھا اور کہا: یا عماہ! چچا جان! و انا فی من قتل ” آیا کل میں بھی قتل ہونے والوں میں شامل ہوں؟

تاریخ نے لکھا ہے: امام حسینؑ پر رقت طاری ہوگئی اور اس بچے کو جناب قاسم بن الحسنؑ کہتے تھے' کوئی جواب نہیں دیا' بلکہ ایک سوال کر دیا اے فرزند برادرم! پہلے تم میرے سوال کا جواب دو تا کہ بعد میں تمہارے سوال کا جواب دوں' پہلے یہ بتاؤ کیف الموت عندک؟ تمہارے نزدیک موت کیسی ہے اس کا ذائقہ اور مزا کیسا ہے؟ عرض کیا: یا عماا احلی من العسل' میرے لیے شہد سے زیادہ شیرین ہے۔ آپ اگر مجھے یہ بتادیں کہ میں بھی کل شہید ہو جاؤں گا تو میرے لیے ایک بہت بڑی خوشخبری ہوگی۔

فرمایا: ہاں اما بعد ان تبلو ببلاء عظیم. لیکن اس کے بعد سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

اس نے کہا: خدا کا شکر ہے الحمدللہ کہ ایسا حادثہ رونما ہوگا اب آپ ملاحظہ کریں کہ امام حسینؑ کی اس بات کے بعد کل کونسا طبیعی اور عجیب واقعہ رونما ہوگا۔

۲۲۰ حضرت قاسم کو اجازت مل گئی

حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد یہی تیرہ سالہ بچہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ تیرہ سال عمر تھی اور نابالغ بھی تھے' جو اسلحہ زیب تن کیا وہ بڑا تھا' اس طرح زرہ بھی لوگوں نے بڑوں کے لیے بنائی تھی نہ کہ بچوں کے لیے۔ اسی طرح خود (لوہے کی ٹوپی) بھی بڑے لوگوں کے لیے مناسب تھی نہ کہ چھوٹے بچوں کے لیے' عرض کیا چچا جان! اب میری باری ہے میدان جنگ میں جانے کی اجازت دیں۔ روز عاشور کوئی بھی امام حسینؑ کی اجازت کے بغیر میدان جنگ میں نہیں گیا۔ جو بھی آتا پہلے سلام عرض کرتا' السلام علیک یا امام حسینؑ مجھے اجازت دیجئے۔

امام حسینؑ نے اتنی جلدی اجازت نہ دی۔ بلکہ رونے لگے قاسم اور چچا دونوں نے ایک دوسرے کو آغوش میں لے کر رونا شروع کر دیا۔ تاریخ نے لکھا: فجعل یقبل یدیه و رجلیه یعنی قاسم نے امام حسینؑ کے ہاتھ اور پاؤں کے بوسے لینے شروع کر دیے۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ تاریخ بہتر فیصلہ کرے وہ اصرار کر رہا ہے اور امام حسینؑ انکار' امام حسینؑ چاہتے ہیں کہ قاسم کو اجازت دیں اور یہ کہہ دیں کہ جانا چاہو تو چلے جاؤ' لیکن لفظ کہے بغیر بلکہ ایک مرتبہ دونوں بازو پھیلا دیے اور کہا آؤ فرزند برادرم! تمہیں خدا حافظ کہنا چاہتا ہوں۔

قاسم نے اپنے بازو امام حسینؑ کی گردن میں ڈال دیے اور امام حسینؑ نے اپنے بازو قاسم کی گردن میں ڈال دیے۔ تاریخ نے لکھا کہ چچا اور بھتیجے نے اس قدر گریہ کیا (اصحاب اور اہل بیت امام حسینؑ اس جانگداز منظر کے ناظر تھے) کہ دونوں بے حال ہو کر ایک دوسرے سے جدا ہوئے یہ بچہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

۲۲۱﴾ میں امام حسنؑ کا بیٹا ہوں

عمر سعد کے لشکر میں ایک راوی تھا (راوی روایت کرنے والے کو کہتے ہیں) وہ کہتا ہے' ایک مرتبہ ہم نے ایک بچے کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار تھا' اس نے سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) کے بجائے عمامہ پہن رکھا تھا اس کے پاؤں بھی رکاب (جہاں گھوڑے پر بیٹھنے کے بعد پاؤں رکھتے ہیں) تک نہیں پہنچ رہے تھے عام جوتے پہنے ہوئے تھے اور ایک جوتے کا بند کھلا ہوا تھا۔ یہ مجھے یاد نہیں کہ دایاں پاؤں تھا یا بایاں پاؤں۔ اس کی تعبیر کے مطابق' كانّه فلقة القمر' گویا یہ بچہ چاند کا ٹکڑا ہو' اس قدر خوبصورت تھا۔

یہی راوی کہتا ہے۔ جب قاسم آ رہے تھے' ابھی تک آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ رسم یہ تھی کہ افراد خود اپنا تعارف کرواتے تھے کہ میں کون ہوں؟ سب حیران تھے کہ یہ بچہ کون ہے' جیسے ہی لشکر کے سامنے کھڑا ہوا اپنی آواز بلند کی۔

ان تنكروني فانا ابن الحسن سبط

النبي المصطفى الموتمن

لوگو! تم اگر مجھے نہیں جانتے' تو میں پسر حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔

هذا الحسين كالاسير المرتهن

بين أناس لا سقوا صوب المزن

یہ شخص (امام حسین علیہ السلام) جسے تم یہاں دیکھ رہے ہو جسے تم نے گھیر رکھا ہے میرے چچا حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔

۲۲۲﴾ چچا جان! قاسم کی فریاد کو پہنچیں

(ظہر عاشورا ہے) قاسم میدان میں ہیں' کیونکہ ابھی بچے ہیں' اسلحہ جسم کی مناسبت سے نہیں ہے لیکن

اس کے باوجود جیسے شیر کا بچہ ہو شجاعت کے جوہر دکھائے۔ ایک کاری ضرب سر پر لگی تو پھر گھوڑے پر یہ بچہ سنبھل نہ سکا' حسینؑ کی نگاہیں اسی بچے پر تھیں' آپ خود بھی گھوڑے پر سوار تھے لگام آپ کے ہاتھ میں تھی' گویا انتظار کر رہے تھے' ناگہاں فریاد بلند ہوئی یا عماہ! اے چچا جان! میری مدد کو آئیے۔

۲۲۳﴾ حسینؑ کی جانکاہ فریاد

مورخین نے لکھا ہے حسینؑ اس طرح قاسمؑ کی طرف روانہ ہوئے جیسے باز اپنے شکار کی طرف لپکتا ہے' کوئی نہ سمجھ سکا اتنی تیزی سے گھوڑے سے نیچے آئے اور تیزی سے قاسم کی طرف گئے' دشمن کے ایک گروہ (تقریباً دو سو افراد) جناب قاسم کو گھیرے میں لیا ہوا تھا' اس لیے کہ اس طفل کا سر تن سے جدا کر سکیں۔ یکدم متوجہ ہوئے کہ حسینؑ تیزی سے آ رہے ہیں لومڑیوں کے غول کی مانند جب وہ شیر کو دیکھ لیں فرار کرنے لگے' جو جناب قاسم کا سر تن سے جدا کرنا چاہتا تھا اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے آ کر جہنم واصل ہو گیا۔

اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ کیا ہو رہا ہے۔ دوست و دشمن سب اسی شش و پنج میں تھے فاذن جلس الغبرہ گرد و غبار بیٹھ گیا' تو سب نے دیکھا کہ حسینؑ قاسم کی بالین بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کا سر اپنے دامن میں لے رکھا ہے' حسینؑ کی فریاد سب نے سنی عزیز علی عمک ان تدعوہ فلا یجیبک او یجیبک فلا ینفعک' اے فرزند برادرم! تمہارے چچا پر کتنا سخت اور ناگوار ہے کہ تم فریاد کرو اور چچا جان کہو اور میں تمہاری مدد نہ کر سکوں' تمہاری لاش پر نہ پہنچ سکوں' اگر پہنچ جاؤں تو تمہاری آرزو پوری نہ کر سکوں' تمہارے چچا پر کتنا مشکل وقت آن پہنچا ہے۔

۲۲۴﴾ قاسمؑ کے آخری لحات

جناب قاسمؑ اپنی زندگی کے آخری لحات طے کر رہے تھے۔ درد کی شدت کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔

و الغلام ینحص بر جلیه' اس وقت سنا گیا کہ امام حسینؑ نے یہ کہا: یعز واللہ علی عمک ان تدعوہ فلا ینفعک صوتہ. اے فرزند برادرم! مجھ پر یہ کتنا سخت ہے تم فریاد کرو چچا جان! لیکن چچا کوئی جواب نہ دے سکے' مجھ پر یہ کس قدر ناگوار ہے کہ تمہاری لاش پر پہنچوں لیکن تمہاری مدد نہ کر سکوں۔

۲۲۵۔ آخری دردناک وداع

راوی کہتا ہے: جناب قاسمؑ کا سر حسین علیہ السلام اپنے دامن لیے ہوئے ہیں' درد کی شدت سے جناب قاسم ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ اس دوران فریاد بلند کی: فشهق شهقة فمات اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی' ایک مرتبہ سب نے دیکھا امام حسینؑ نے قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور خیمہ گاہ کی طرف چلے بڑا عجیب اور عظیم لمحہ ہے جب قاسم میدان جنگ کی اجازت طلب کرنے آئے' تو امام حسینؑ کا دل چاہتا تھا کہ اسے اجازت نہ دیں۔ جب اجازت دے دی تب دونوں نے ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈال دیں' اتنا روئے کہ بے حال ہو گئے' یہاں منظر اس کے برعکس ہے' یعنی کچھ دیر پہلے قاسمؑ اور حسینؑ نے ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈالی ہوئی تھیں' لیکن اب حسینؑ نے قاسم کو اٹھایا ہوا ہے اور قاسم کے بازو نیچے لٹک گئے' کیوں کہ اب بدن میں جان نہیں رہی۔

۲۲۶۔ حضرت قاسم کا دردناک نوحہ

میں نے قم (ایران کا شہر جہاں سے انقلاب اسلامی کا آغاز ہوا) میں سنا کہ ایک مشہور ذاکر نے آیۃ اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے حضور اس مصیبت کا ذکر کیا (آپ بہت مخلص اور عاشق اہل بیت پیغمبرؐ تھے' مجھے ان کی خدمت میں رہنے کا مجھے موقعہ نہ مل سکا' ان کے فوت ہونے کے دس ماہ بعد میں قم آیا تھا' جو آپ سے مل چکے تھے بتاتے ہیں حسینؑ بن علیؑ کا نام سنتے ہی بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے) اس پیر مرد نے اس قدر گریہ وزاری کی کہ بے حال ہو گئے اور ذاکر سے یہ کہا میری درخواست ہے کہ جب میں تمہاری مجلس میں بیٹھوں تو یہ مصائب (حضرت قاسم) نہ پڑھا کرو کیونکہ مجھ میں سننے کی طاقت باقی نہیں رہی۔

۲۲۷۔ عبداللہ بن الحسنؑ کا مرثیہ

یہاں ہم امام حسن علیہ السلام کے ایک فرزند کا مرثیہ بیان کرتے ہیں۔ جناب قاسمؑ کا ایک چھوٹا بھائی ہے جس کا نام عبداللہ ہے (امام حسن علیہ السلام' امام حسین علیہ السلام دس سال پہلے شہید ہوئے' مسموم کیا گیا تھا' اس بچے کی عمر اس وقت دس سال لکھی گئی ہے' یعنی جب بابا شہید ہوئے اس وقت اس بچے کی

ولادت ہوئی' شاید اس کے بعد ہو بہر حال اسے اپنے بابا سے کوئی بھی چیز یاد نہیں تھی' اس بچہ نے امام حسین ہی کے گھر پرورش پائی' امام حسینؑ اس کے چچا بھی تھے اور والد کی جگہ بھی) امام حسینؑ نے اس بچے کو اپنی خواہر زینبؑ کے سپرد کر دیا تھا' جو اس بچے کی پھوپھی اماں بھی تھیں یہ بچے متواتر اس تلاش میں رہتے تھے اور روز عاشور میدان جنگ میں پہنچ جاتے' لیکن انہیں روک لیا جاتا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا جیسے ہی امام حسینؑ مقام قتل گاہ پر گرے یہ دس سالہ بچہ یک دم خیمہ گاہ سے باہر آ گیا' جناب زینب سلام اللہ علیھا اسے پکڑنے کے لیے آئیں تا کہ اسے روک لیں لیکن اس بچے نے اپنا ہاتھ جناب زینبؑ سے چھڑا لیا اور کہا واللہ لا افارق عمّی. خدا کی قسم! میں اپنے چچا سے جدا نہیں ہو سکتا' یہ بچہ بڑی تیزی سے امام حسین تک پہنچ گیا' جبکہ امام حسین علیہ السلام میں حرکت کرنے کی طاقت نہ تھی' یہ بچہ قریب آ تا گیا یہاں تک کہ دامن امام حسینؑ سے لپٹ گیا' امام حسینؑ نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور اس سے کچھ کہنے لگے' اسی دوران ایک دشمن جو امام حسینؑ پر وار کرنا چاہتا تھا آ نکلا' اس بچے نے محسوس کر لیا کہ کوئی شخص امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس بچے نے اسے یہ کہا: اے پسر زناکار تم میرے چچا کو قتل کرنے آئے ہو؟ خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا' اس نے جیسے ہی شمشیر بلند کی اس بچے نے اپنے بازوں کو ڈھال بنا لیا جیسے ہی تلوار نیچے آئی جس کے نتیجے میں اس بچے کے دونوں بازو کٹ کر لٹک گئے' اس وقت اس بچے نے فریاد بلند کی چچا جان! دیکھو یہ کیا ہوا؟

۲۲۸ عبداللہ بن الحسن کی شہادت

حسین علیہ السلام نے بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا اور فرمایا اے فرزند برادرم! صبر کرو عنقریب تم اپنی جد اور بابا سے جا ملو گے۔

فضائل ومصائب
حضرت عباس بن علی علیہ السلام

۲۲۹﴾ اجر شہادت

ابوالفضل العباسؑ کے تین چھوٹے بھائی تھے خاص طور پر انہیں اپنے سے پہلے میدان جنگ روانہ کیا اور کہا: برادر جان! جاؤ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کی مصیبت کا اجر حاصل کرلوں' وہ اطمینان کی خاطر یہ چاہتے تھے کہ ان کے یہ مادری بھائی ان سے پہلے شہادت پالیں تا کہ وہ بعد میں ان سے ملحق ہو جائیں۔

۲۳۰﴾ بامقصد زندگی

عاشور تک وجود مقدس ابوالفضل العباس علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہے۔ ابوالفضل العباسؑ کا مقام بہت بلند ہے' ہمارے آئمہؑ نے فرمایا: انّ للعبّاس منزلة عند الله یغبطه بها جمیع الشهداء خدا کے نزدیک عباس کا جو مقام ہے تمام شہداء اس پر رشک کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ تاریخ اس بزرگوار کے بارے میں کم معلومات رکھتی ہے یعنی اگر کوئی ان کی زندگی پر کتاب لکھنا چاہے تو اسے آپؑ کے بارے میں کم مواد میسر ہوگا۔ لیکن زیادہ مطالب یا مواد کس درد کا مداوا کرسکتا ہے۔ بعض اوقات انسان کی ایک یا دو روزہ یا پانچ روزہ زندگی ممکن ہے اس کی شرح پانچ صفحوں سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن اس قدر درخشاں ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ دسیوں کتابیں اس شخص کی اہمیت کو

ثابت کریں، جناب ابوالفضل العباسؑ ایسے ہی شخص تھے، آپؑ کی عمر کربلا میں تقریباً چونتیس برس تھی۔ آپؑ کی اولاد بھی تھی۔ ان میں سے ایک بچے کا نام عبیداللہ بن عباس ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن امام زین العابدین کی نگاہ عبیداللہ پر پڑی، کربلا کا تمام منظر یاد آ گیا اور آپؑ کے اشک جاری ہو گئے۔

۲۳۱﴿ حضرت علیؑ کی آرزو عباسؑ نے پوری کردی

شب عاشور سب سے پہلے امام حسینؑ کی مدد کا اعلان کرنے والے آپؑ کے بھائی ابوالفضلؑ تھے، ابوالفضلؑ بہت نیک، شجاع، دلیر، بلند قد اور خوبصورت تھے۔ و کان یدعی قمر بنی هاشم آپؑ کو 'قمر بن ہاشم' کا لقب دیا گیا تھا، یہی حقیقت ہے۔ البتہ شجاعت علی علیہ السلام سے وراثت میں ملی۔ آپؑ کی والدہ کی داستان مبنی بر حقیقت ہے کہ علی علیہ السلام نے اپنے بھائی عقیلؑ سے فرمایا: (میرے لیے ایک خاتون کا انتخاب کرو، ولدتها الفحولة، یعنی بہادر اور شجاع خاندان سے پیدا ہوئی ہو۔) عقیلؑ نے ام البنین کا انتخاب کیا اور کہا یہ وہی خاتون ہیں جس کی تلاش ہے۔ 'لتلدلی فارساً شجاعاً' میرا دل چاہتا ہے کہ اس خاتون سے ایک شجاع، دلیر فرزند پیدا ہو، یہاں تک تو حقیقت ہے، علیؑ کی آرزو ابوالفضلؑ کی صورت میں پوری ہوئی۔

۲۳۲﴿ جنگ میں شرکت

امیرالمومنینؑ کی شہادت کے وقت آپؑ چودہ سال کے تھے، ناسخ التواریخ، میں مجھے یاد ہے کہ جناب ابوالفضل العباسؑ جنگ صفین میں موجود تھے کیونکہ ابھی بچے اور نابالغ تھے (کیونکہ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی اس لیے کہ جنگ صفین تین سال قبل از شہادت امیرالمومنینؑ برپا ہوئی تھی) امیرالمومنینؑ نے انہیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، مجھے یاد ہے کہ فقط اتنا ہی تاریخ میں درج ہے کہ یہ ابھی بچے تھے، لیکن جنگ صفین میں موجود تھے، ایک سیاہ گھوڑے پر سوار تھے، اس سے زیادہ کہیں پر بھی آپؑ کے بارے میں معلومات نہیں ملیں۔

۲۳۳﴿ علیؑ کی شجاعت کا وارث

معتبر مقاتل (ایسی کتب جن میں کربلا کے واقعات درج ہوتے ہیں) میں یہ مطالب درج ہیں کہ

امیرالمومنینؑ نے اپنے بھائی عقیل سے کہا میرے لیے ایک ایسی خاتون کا انتخاب کیجئے کہ "ولدتها الفحولة" جو بہادر خاندان سے ہو۔

عقیل امیرالمؤمنینؑ کے بھائی ہیں' نسب شناسی میں مہارت رکھتے ہیں اور عجیب نژاد شناسی کے ماہر ہیں قبائل پدر و مادر کیا نژاد ہے سب جانتے ہیں' فوراً کہا:

عنی لک بام البنین بنت خالد' جیسی خاتون تم چاہتے ہو وہ ام البنین ہے۔

ام البنین یعنی بچوں کی ماں (چند بیٹوں کی ماں) خود یہ کلمہ ام کلثوم کی مانند ہے کہ جیسے ہم نام رکھتے ہیں' خاص طور پر میں نے تاریخ میں دیکھا ہے ام البنین کی دادی کا نام ام البنین تھا' شاید اسی مناسبت سے یہ نام رکھا گیا' اسی دختر کا امیرالمؤمنینؑ کے لیے انتخاب کیا گیا' اس خاتون کے بطن سے امیرالمؤمنینؑ کے چار فرزند متولد ہوئے' ظاہراً کوئی بیٹی پیدا نہیں ہوئی' بعد میں یہی خاتون حقیقت میں ام البنین یعنی چند بیٹیوں کی ماں بن گئی' امیرالمؤمنینؑ کے یہ فرزند شجاع تھے اولاً خود حسنین (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) ان کی شجاعت کسی سے پوشیدہ نہیں' خاص طور پر امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں شجاعت کے جوہر دکھائے جو اپنے والد بزرگوار سے وراثت میں ملی تھی' محمد بن حنفیہ' جناب ابوالفضل سے عمر میں کافی بڑے تھے' جنگ جمل میں شریک تھے اور بڑے شجاعت قوی اور زور آور تھے گمان کیا جاتا ہے کہ امیرالمؤمنینؑ ان پر نہایت شفقت کرتے تھے۔

۲۳۴﴿ملعون کا امان نامہ

جب شمر بن ذی الجوشن کوفہ سے کربلا کی طرف عازم سفر ہوا' تو ایک شخص جو وہاں موجود تھا نے یہ اظہار کیا کہ تمہارے بعض مادری رشتہ دار حسینؑ بن علیؑ کے ہمراہ ہیں' میری خواہش ہے ان کے لیے امان نامہ لکھوالو۔

ابن زیادہ نے بھی لکھا' شمر کی رشتہ داری دور پار کی تھی' قبیلہ ام البنین سے دور کی نسبت تھی۔ یہ پیغام شب عاشور ایک شخص لیکر آیا یہ مرد پلید حسینؑ بن علیؑ کے خیمے کے قریب آیا اور یہ آواز بلند کی' ایـن بـنـو اختنا' ہمارے خواہر زادے کہاں ہیں؟ ابوالفضل العباس علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں

موجود تھے سب بھائی وہیں تھے، کسی نے ایک کلمہ بھی زبان پر نہیں آنے دیا یہاں تک کہ امامؑ نے فرمایا:"اجیبوہ و ان کان فاسقا" اس کو جواب دو اگر چہ یہ مرد فاسق ہے۔

آقاؑ نے جب اجازت دی تب جواب دیا کہا: "ما تقول" "تم کیا کہہ رہے ہو؟[اس نے کہا:] تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے، تمہارے لیے ایک بشارت ہے، تمہارے لیے امیر عبیداللہ کی طرف سے امان نامہ لایا ہوں، تم آزاد ہو اگر ابھی جا سکتے ہو، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

انہوں نے کہا: خدا تجھ پر لعنت کرے اور تمہارے امیر پر بھی اور اس امان نامے پر بھی جو تم لائے ہو، ہم اپنے امامؑ، اپنے بھائی کو اس لیے چھوڑ دیں کہ ہمیں امان مل گئی ہے؟

۲۳۵﴾ حضرت عباسؑ کی ہمدردی

عاشور کا دن ہے، دو روایات کے مطابق ابوالفضلؑ آگے بڑھتے ہیں اور عرض کیا: برادر جان! مجھے اجازت دے دیجیے میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے، برداشت کی طاقت اب نہیں رہی، میں چاہتا ہوں کہ جتنا جلدی ہو سکے اپنی جان آپؑ پر فدا کر دوں۔

میں یہ نہیں جانتا کہ امامؑ نے کس مصلحت کی بنا پر یہ جواب دیا امامؑ خود بہتر جانتے تھے فرمایا: اے میرے بھائی! اگر تم جانا چاہتے ہو تو پھر اہلبیت کے لیے پانی کا انتظام کرو۔

'سقا' کا لقب حضرت عباسؑ کو پہلے ہی دے دیا گیا تھا کیونکہ ایک دو روز پہلے بھی حضرت عباسؑ پانی لا چکے تھے، ایسا نہیں ہے کہ تین دن شب و روز پانی نہیں پیا بلکہ تین شب و روز سے پانی بند تھا، حضرت عباسؑ نے عرض کی! آپؑ کا حکم سر آنکھوں پر غور کیجیے کہ یہ منظر کتنا پر شکوہ اور با عظمت ہے۔

اور اس میں کتنی شجاعت ہے، معرفت اور فداکاری کا کتنا معیار ہے؟ چار ہزار افراد نے پانی کے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے، حضرت عباسؑ فرات کی طرف روانہ ہوئے، گھوڑے کو پانی کے اندر لے گئے (یہاں تک سب نے لکھا ہے) پہلے مشکیزہ کو پانی سے بھر لیا اور اپنے کندھے پر لٹکایا، خود بھی پیاسے تھے ہوا بھی بہت گرم تھی جنگ بھی کی۔ گھوڑے پر سوار ہیں اور گھوڑا کمر تک پانی میں ڈوبا ہوا ہے، پانی میں ہاتھ ڈالا تا کہ کچھ پانی اپنے مقدس لبوں تک لا سکیں، جو دور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بتایا: کچھ دیر سوچا پھر ہم نے

دیکھا کہ پانی پیے بغیر باہر آ گئے' پانی کو پانی پر پھینک دیا' کوئی یہ نہ سمجھ سکا کہ حضرت عباسؑ نے پانی کیوں نہیں پیا؟ جب باہر آئے تو ایک رجز پڑھا' مخاطب خود ہی تھے کوئی اور وہاں نہیں تھا' اس رجز سے سمجھ گئے کہ آپؑ پانی کیوں نہ پی سکے۔

یا نفس من بعد الحسین هونی

فبعده لا کنت ان تکونی

هذا الحسین شارب المنون

و تشربین بارد المعین

واللّه ما هذا فعال دینی

ولا فعال صادق الیقین

اے ابوالفضل؟ میں چاہتا ہوں کہ حسینؑ کے بعد زندہ نہ رہوں' حسینؑ شہید ہو جائیں گے' حسینؑ خیمہ کے قریب تشنگی (پیاس) کی حالت میں کھڑے ہیں اور تم پانی پینا چاہتے ہو؟ تمہاری مردانگی کہاں چلی گئی' شرف کہاں چلا گیا' ہمدردی اور ہمدلی کہاں چلی گئی؟ کیا حسینؑ تمہارا امام نہیں ہے' کیا تم اس کے ماموم نہیں ہو مگر تم اس کے تابع نہیں ہو؟ ھیھات! میرا دین مجھے ہرگز ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا میری وفا مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی' حضرت ابوالفضلؑ نے واپسی پر اپنا راستہ بدل لیا درختوں کے درمیان سے چلے آئے پہلے سیدھے راستے سے آئے تھے' کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ ایک قیمتی امانت پاس ہے راستہ تبدیل کر دیا' تمام تر کوشش یہ رہی کہ پانی حفاظت کے ساتھ پہنچ جائے' کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں سے کوئی تیر مشک کو پارہ نہ کر دے اور پانی بہہ جائے اور اسے جس مقصد کے لیے لائے تھے وہاں تک نہ پہنچا سکیں۔

اسی دوران دیکھا گیا کہ حضرت عباسؑ کا رجز تبدیل ہو گیا:

واللّه ان قطعتموا یمینی

انّی احامی ابداً عن دینی

و عن امام صادق الیقین

نجل النبی الطاهر الأمین

خدا کی قسم! اگر میرا دایاں ہاتھ کاٹ دو گے' میں تب بھی حسینؑ کا دامن نہیں چھوڑوں گا' تھوڑی دیر بعد رجز تبدیل کر لیا۔

یا نفس لا تخشی من الکفار
و ابشری برحمة الجبار
معی النبی السید المختار
قد قطعوا ببغیھم یسری

اس رجز میں یہ بتا دیا کہ بایاں ہاتھ بھی قطع کر دیا گیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ بڑی تدبیر اور چابکدستی اور زحمت سے مشک کے اوپر خود لیٹ گئے' میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ کیا ہوا کیونکہ یہ حادثہ بڑا جانسوز ہے۔ شب عاشور تک معمول ہے کہ اس بزرگوار کی مصیبت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۲۳۶﴾ حضرت عباسؑ کا ایثار

سورۃ ھل اتی اس طرح کیوں نازل ہوتی ہے کہ اس کا طرح سے آغاز ہوتا ہے:

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا' اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوْرًا.

ایثار کی اہمیت بتانے کے لیے اسلامی اور انسانی احساسات کا جلوہ دکھانے کے لیے کربلا کے میدان میں اس وظیفے کو ابوالفضلؑ نے اپنے ذمے لے لیا' حضرت عباسؑ چار ہزار افراد کو جو دریائے فرات پر قابض تھے عبور کیا اور گھوڑے کو پانی کے اندر لے گئے' گھوڑا کمر تک پانی میں ڈوب گیا' جب مشک پانی سے بھر لی تو چلو میں پانی لیا اور اپنے خشک ہونٹوں تک لائے' سب دور سے دیکھ رہے تھے' کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آپ نے پانی نہیں پیا بلکہ گرا دیا' ابتدا میں کوئی بھی یہ نہ سمجھ سکا کہ ایسا کیوں کیا؟ تاریخ کہتی ہے کہ فذکر العطش الحسین علیه السلام بھائی حسینؑ کی پیاس یاد آ گئی کہ حسینؑ پیاسا رہے اور میں سیراب ہو جاؤں خود کو مخاطب قرار دیکر چند رجز پڑھے:

اے عباس! میں حسینؑ کے بعد زندہ نہیں رہوں گا' تم پانی پی کر زندہ رہنا چاہتے ہو عباس! حسینؑ تشنہ

لب ہے اور تم سیراب ہونا چاہتے ہو؟ خدا کی قسم یہ نوکری کی رسم نہیں ہے یہ برادری کی رسم نہیں' یہ ماموم کی رسم نہیں' یہ وفاداری کی رسم نہیں۔

۲۳۷۔ بھائی کی شہادت کا دلخراش سانحہ

امام حسین علیہ السلام شہادت کے وقت جن اصحاب کے لاشوں پر پہنچے ان میں سے سب سے زیادہ دلخراش اور جانسوز سانحہ ابوالفضل العباسؑ کا تھا' امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباسؑ سے بہت محبت تھی' کیونکہ حضرت عباس شجاعت میں امیرالمومنینؑ کی یادگار تھے' ایک جگہ تاریخ نے لکھا کہ امام حسین علیہ السلام نے یہ جملہ کہا: 'برادرم! بنفسی انت' اے میری جان عباس! میری جان تم پر قربان ہو' یہ بہت اہم جملہ ہے۔ عمر کے لحاظ سے امام حسینؑ سے ابوالفضل عباسؑ تیس سال چھوٹے تھے (امام حسین علیہ السلام ستاون سال کے تھے جبکہ حضرت عباسؑ کی عمر چونتیس برس کی تھی۔)

امام حسین علیہ السلام عمر اور تربیت کرنے کے لحاظ سے حضرت عباسؑ کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے' جب یہ جملہ کہا: اے بھائی جان! بنفسی انت' میری جان تم پر قربان ہو!

امام حسین علیہ السلام خیمے کے قریب منتظر کھڑے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؑ کی آواز سنائی دی۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ حضرت عباسؑ کا چہرہ خوبصورت تھا کہ گویا: وکان یدعی بقمر بنی ھاشم اپنے دور میں معروف تھے قمر بنی ہاشم یعنی بنی ہاشم کا چاند۔ تاریخ میں ملتا ہے و کان یرکب الفرس المطھم و رجلاہ یخطان فی الارض. صحت مند گھوڑے پر سوار ہوئے جب پاؤں رکاب میں رکھے تو پاؤں کی انگلیاں زمین پر خراش ڈال رہی تھیں۔ بقول مرحوم آقا شیخ محمد باقر بیرجندی' ہوسکتا ہے کہ اس میں مبالغہ ہو لیکن اس سے آپؑ کے قد اور جسامت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

جب امام حسین علیہ السلام حضرت عباسؑ کے پاس پہنچے تو کیا دیکھا کہ آپ کے دونوں بازو نہیں ہیں اور سر کو ایک آہنی گرز سے کچل دیا گیا ہے اور ایک آنکھ میں تیر ہے۔ یہ ایسے ہی نہیں کہہ دیا گیا لما قتل العباس بان الانکسار فی وجہ الحسین. عباس قتل ہوگئے تو امام حسینؑ کے چہرے پر افسردگی کے آثار نمایاں ہوگئے امام حسینؑ نے فرمایا: الان انقطع ظھری و قلت حیلتی' میری کمر ٹوٹ گئی۔

۲۳۸۔ حضرت عباسؑ کے حق میں امام صادقؑ کی دعا

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: رحم اللّٰہ عمّی العبّاس لقد آثروا ابلی بلاء حسناً. خدا میرے چچا عباسؑ پر رحمت نازل کرے کہ جو ایک بڑے امتحان سے گزرے اور کامیاب گزرے، ایثار کیا تو جس قدر ممکن تھا خدا کے نزدیک چچا عباسؑ کا بڑا بلند مقام ہے کہ تمام شہداء آپؑ کے مقام پر رشک کرتے ہیں۔ اتنی جوانمردی، خلوص، فداکاری، ہم میدان عمل میں اس منظر کو دیکھ سکتے ہیں لیکن اس عمل کی روح نہیں دیکھ سکتے کہ کتنی اہمیت ہے۔

۲۳۹۔ حضرت عباسؑ کا مقام

حضرت عباس علیہ السلام کا مقام ایسا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایسا درجہ ہے کہ تمام شہداء اس پر رشک کرتے ہیں یہاں تین مطلوب ہیں:

الف: ابوالفضل العباسؑ ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ جو تمام شہداء سے افضل ہیں۔

ب: شہداء کربلا کا مقام تمام شہداء سے افضل ہے۔

ج: شہداء کربلا کے درمیان آپؑ کا ایک مقام ہے۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ
کے حالات کا جائزہ

۲۴۰۔ کیا امام حسین علیہ السلام کو صلح پر اعتراض تھا؟

سوال: کیا امام حسین علیہ السلام نے صلحنامے پر دستخط کیے تھے یا نہیں؟ کیا آپؑ کو صلح پر اعتراض تھا یا نہیں؟

جواب: میری تحقیق کے مطابق امام حسین علیہ السلام کے اس صلحنامے پر دستخط نہیں ہوئے اس لیے کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی' کیونکہ اس وقت امام حسینؑ ایک امامؑ کے تابع تھے وہ امام حسنؑ کے ماموم تھے۔ امام حسنؑ جو کام بھی کرتے آپؑ کو قبول تھا۔ آپؑ اس کے پابند تھے حتیٰ کہ ایک گروہ جو امام حسنؑ کی صلح کا مخالف تھا آپؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہمیں یہ صلح قبول نہیں' کیا ہم آئیں اور آپؑ کی بیعت کرلیں؟

فرمایا: نہیں۔ جو میرے بھائی امام حسن علیہ السلام نے کیا ہے میں اسی کا تابع ہوں۔

ازنظر تاریخ یہ بات سو فیصد مسلم ہے کہ امام حسینؑ صلح امام حسنؑ کے تابع تھے یعنی ذرہ سا بھی اختلاف اس صلح میں نظر نہیں آیا۔ کہیں ایسا موقع نہیں ملتا کہ امام حسینؑ نے اعتراض کیا ہو کہ میں اس صلح کا مخالف ہوں' لیکن جب دیکھ لیا امام حسنؑ اس صلح کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں تب تسلیم ہوئے۔ نہیں' کسی طرح کا اعتراض بھی امام حسینؑ کی طرف سے ظاہر نہیں ہوا۔

۲۴۱۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے زمانے کی شرائط

امام حسنؑ کی صلح کا مسئلہ قدیم سے مورد اعتراض رہا ہے بعد میں بھی اور بالخصوص ہمارے دور میں اس مسئلہ پر زیادہ اعتراض کیا ہے کہ امام حسنؑ نے کس طرح' کس بنیاد پر معاویہ سے صلح کی؟

خاص طور پر یہ تجزیہ کیا جاتا ہے کہ جب امام حسنؑ کی معاویہ کے ساتھ صلح اور امام حسینؑ کا بیعت نہ کرنا' یزید وابن زیاد کے مقابل تسلیم نہ ہونا' میری نظر میں ان لوگوں کے لیے اس میں اعتراض کا پہلو ہے جو اس مطلب کو گہری نظر سے نہیں دیکھ سکے ان کے لیے یہ دو روشیں ہیں' اسی لیے کچھ کہتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے دو مختلف مقاصد و اہداف تھے امام حسنؑ طبیعت کے لحاظ سے صلح جو تھے جبکہ امام حسینؑ میدان جنگ کے شہسوار تھے' ہماری بحث یہ ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ صلح کر لی اور دستخط کر دیئے جبکہ امام حسینؑ صلح و تسلیم کے لیے راضی نہ ہوئے' یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دو مختلف شخصیات تھیں اگر یہ فرض کریں امام حسنؑ کی جگہ اگر امام حسینؑ ہوتے تو پھر حالات کچھ اور ہی ہوتے امام حسینؑ خون کے آخری قطرے تک جنگ کرتے' اسی طرح اگر کربلا میں امام حسینؑ کی جگہ امام حسنؑ ہوتے تو جنگ ہی نہ ہوگی' تو کیا نتیجہ نکلتا؟ یا یہاں شرائط مختلف ہیں' امام حسنؑ کے زمانے میں شرائط کا تقاضا یہی تھا اور امام حسینؑ کے دور کی شرائط کا اپنا تقاضا تھا۔

اگر ہم مختلف شرائط پر بحث کریں تو ایسی ہی بحث کریں کہ جو عام طور پر لوگوں کے درمیان موجود ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے دور امامت کی شرائط مختلف تھیں حقیقت میں امام حسنؑ کے دور کی مصلحت اندیشی کا تقاضا یہی تھا اور اسی طرح امام حسینؑ کا بھی' ہم اسے قبول کرتے ہیں اور اس پر بحث بھی کریں گے' البتہ بحث سے قبل اسلام کے بنیادی دستور جہاد پر بات کریں گے' کیونکہ دونوں مسائل کی بنیاد جہاد ہے۔ امام حسنؑ نے جنگ ترک کی اور صلح کر لی۔

امام حسینؑ نے جنگ ترک نہیں کی صلح بھی نہیں کی بلکہ جنگ کی' پس ہم جہاد کے بارے میں اسلام کی کلیات بیان کریں گے' جو بھی امام حسنؑ کی صلح پر بحث کرتے ہیں ہم نے نہیں دیکھا کہ وہ اس حوالے سے بھی بحث کرتے ہوں اس کے بعد ہم اس مسئلے پر بات کریں گے کہ امام حسنؑ کی صلح کس بنا پر تھی امام حسینؑ کی جنگ کی وجوہات کیا تھیں؟

۲۴۲۔ صلح کیوں؟ جنگ کیوں؟

حکمیت کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ کیوں علی علیہ السلام نے جبکہ خوارج آپؑ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے حکمیت کو قبول کیا اور جنگ جاری نہ رکھی؟ آپؑ قتل ہو جاتے حد اکثر یہی ہوتا جیسے آپؑ کے فرزند امام

حسینؑ قتل کردیے گئے' ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے شروع میں جنگ کیوں نہ کی؟ حد اکثر یہی ہوتا کہ آپ قتل ہو جاتے جس طرح امام حسینؑ قتل کردیے گئے' صلح حدیبیہ کیوں کی؟ حد اکثر یہی ہوتا کہ آپ قتل ہو جاتے جس طرح امام حسینؑ قتل کردیے گئے' یا ہم یہ کہیں کہ امیر المومنین نے بعد از پیغمبرؐ شروع میں جنگ کیوں نہ کی؟ حد اکثر یہی ہوتا کہ آپ قتل ہو جاتے جس طرح امام حسینؑ قتل کردیے گئے' کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟ پھر ہم امام حسنؑ کے دور اور صلح کی شرائط پر بات کریں گے' دیگر آئمہ اطہار نے بھی امام حسنؑ کی صلح کی شبیہ کے طور پر زندگی گزاری! اصل مسئلہ یہ ہے فقط امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کی جنگ مسئلہ نہیں' اس مسئلے پر ہر حوالے سے بحث ہونی چاہیے۔

۲۴۳﴿ دونوں آئمہ کی زمانی شرائط میں فرق

ہم امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے زمانے کی شرائط پر غور کرتے ہیں' دیکھتے ہیں کہ کیا شرائط دو طرح کی تھیں کہ اگر امام حسنؑ' امام حسینؑ کی جگہ ہوتے تو وہی کرتے جو امام حسینؑ نے کیا اور اگر امام حسنؑ کی جگہ امام حسینؑ ہوتے تو وہی کرتے جو امام حسینؑ نے کیا یا ایسا نہ کرتے؟ یقیناً ایسا ہی ہے' فقط ایک نکتہ عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی یہ پوچھے کہ آیا اسلام صلح کا دین ہے یا جنگ کا؟ ہم کیا جواب دیں گے؟ قرآن سے رجوع کرتے ہیں' ہم قرآن میں دیکھتے ہیں کہ جنگ کا دستور بھی قرآن میں موجود ہے اور صلح کا بھی' کفار اور مشرکین کے لیے جنگ کے بارے میں کئی آیات ملتی ہیں۔

و قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا

سورہ بقرہ' آیہ ۱۹۰

ترجمہ: جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تم بھی ان سے راہ خدا میں جہاد کرو اور زیادتی نہ کرو۔

اسی طرح صلح کے بارے میں ہے:

و ان جنحوا للسلم فاجنح لها

سورہ انفال' آیہ ۶۱

اگر وہ صلح اور سلامتی کی طرف میلان رکھتے ہیں تو تم بھی ایسا کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا: و الصلح خیر (سورہ نساء آیہ ۱۲۸)

اور صلح بہتر ہے' پس اسلام ان دونوں (جنگ یا صلح) میں سے کس کا دین ہے؟ اسلام نہ تو صلح کو ایک ثابت حکم کے طور پر قبول کرتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہر جگہ جنگ ہوگی صلح نہیں ہوگی۔ جنگ و صلح ہر جگہ شرائط کے تحت ہے' یعنی اس اثر کے تابع ہے۔ جو اس سے لیا جاتا ہے' مسلمانوں کو چاہیے پیغمبرؐ کا دور ہو یا امیر المومنین کا' امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا دور ہو یا بقیہ ائمہ اطہار علیہم السلام کا ہر جگہ اپنے ہدف اور مقصد کو مدنظر رکھیں' وہ ہدف اسلام اور مسلمانوں کے حقوق ہیں۔ وہ یہ غور کریں کہ تمام شرائط اور حالات حاضرہ کا جائزہ لیکر کہ اگر جنگ اور مبارزہ کے ذریعے بہتر انداز میں اپنے ہدف تک پہنچ سکتے ہیں تو پھر اسے اختیار کرلیں یا احیاناً یہ تشخیص دے لیں کہ لڑائی جھگڑا ترک کرکے اور صلح کرنے سے بہتر اپنے ہدف تک پہنچ سکتے ہیں تو پھر صلح کا راستہ اپنائیں۔ یہ مسئلہ کہ جنگ یا صلح؟ دونوں درست نہیں دونوں شرائط کے ساتھ مربوط ہیں۔

۲۴۴ ﷺ صلح کا مقام اور جنگ کا مقام

ہم اس طرح سے اس مسئلے کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ جو موارد جہاد کو جائز قرار دیتے ہوں اور منطقی لحاظ سے بھی درست ہوں اور جو موارد صلح کو جائز سمجھتے ہیں منطق کے لحاظ سے بھی قبول کرلیں۔ پھر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا امام حسنؑ کا کام صلح کی جگہ جہاد کرنا تھا اور امام حسینؑ کا کام جنگ کی جگہ صلح کرنا تھا؟ (کیونکہ یہ دونوں اسلام کے ستون ہیں جہاد اور صلح) یا ایسا نہیں تھا؟ امام حسنؑ جہاں صلح کرنا تھی صلح کی اور امام حسینؑ نہ جہاں جہاد کرنا تھا وہاں جہاد کیا' جیسے امیر المومنین اور پیغمبرؐ نے مختلف موارد میں کیا یہ قطعاً درست ہے' پیغمبرؐ کے بلند مقام پر تو ہم بحث نہیں کرسکتے' کیونکہ پیغمبرؐ نے ایک جگہ صلح کی اور ایک جگہ جنگ کی۔

۲۴۵ ﷺ کیا فرق ہے؟

امام حسنؑ مسند خلافت پر تھے اور معاویہ بھی ایک حاکم کے عنوان سے موجود تھا۔ اگرچہ اس وقت تک خود کو خلیفہ یا امیر المومنین کا عنوان نہیں دیا تھا اور وہ امیر المومنین پر ایک طاغی اور اعتراض کرنے والا تھا کہ میں علی کی خلافت کو قبول نہیں کرتا کیونکہ علیؑ نے خلیفہ عثمان کو جو برحق خلیفہ تھا کے قاتلوں کو پناہ دی ہے' حتی کہ خود بھی عثمان کے قتل میں شریک تھا۔ پس علیؑ مسلمانوں کے خلیفہ نہیں ہیں۔ معاویہ خود ایک اعتراض

کرنے والا تھا برحق حکومت کو برحق نہیں سمجھتا تھا اس کے علاوہ اس کے ہاتھ سابقہ خلیفہ کے خون میں رنگے ہوئے تھے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اپنے آپ کو امیر المؤمنین کا لقب نہیں دیا تھا۔ یہی کہتا تھا کہ ہم اس خلافت کی پیروی ہرگز نہیں کریں گے۔

امام حسنؑ نے امیر المؤمنین کے بعد مسند خلافت سنبھال لی جبکہ معاویہ روز بروز قدرتمند ہوتا رہا' بعض خاص تاریخی وجوہات کی بنا پر امیر المؤمنین کی حکومت کے دور میں جب امام حسنؑ بھی اس حکومتی حالت کے وارث تھے تو اس دوران یہ حکومت داخلی طور پر کمزور ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تاریخ میں موجود ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے اٹھارہ دن بعد یہ وہ مدت ہے کہ جب یہ خبر بڑی سرعت تیزی سے شام تک پہنچی اور بعد میں معاویہ نے جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا معاویہ عراق کو فتح کرنے کے لیے نکلا اس وقت امام حسنؑ مسلمانوں کے خلیفہ کی حیثیت سے تھے جس کے خلاف ایک باغی اور خودسر جنگ کے لیے آمادہ ہو' اس حالت میں امام حسنؑ کے قتل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کا قتل ہو اور مرکز خلافت شکست سے دوچار ہو جائے' امام حسنؑ کی آخری دم تک لڑائی کی مثال عثمان کی مانند تھی نہ کہ امام حسینؑ جیسے حالات تھے۔ امام حسینؑ موجودہ حکومت پر معترض تھے اگر وہ موجودہ حکومت کے مقابلے میں قتل ہو بھی جاتے جبکہ ایسا ہی ہوا اور قتل ہو گئے' اس طرح قتل ہونا قابل افتخار ہے۔

امام حسنؑ کے حالات امام حسینؑ کے حالات کے برعکس تھے۔ یعنی ایک مسند خلافت پر ہے جبکہ دوسرا معترض ہے (اعتراض کرنے والا) اگر قتل ہوتا ہے تو مسلمانوں کا خلیفہ مسند خلافت پر قتل ہوتا ہے حتیٰ امام حسینؑ بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ جو مسند پیغمبرؐ پر خلیفہ کے عنوان سے بیٹھا ہے اسے قتل کر دیا جائے' کیوں؟ فرمایا یہ مکہ کا احترام ہے جو ختم ہو جائے گا' بہر حال مجھے قتل کر دیں گے' تو پھر کیوں مجھے خانہ خدا میں قتل کریں کیونکہ یہ خانہ خدا کی ہتک حرمت ہے۔

پس اگر امام حسنؑ مقابلہ کرتے تو آخر کار نتیجہ یہی رہتا جیسا کہ تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ وہ قتل ہو جاتے' لیکن مسند خلافت پر امام اور خلیفہ کا قتل اور امام حسینؑ کا ایک معترض کی صورت میں قتل ہونے میں فرق ہے۔ امام حسینؑ اور امام حسنؑ کے حالات میں یہ فرق ہے۔

دوسرا فرق یہ تھا کہ یہ کہنا درست ہے کہ عراق کی طاقت کمزور پڑ گئی تھی۔ یعنی کوفے کی طاقت کمزور ہو

رہی تھی۔ البتہ اس طرح بھی نہیں تھی وہ کلی طور پر پوری طرح کمزور ہو گئے تھے اگر معاویہ اسی طرح کارروائی جاری رکھتا تو بلاشبہ جس طرح پیغمبرؐ نے مکہ فتح کیا تھا وہ بھی ایسا ہی کرتا کیونکہ امام حسنؑ کے بہت سے اصحاب آپ سے خیانت کر چکے تھے اور کوفہ میں منافقین کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی اور کوفہ کی حالت ایسی تھی جو بہت سے تاریخی حوادث کی وجہ بنی۔

کوفہ کا ایک بڑا مسئلہ خوارج کی پیدائش تھا' امیر المومنین ان خوارج کو ان بے سروپا فتوحات کا موجب سمجھتے تھے' یہ لوگ تعلیم وتربیت حاصل کیے بغیر یکے بعد از دیگرے یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں درج ہے کہ جولوگ تعلیم وتربیت سے دور رہے' وہ اسلام کو نہ پہچان سکے اسلامی روح سے آشنا نہ ہو سکے ایسے لوگ مسلمانوں کے درمیان چلے آئے' بلکہ دوسروں سے زیادہ خود کو مسلمان سمجھتے تھے۔

بہر حال کوفہ میں ایسے چند لوگ ایک گروہ بنا چکے تھے' دوسری طرف ہم یہ اعتراف بھی کر سکتے ہیں کہ جو اخلاقی اصول وضوابط اور انسانیت ودین ایمان کا پابند نہیں ہوتا اس کا ہر میدان میں ہاتھ کھلا ہوتا ہے' معاویہ نے کوفہ میں ایک بڑی چھاؤنی بنا رکھی تھی اچھے خاصے پیسے خرچ کیے تھے' کوفہ میں مسلسل جاسوسوں کو بھیجتا رہتا تھا ان کے ذریعے کافی پیسے لوگوں میں بانٹتا تھا جو لوگوں کے ضمیر خرید لیتے منفی پراپیگنڈے کی انتہا کر دی اور لوگوں کو روحانی طور پر خراب کر دیا۔ یہ سب اپنی جگہ پر اگر اس حالت میں امام حسنؑ میدان میں نکل آتے تو ایسا کرنے سے معاویہ ایک بڑے لشکر کا مالک بن جاتا شاید یہ لشکر تیس یا چالیس ہزار افراد پر مشتمل ہوتا' جس طرح کہ تاریخ میں لکھا ہے امام حسینؑ ایک لاکھ افراد کو جمع کر سکتے تھے کہ جو معاویہ کے لشکر جرار جن کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی کا مقابلہ کر سکیں لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ جیسے جنگ صفین امیر المومنین کہ جن کے لشکر کی طاقت دشمن سے زیادہ تھی' اٹھارہ ماہ معاویہ سے جنگ کی تا کہ معاویہ کو مکمل طور پر شکست دے سکیں لیکن قرآن بر سر نیزہ جیسی سازش تیار کی گئی۔ اگر امام حسنؑ اس حالت میں جنگ کرتے تو مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان چند سالہ جنگ شروع ہو جاتی اور بغیر کسی نتیجے کے دسیوں ہزار مسلمان دونوں طرف سے قتل ہو جاتے' یہ احتمال بھی کہ معاویہ جنگ جیت لے جس طرح تاریخ سے ثابت ہے ایسا نہیں زیادہ احتمال اس بات کا تھا کہ امام حسنؑ شکست سے دوچار ہو جائیں گے۔ یہ امام حسنؑ کے لیے کیسے قابل فخر امر تھا کہ دو تین سال جنگ کریں اور اس جنگ میں دونوں طرف سے دسیوں ہزار یا

اس سے بڑھ کر ایک لاکھ تک مارے جائیں اور دونوں لشکر بے حال ہو جائیں اور امام حسنؑ مغلوب ہو کر مسند خلافت پر قتل ہو جائیں' لیکن امام حسینؑ ایک ایسے لشکر کے ہمراہ ہیں جن کی تعداد ۷۲ ہے اور آپؑ انہیں بھی اجازت دے رہے ہیں کہ چلے جائیں' فرمایا: اگر تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ' میں تن تنہا ان کا مقابلہ کروں گا یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں۔ ایسا قتل جو قابل فخر ہو۔

پس یہ دو فرق موجود ہیں' ایک یہ کہ امام حسنؑ مسند خلافت پر تھے' اگر قتل ہو جاتے تو مسلمانوں کا خلیفہ مسند خلافت پر قتل ہوتا' دوسرا یہ کہ امام حسنؑ کے لشکر کی تعداد کم از کم معاویہ کے لشکر کے برابر تھی اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلتا کہ سال ہا سال مسلمان جنگ کرتے اور ہزاروں مسلمانوں کسی صحیح نتیجے پر پہنچے بغیر قتل ہو جاتے۔

۲۴۶﴾ قیام کے تین بنیادی عوامل

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے دور میں تمام شرائط میں بہت زیادہ فرق تھا۔ امام حسینؑ کے قیام میں تین بنیادی عوامل کارفرما تھے۔ ان تینوں عوامل پر غور کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسنؑ کے دور میں ان تینوں عوامل کی اور شکل تھی' امام حسینؑ کے دور میں پہلا عامل یہ تھا کہ ظالم حکومت امام حسینؑ سے بیعت طلب کر رہی تھی۔ خذ الحسین بالبیعه اخذاً شدیداً لیس فیه رخصة حسینؑ سے بیعت لینے میں سختی سے کام لو اور کسی قسم کی رعایت نہ برتی جائے۔ بیعت لینا ضروری ہے۔

امام حسینؑ سے بیعت کرنے کا تقاضا کیا گیا' اس عامل کی رو سے امام حسینؑ کا جواب منفی تھا' کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ امام حسنؑ نے کیا کیا؟ جب یہ طے پا گیا کہ معاویہ سے صلح کرنی ہے' تو کیا معاویہ نے امام حسنؑ سے بیعت کا تقاضا کیا کہ تم میری بیعت کرو؟ (بیعت یعنی خلافت کو قبول کرنا) بلکہ صلح کی شرائط میں سے یہ تھا کہ بیعت کا تقاضا نہیں ہوگا' ظاہری طور کسی بھی مورخ نے یہ دعویٰ نہیں کیا امام حسنؑ یا ان کی طرف سے کوئی آیا ہو اور اس نے معاویہ کی بیعت کی ہو جیسے امام حسینؑ اور ان کے بھائی اور اصحاب اور اماؑم کے دوستوں نے بیعت کی ہو' بیعت کا کہیں پر ذکر تک نہیں ملتا' اس لیے بیعت ایک ایسا عامل ہے کہ جس نے امام حسینؑ کو شدت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ کر دیا اور امام حسنؑ کی صلح میں اس کا کوئی دخل نہیں۔

امام حسینؑ کے قیام کا دوسرا عامل کوفہ کے لوگوں کی دعوت ہے' ایک ایسا شہر جو تیار ہو کوفہ کے لوگ معاویہ کے بیس سالہ مظالم سے تنگ آچکے تھے اور اسے برداشت کرتے رہے اور حقیقت میں وہ بیتاب تھے' بعض اس بات کے معتقد ہیں کہ حقیقی طور پر کوفہ کے حالات صدر در صد اس کام کے لیے تیار تھے کہ ایک غیر متوقع واقعہ نے حالات کا رُخ ہی بدل دیا۔ کوفہ کے لوگوں نے اٹھارہ ہزار خط لکھے جو امام حسینؑ کو آمادہ کرنے کے لیے تھے' امام حسینؑ کوفہ آئے لیکن لوگوں نے آپؑ کی نصرت نہیں کی' البتہ سب یہی کہتے ہیں کہ حالات مکمل طور پر امامؑ کے حق میں نہیں تھے' البتہ اگر امام حسینؑ ان خطوط کے آنے پر اپنا پروگرام نہ بناتے تو تاریخ میں ہمیشہ کے لیے سوالیہ نشان بن جاتے لوگ یہ کہتے کہ امامؑ نے ایک بہترین موقع ضائع کر دیا۔ جبکہ امام حسنؑ کے لیے کوفہ کے حالات یکسر اس کے برعکس تھے کوفہ تھکا ماندہ اور ناراض شہر کی صورت اختیار کر چکا تھا' متفرق اور مردد شہر بن گیا تھا۔

ایک ایسا شہر بن گیا تھا جہاں پر اختلافی عقائد کی جنگ برپا تھی' ایسا شہر تھا کہ امام علیؑ اپنی خلافت کے آخری ایام میں کوفہ کے لوگوں سے بار باران کی عدم آمادگی کی شکایت کرتے رہے اور مکرر یہ کہتے رہے: خدایا! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے اٹھا لے اور ان پر ایسی حکومت (حکمران) مسلط کر جس کے یہ اہل ہیں تاکہ بعد میں یہ میری حکومت کی قدر جان سکیں۔ یہ جو میں نے عرض کیا (کہ کوفہ کے لوگ امامؑ کی نصرت کے لیے تیار تھے) یعنی یہ امام حسینؑ پر اتمام حجت تمام ہو چکی تھی یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں کی مانند یہ کہوں کہ کوفہ کے لوگ حقیقت میں تیار تھے اور امام حسینؑ بھی اس عامل کو حقیقت سمجھ رہے تھے۔ ایسا نہیں بلکہ امام حسینؑ پر ایک عجیب اتمام حجت تھی' فرض کریں کہ کوفہ کے لوگ تیار نہیں تھے اس کے باوجود اس اتمام حجت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

تیسرا عامل جو امام حسینؑ کے قیام کی وجہ بنا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔ اس سے قطع نظر کہ وہ امام حسینؑ سے بیعت طلب کر رہے تھے اور آپؑ اس بیعت سے انکاری تھے اس سے قطع نظر کہ کوفہ کے لوگ آپؑ کو دعوت دے رہے تھے اور امام حسینؑ پر حجت تمام ہو چکی تھی امام حسینؑ نے ان کے جواب میں اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔ ان سب سے قطع نظر ایک مسئلہ ایسا بھی تھا جس کی وجہ سے آپؑ نے قیام کیا۔

یعنی اگر آپؑ سے بیعت کا تقاضا نہ بھی کرتے تب بھی آپؑ قیام کرتے۔ اگر کوفہ کے لوگ دعوت نہ

دیتے پھر بھی قیام کرتے وہ مسئلہ کیا تھا؟ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

۲۴۷۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حالات کا موازنہ

جب ہم امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے حالات کا موازنہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کسی بھی طرح موازنہ کرنا ممکن نہیں آخری بات جو کرنے لگا ہوں وہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی منطق شمشیر برہنہ کی مانند تھی وہ کیا تھا؟

من رای سلطانا جائراً مستحلا لحرام الله' کان حقا علی الله' ان

یدخله مدخله

کہ اگر کوئی ظالم شخص کی حکومت کو دیکھے کہ وہ ناجائز کام کر رہا ہو اور ان کو دیکھ کر وہ چپ رہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا شخص گناہگار ہے۔

لیکن امام حسنؑ کے لیے ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ امام حسنؑ کے لیے حد اکثر یہی ہوتا کہ اگر یہ آ گئے تو بعد میں یہ کریں گے اور یہ بات کہ اگر یہ آ گئے تو ایسا کریں گے اس بات کے علاوہ ہے کہ انہوں نے ایک کام کیا ہے اور اب ہمارے پاس اس کے لیے سند اور حجت ہے۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کی صلح قیام حسینی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی' ضروری تھا کہ امام حسن علیہ السلام ایک عرصہ تک کے لیے خاموش ہو جائیں تاکہ اموی خاندان کی اصلیت اور حقیقت لوگوں پر آشکار ہو جائے اور اس کے بعد ایسا عالمگیر انقلاب آئے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاریخ انسانی کے ماتھے کا جھومر بن جائے' معاویہ نے جب قرارداد کے اصولوں کی کھلے عام خلاف ورزی کی تو امام حسنؑ کے کچھ شیعہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا حضرتؑ اب وہ قرارداد خود بخود ختم ہو گئی ہے کیونکہ معاویہ نے خود ہی اسے منسوخ کر دیا ہے اور اس کے اصولوں کو پامال کر دیا ہے' لہٰذا آپؑ اٹھیے' قیام فرمایئے۔

فرمایا: یہ انقلاب معاویہ کے بعد ہی آئے گا' یعنی آپ لوگ صبر کریں' ایک مناسب وقت کا انتظار یں۔ یہاں تک کہ صورتحال واضح ہو جائے' وہی وقت قیام ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسنؑ ویہ کے بعد تک زندہ رہتے تو آپؑ وہی کرتے جو امام حسینؑ نے کیا تھا۔ آپ ہر صورت میں اعلانیہ طور

پر علم جہاد بلند کرتے' متذکرہ بالا قیام حسینی کے تین محرکات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ امام حسنؑ کا زمانہ امام حسینؑ کے دور سے یکسر مختلف تھا۔

ایک امامؑ سے بیعت طلب نہیں کی گئی اور دوسرے سے کی گئی دراصل بیعت کرنا بذات خود بہت بڑا مسئلہ ہے۔ امام حسینؑ کے لیے کوفہ کے لوگوں کی طرف سے حجت تمام ہوچکی تھی اور لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ کوفہ بیس سال کے بعد بیدار ہو رہا ہے۔ معاویہ کے بیس سال بعد والا کوفہ اب کوفہ نہیں رہا۔ اب یہ علیؑ کے قدر شناس ہیں۔ امام حسنؑ کے قدر شناس ہیں' امام حسینؑ کا نام لیا جاتا تو لوگ اشک بہانے لگتے' درختوں نے میوے دینے شروع کر دیا اور زمین سرسبز ہوگئی۔ اب آپؑ آجائیں ہم ہر لحاظ سے تیار ہیں۔ یہ دعوت امام حسینؑ کے لیے اتمام حجت تھی جبکہ امام حسنؑ کے لیے صورتحال اس کے برعکس تھی' جو بھی کوفہ کے حالات دیکھتا تھا تو یہ سمجھ لیتا تھا کہ کوفہ کسی کام کے لیے بھی تیار نہیں۔ تیسرا مسئلہ حکومت کا عملی فساد تھا۔ (حکومت کے عملی فساد پر بات نہیں کروں گا کیونکہ عملی فساد ایک اور مطلب ہے) معاویہ امام حسنؑ کے دور میں اتنا آشکار نہیں ہوا تھا کہ اس کی ماہیت ظاہر ہوتی تا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے زمین ہموار ہوتی۔ لیکن امام حسینؑ کے دور میں صد در صد ایسے حالات تھے۔

۲۴۸﴾ امام حسنؑ کی وقتی صلح

معاویہ کے مرنے کے بعد حکومت کرنے کا حق امام حسن علیہ السلام کا ہوگا۔ اور ان کے بعد امام حسین علیہ السلام مسند رسولؐ کے وارث ہوں گے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صلح عارضی مدت کے لیے تھی کہ اب ہم جا رہے ہیں لہٰذا تو جانے اور یہ خلافت جب تک جی چاہے حکومت کرتا رہے پھر یہ صلح معاویہ کی زندگی تک تھی۔ اس کے بعد یہ صلح خود بخود ختم ہوجائے گی اس لیے معاویہ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ سازشوں کے جال بچھاتا پھرے اور نہ ہی وہ کوئی دوسرا شخص بطور خلیفہ معین کر سکتا ہے۔

۲۴۹﴾ دونوں آئمہ کی شرائط کا نادرست موازنہ

اگر امام حسین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کی جگہ پر ہوتے تو آپ بھی وہی کرتے جو کہ آپ کے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام نے کیا تھا۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام معاویہ کے بعد تک زندہ رہتے

تو آپ امام حسین علیہ السلام کی مانند قیام کرتے ان دونوں ہستیوں کا طرز زندگی اور حکمت عملی ایک جیسی تھی کیونکہ وہ ایک شجر کے دو ثمر تھے۔

امام حسن علیہ السلام کی صلح میں کوئی ایسا مسئلہ نظر نہیں آتا جس پر اعتراض کیا جائے کہ اگر موازنہ کریں کہ مسند خلافت پر امام حسن علیہ السلام وہ تمام اختلافات جو ہم نے بیان کیے اس کے باوجود اگر معاویہ کی موت کے بعد امام حسنؑ ہوتے تو صلح نامہ پر دستخط کر دیتے اگر امام حسن علیہ السلام معاویہ کے بعد زندہ رہتے تو امام حسین علیہ السلام کی مانند قیام نہ کرتے کیونکہ شرائط مختلف تھیں اس طرح موازنہ کرنا درست نہیں ہے۔

امام حسینؑ اور دیگر ائمہ علیہم السلام کے دور میں شرائط اور تقاضوں کا موازنہ

۲۵۰۔ امام حسینؑ مظلومیت کی بلندی پر

السلام علیک یا ابا الحسن' السلام علیک یا امیر المؤمنین

ہمارا سلام ہو آپ پر اے ابوالحسن! اے مؤمنون کے سردار مولا آپ نے مظلومانہ جام شہادت نوش فرمایا اور جب تک زندہ رہے تو بھی دنیا کے سب سے بڑے مظلوم کے طور پر زندہ رہے پھر آپؑ کی قبر پر برسوں تک اداسی اور مظلومیت چھائی رہی۔ آقا میں نہیں جانتا کہ آپؑ زیادہ مظلوم ہیں یا آپ کے بیٹے امام حسین علیہ السلام زیادہ مظلوم ہیں؟ جس طرح حضرت علی علیہ السلام کی لاش مبارک دشمنوں کے شر سے محفوظ نہ تھی۔ اس طرح آپؑ کے عزیز بیٹے امام حسین علیہ السلام کی لاش مبارک بھی غیر محفوظ تھی شاید اسی وجہ سے تو فرمایا ہے: لا یوم کیومک یا ابا عبداللہ کہ کوئی دن میرے فرزند حسین علیہ السلام کی مظلومیت والے دن سے بڑا نہیں ہے امام حسن علیہ السلام نے علی علیہ السلام کی لاش کو پوشیدہ کیوں رکھا؟ اس لیے کہ کوئی ظالم آپؑ کے جسم اطہر کی توہین نہ کرے لیکن کربلا میں ایسا نہ ہوسکا سب تو مارے جا چکے تھے ایک بیمار ہی باقی بچا تھا۔ امام زین العابدین اس قدر بیمار' بے کس' مجبور اور غریب الوطن تھے کہ شہادت کے بعد اپنے مظلوم بابا کی میت کو دفن نہ کر سکے بالآخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا کہ آپؑ کے جسم اطہر سے بوسیدہ لباس بھی اتار لیا گیا ایک شخص کہتا ہے:

لباس کہنہ چہ حاجت کہ زیر سم ستور
تنی نماند کہ پوشند جامہ بر بدنش

۲۵۱۔ امام حسینؑ کی روش کا دیگر ائمہ سے موازنہ

یہاں پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ تمام ائمہ اطہار علیہم السلام شہید کیوں ہوئے ہیں؟ حالانکہ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے سوا کوئی بھی امام تلوار لے کر میدان جہاد میں نہیں آیا۔ امام سجادؑ خاموشی کے باوجود شہید کیوں ہوئے؟ اسی طرح امام محمد باقرؑ امام صادقؑ امام موسیٰ کاظمؑ اور باقی ائمہ شہید کیوں ہوئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی کہ اگر یہ سمجھیں کہ امام حسینؑ اور دیگر ائمہ طاہرین کے انداز جہاد میں فرق ہے؟ اسی طرح کچھ ناسمجھ لوگ یہاں تک کہ دیتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام ظالم حکمرانوں کے ساتھ لڑنے کو ترجیح دیتے تھے اور باقی آئمہ خاموشی کے ساتھ زندگی گزار ناپسند کرتے تھے۔ درحقیقت اعتراض کرنے والے یہ کہہ کر بہت غلطی کرتے ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو حقیقت حال کو جانچنا اور پہچاننا چاہیے۔

۲۵۲۔ دستورالٰہی

کافی (کتاب) میں معتبر سند کے ساتھ یہ صحیح حدیث جو ضُریس کنانی سے ہے کہتا ہے (حمران بن اعین شیبانی) نے امام باقر علیہ السلام سے عرض کیا' قربان جاؤں ملاحظہ کیجئے جو امیر المؤمنین علیہ السلام اور حسنین علیہم السلام کے ساتھ ہوا' تحریک اور جہاد فی سبیل اللہ اور جو کچھ ہوا بالآخر قتل ہوگئے جابر حکمرانوں نے ایسا کر دکھایا اور مغلوب ہوگئے۔

حضرتؑ نے فرمایا جو کچھ بھی ہوا خدا نے اسے مقدر کیا ہوا تھا اور اسے خدا نے جاری کیا اور تائید کی اور یہ حتمی تھا علیؑ وحسنؑ وحسین علیہم السلام فبتقدم علم ذلک الیھم من رسول اللہ کو جو دستور رسولؐ خدا سے پہنچا تھا ہر امام نے جو سکوت اختیار کیا اسی دستور کی بنیاد پر تھا۔

۲۵۳۔ دو آئمہ کی زمانی شرائط کا تجزیہ

امام صادق علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں زمین تا آسمان کا فرق ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا زمانہ پریشانیوں کا دور تھا۔ اسی لیے آپؑ کی امامت کی مدت میں ظاہراً پانچ یا چھ جملے ہی نقل

ہوئے اس کے برعکس امام صادق علیہ السلام کے سیاسی اختلافات نے ثقافتی اور تعلیمی فرصت کی راہ ہموار کردی کہ آپؑ کے چار ہزار شاگرد کے نام ثبت ہیں۔ لہٰذا اگر ہم فرض کریں (جبکہ یہ فرض غلط ہے) کہ امام صادق کے حالات ایسے ہی تھے جیسے امام حسینؑ کے دور کے تھے جبکہ ایسا نہیں تھا ایک اور واضح فرق جو امام حسینؑ اور امام صادقؑ کے حالات کے درمیان موجود ہے وہ یہ کہ امام حسینؑ کی شہادت کے آثار بہت زیادہ ظاہر ہوئے' اگر شہید نہ ہوتے تا کیا ہوتا؟ ایک معطل وجود کی مانند جسے گھر میں نظر بند کردیا گیا ہو' اگر فرض کریں کہ امام صادقؑ شہید ہو جاتے اور وہی نتائج جو امام حسینؑ کی شہادت سے برآمد ہوئے لیکن شہید نہیں ہوئے بلکہ ایک ایسی علمی تحریک کی اسلامی دنیا میں رہبری کی جو تمام اسلامی دنیا میں فقط شیعہ کے لیے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے لیے بھی موثر رہی۔

۲۵۴۔ آئمہ کا قیام اور سکوت کی وجہ

یہاں ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ امام صادقؑ کی مشخصات اور خصوصیات کیا تھیں اور انہوں نے اپنی فعالیت اسلامی نقطہ نظر سے کس طرح جاری رکھی' اگر امام حسینؑ بھی اس دور میں ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے' اس دور اور امام حسینؑ کے دور میں کیا فرق ہے؟ البتہ بحث یہ نہیں کہ حکومت سازی کا موقعہ تھا آپؑ نے فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟ بات یہ ہے کہ امامؑ نے اپنے آپ کو قتل کیوں نہ ہونے دیا؟

۲۵۵۔ اسلامی دنیا کے حالات دو آئمہ کی زندگی میں

امام حسینؑ کی شہادت اکسٹھ ہجری میں ہوئی اور امام صادقؑ کی وفات ۱۴۸ میں ہوئی ان دونوں آئمہ کی وفات میں ۸۷ سال کا وقفہ ہے۔ اس بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دو آئمہ کے زمانے میں ۸۷ سال کا فرق ہے۔ اس دوران اسلامی دنیا کی حالت بالکل بدل چکی تھی' امام حسینؑ کے دور میں اسلامی دنیا کے لیے فقط ایک ہی مسئلہ تھا وہ تھا حکومت اور خلافت کا مسئلہ' تمام عوامل کو حکومت و خلافت ہی تشکیل دیتی تھی خلافت کے ذریعے ہی سب کچھ طے پاتا تھا یعنی جو اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تھا اسی حالت پر ہی باقی تھا' بحث یہ تھی کہ خلافت کا حق دار کون ہے؟ اس لیے کہ خلافت کا مکمل اثر و نفوذ حکومت کے تمام شعبوں اور معاملات میں تھا' معاویہ کا سیٹ اپ ایک ڈکٹیٹر کی صورت میں تھا' یعنی اس نے اپنے دور کے مطابق

شرائط و قوانین کے ذریعے ایسا ماحول بنا دیا کہ اس میں سانس لینا بھی دشوار تھا' اگر لوگ ایک دوسرے سے کچھ نقل کرنا چاہتے تو یہ حکومت کے برخلاف قدم قرار دیدیا جاتا' ایسا کرنا ناممکنات میں سے تھا' تاریخ بتاتی ہے کہ اگر کوئی ایک حدیث کسی کو بتانا چاہتا تھا اور وہ حدیث علیؑ کی فضیلت پر ہوتی اس وقت تک اسے نہیں بتاتا تھا جب تک اسے سو فیصد یقین نہ ہو جائے کہ یہ راز فاش نہیں کرے گا' کہیں چھپ کر جاتے صندوق کھولتے اور اسے پڑھتے تھے' عجیب صورتحال بن کر رہ گئی تھی ہر جگہ نماز جمعہ میں امیر المومنین پر لعن ہوتی تھی اور یہ بھی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سامنے امیر المومنین کو مسجد پیغمبرؐ بر سر منبر لعن کرتے تھے۔ لہذا ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی تاریخ یعنی حضرت علی علیہ السلام کی شہادت سے امام حسینؑ کی شہادت تک مجہول ہے' ایک مجہول تاریخ ہے' کوئی معمولی سا ذکر بھی امام حسینؑ کے بارے میں نہیں ملتا' کوئی خبر یا کوئی حدیث ایک جملہ' ایک مکالمہ' ایک خطبہ یا ایک ملاقات ہی نقل ہوئی ہو' ایسی صورتحال بنا کر رکھ دی گئی کہ کوئی بھی ان سے ملاقات نہ کر سکے امام حسینؑ اسی طرح پچاس سال اور بھی زندہ رہتے تو ایسے ہی حالات رہتے یعنی تین جملے بھی آپ سے نقل نہ ہوتے کیونکہ ہر طرح کی فعالیت آپؑ سے سلب کر لی گئی تھی۔

۲۵۶۔ اگر امام صادق علیہ السلام نہ ہوتے۔۔۔؟

یعنی وہ کیسے حالات یا ماحول تھا جو امام صادق علیہ السلام کو میسر آیا لیکن امام حسین علیہ السلام کو نہیں؟ سید الشہداء یا پوری زندگی گھر میں گزار دیتے۔ رہن سہن کا بندوبست کرتے اور اللہ کی عبادت کرتے حقیقت میں زندانی رہتے یا قتل ہو جاتے' لیکن امام صادق علیہ السلام کے لیے ایسے حالات نہیں تھے کہ یا تو قتل ہو جائیں یا پھر خاموش بیٹھ جائیں بلکہ یا قتل ہو جائیں یا پھر موجودہ شرائط میں رہتے ہوئے فعالیت دکھائیں کام کریں۔ ہم اس مطلب کو روشن کریں گے کہ بعد میں آنے والے آئمہ نے امام حسین علیہ السلام کے قیام کو کیسے اہمیت دی اور روشن کیا۔ ہم اسے درک نہیں کر سکے اگر امام صادقؑ نہ ہوتے امام حسینؑ نہ ہوتے اگر امام حسینؑ نہ ہوتے تو امام صادقؑ نہ ہوتے یعنی اگر امام صادقؑ نہ ہوتے' امام حسین علیہ السلام کی تحریک اتنی روشن اور ثابت نہ رہتی' اس کے باوجود امام صادق علیہ السلام نے حکومت اور خلافت

پر اعتراض نہ کیا' لیکن سب جانتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے خلفاء کی تائید بھی نہیں کی' مخفیانہ طور پر مبارزہ جاری رکھا' سرد جنگ جاری رہی' خلفاء کے عیب مظالم پوری دنیا میں امام صادق علیہ السلام کے وسیلے سے عیاں ہوئے اسی لیے منصور آپؑ کے بارے میں ایک عجیب تعبیر بیان کرتا ہے کہتا ہے: ھذا الشجی' معترض فی الحلق جعفر بن محمد میرے گلے میں ایک ہڈی کی مانند ہے' نہ میں باہر نکال سکتا ہوں اور نہ ہی نگل سکتا ہوں' نہ ہی کوئی ایسا الزام لگا کر انہیں سزا دے سکتا ہوں اور نہ ہی میں یہ برداشت کرسکتا ہوں' میں حقیقت میں اس سے آگاہ ہوں کہ جس مکتب کے لیے یہ کام کر رہے ہیں ہمارے خلاف ہے کیونکہ اس مکتب سے جو بھی استفادہ کریں گے سب ہمارے خلاف ہوں گے۔

لیکن میرے ہاتھ میں کوئی بھی ایسا ثبوت نہیں ہے کہ اس کے خلاف کارروائی کرسکوں' یہ منصور کی تعبیر ہے کہ ہڈی میرے گلے میں ہے نہ باہر نکال سکتا ہوں اور نہ ہی نگل سکتا ہوں۔

۲۵۷ امر بالمعروف کی شدید ترین نوعیت

قرآن میں ہے: یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ

اسی طرح: لیقوم الناس بالقسط

اسی طرح فرمایا: انا ارسلناک شاھداً و مبشراً و نذیراً و داعیا الیٰ اللہ باذنہ

آئمہ اطہار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے' اس میں سب سے زیادہ شدت قیام امام حسینؑ میں موجود ہے ثانیاً علم کا نشر کرنا ہے جس کا نمونہ امام صادق علیہ السلام کا مکتب ہے۔

۲۵۸ امام حسین علیہ السلام کا زمانہ

جو روح' عقل اور مستقیم فکر کے مالک ہیں اور موضوع شناس بھی ہیں اور زمانے کے تقاضے بھی درک کرسکتے ہیں کہ اسلامی مصلحت کا تقاضا کیا ہے کہ ایک ایسا وقت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی تحریک قیام بالسیف (تلوار) کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ایک وقت ایسا ہے کہ امام صادق علیہ السلام کی تحریک تعلیم و ارشاد اور عمومی تعلیمات اور فکری تبدیلی کے لیے آمادہ ہے۔

۲۵۹ سید الشہداء کی زیارت کی اہمیت

امامؑ سے سوال کیا جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنا کیسا ہے؟ فرمایا: مستحب ہے' ایک

اور امامؑ سے یا اسی امامؑ سے کسی اور وقت یہی سوال کیا گیا فرمایا: واجب ہے یا اس طرح سے کہا کہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ واجب ہے (مثلاً کہا کہ) ضروری ہے کہ ایسا کریں۔ اسے ترک نہ کریں' ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا سوال پھر کسی نے کیا ہو تو امامؑ نے (ہوسکتا ہے یہ کہا ہے) اب ضرورت نہیں تمہاری مرضی ہے جاؤ یا نہ جاؤ۔

ایک عام سادہ طبیعت کا انسان کہتا ہے کہ جواب میں اختلاف موجود ہے' کہ ایک جگہ تو یہاں تک کہا کہ واجب ہے' ایک جگہ یہ کہا کہ مستحب مؤکد ہے اور ایک جگہ مستحب غیر مؤکد (تاکید) کے طور پر کہا ہے۔

لیکن ایسا نہیں یہ تعارض نہیں ہے' یہ سب شرائط کا اختلاف ہے' بعض اوقات معمولی شرائط تھیں۔ خود زیارت قبر پیغمبر و امامؑ حتیٰ کہ تمام اولیاء کی زیارت اس لیے ہے کہ تجدید ہو جائے یہ ایک تربیتی عامل ہے اور فی حد ذاتہ مستحب ہے لیکن یہی مستحب ایک موقع پر حرام بھی ہو جاتا ہے ایک مرتبہ واجب ہو جاتا ہے مثلاً متوکل کے زمانے میں حالات کشیدہ تھے اور بہت زیادہ سختی تھی سازش یہ تھی کہ امام حسینؑ کی زیارت گاہ کا خاتمہ کیا جائے' یہاں آئمہ تشخیص دیتے ہیں کہ اس روش کا مقابلہ کیا جائے' ایک جدید مسئلہ پیش آتا ہے کہ خلیفہ وقت کے طرز عمل کے خلاف کام کرنا ہے یہاں دستور دیتے ہیں کہ واجب ہے اور واقعاً واجب تھا۔

امام حسینؑ کی تحریک کا دیگر تحریکوں اور قیام سے مقایسہ

۲۶۰﴿ اصحاب معاویہ اور اصحاب ابن زیادہ میں تفاوت (فرق)

عقاد اپنی کتاب ابوالشہد ا ص ۱۱۲ میں یہ کہتا ہے:

ان الذین انخدعوا او تخادعوا... و الاجام

چند ایسے نکات جو اصحاب معاویہ اور اصحاب ابن زیاد کے درمیان فرق ہے کے بارے میں یہاں بیان کرتے ہیں۔

الف: صفین میں اصحاب معاویہ اور کربلا میں اصحاب یزید کے درمیان فرق تھا۔ معاویہ ظاہر سازی کے ذریعے ایک قسم کا فریب دے رہا تھا اصحاب معاویہ یہ خیال کر رہے تھے کہ وہ مظلوم خلیفہ کے انتقام کی خاطر ایسا کر رہا ہے۔ اس وقت معاویہ کے مقاصد سے پردہ نہیں اٹھا تھا۔ برخلاف یزید اور دور یزید' اسی دلیل کی بناء پر نفاق معاویہ اس طرح سے امام علیؑ کے دور میں آشکار نہیں ہوا تھا جتنا امام حسینؑ کے دور میں ہو چکا تھا لیکن لوگ ان بیس سالوں میں فکری لحاظ سے اس قدر پیچھے ہوتے گئے کہ معاویہ کے دور میں حادثہ کربلا جیسے واقعے کے لیے بنو امیہ کا دفاع کرنے لگے۔ پس بنی امیہ لوگوں کو ایک عرصہ تک پسماندہ رکھنے میں کامیاب رہے۔

ب: معاویہ کے مسئلے میں خون کا بدلہ خون جیسے انتقام نے لوگوں کو متحرک کر دیا اس میں کوئی شک نہیں

کہ جہالت اور عربی عصبیت اور خونخواہی اور خونخواری جو کہ عرب کی طبیعت میں ظاہر ہوئی۔ اس حادثہ میں بدرجہ اتم موجود تھی لیکن اسلامی رنگ لیے ہوئے تھی۔

ج: معاویہ نے اپنی خلافت کے دوران خود ایک اہم کام کیا جو بنوامیہ کی حکومت کے زوال کا باعث بن گیا اور وہ اہم کام یزید کو ولی قرار دینا تھا اول تو یزید ناصالح مرد تھا ثانیاً یہ ولایت کا عہدہ اصل میں خلافت کو بطور سلطنت اپنے ہاتھ میں لینے کا پروگرام تھا معاویہ نے تمام کاموں کی طرح خلافت کی روش کو بھی تبدیل کر کے سلطنت (بادشاہت) کا رنگ دیدیا' عثمان کے دور سے ہی بنوامیہ نے خلافت کو اپنے لیے ملک کا درجہ دے رکھا تھا۔

د: کربلا میں بنوامیہ کے اعوان انصار

۲۶۱﴾ روز عاشورا اور دوسری جنگوں کا تجزیہ

میں نے ایک دن یہ حساب کیا تو پتا چلا کہ تقریباً اکیس (۲۱) جنایت (مظالم) ایسی ہیں جنہیں انجام دیا گیا ہے اور یہ خیال نہیں تھا کہ ایسے مظالم دنیا میں انجام پائیں گے کہ اس قدر ظلم ہوں گے' البتہ صلیبی جنگیں اور یورپ کی جنگیں عجیب ہیں کے جرأت نہیں ہے کہ یہ کہوں حادثہ کربلا سے زیادہ مظالم کسی اور حادثے میں واقع ہوئے ہوں کیونکہ میری توجہ ایک ایسی صلیبی جنگ کی طرف ہے کہ ایسے مظالم ہیں جو عیسائیوں نے انجام دیئے ہیں۔

اور ایک اور ظلم جو یورپیوں نے اسلامی ملک اندلس میں انجام دیا کہ یہ بھی عجیب ہے اندلس کی تاریخ جو آیتی مرحوم نے جسے یورنیورسٹی والوں نے چھاپا کیا ہے پڑھیں یہ کتاب بہت زیادہ تحقیقی اور پڑھنے کے قابل ہے۔

اس کتاب میں تحریر ہے: یورپین نے ایک لاکھ مرد و زن اور بچوں کو اجازت دیدی کہ جہاں جانا چاہتے ہیں چلے جائیں جب یہ نکل کھڑے ہوئے تو پشیمان ہو گئے' شروع سے ہی دھوکہ کھا بیٹھے' بہر حال یہ ایک لاکھ افراد قتل ہو گئے ان کے سر کاٹ لیے گئے' مشرقی لوگ ہر گز مغربی لوگوں کے مظالم کو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ اگر مشرقی سرزمین پر گھوم پھر کر دیکھیں تو دو مظالم حتیٰ کہ آپ کو بنوامیہ کے پاس بھی نہیں ملیں

گے ایک زندہ لوگوں کو آگ لگا دینا اور دوسرا عورتوں کا قتل عام' لیکن مغربی زمین پر یہ دونوں مظالم فراوان ملیں گے' عورت کا قتل کرنا مغربی سرزمین کی تاریخ میں ایک بڑا موضوع ہے' کبھی بھی آپ یقین نہ کیجئے کہ ان کے اندر انسانی روح موجود ہے' جو ویتنام میں ہوا وہی صلیبی جنگ اور ان جنگ اندلس کا تسلسل ہے یہ کہ چند ہزار لوگوں کو زندہ آتش میں جھونک دینا اگر چہ یہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں' مشرق کے لوگ ایسا نہیں کر سکتے مشرقی سرزمین پر ایسا واقعہ نہیں ہو سکتا' ایسے واقعات مغربی لوگ ہی انجام دیتے چلے آ رہے ہیں اور یہ بیسویں صدی کے واقعات ہیں۔

صحرائے سینا میں کئی ہزار افراد کو بھوکا و پیاسا رکھیں تا کہ یہ مر جائیں' اس لیے کہ اگر انہیں اسیر کریں تو انہیں خوراک دینا پڑے گی یہ مغرب کی سرزمین کا تحفہ ہے' مشرقی یہ مظالم انجام نہیں دے سکتے فلسطین کے یہودی سو فیصد مغربی یہودیوں سے شریف ہیں اگر فلسطین کے لوگ اسی فلسطین کے یہودی ہوتے تو یہ مظالم نہ ہوتے' یہ سب مظالم مغربی یہودیوں کے ہیں بہر حال میرے اندر یہ جرأت نہیں کہ یہ کہہ سکوں کہ کربلا کے مظالم سے بڑھ کر دنیا میں مظالم ہوئے ہوں لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایسا مشرقی سرزمین پر واقع ہونا مشکل ہے۔

۲۶۴ انصار امام حسین علیہ السلام کی اہمیت

سپین کی جنگ میں طارق بن زیاد نے جب اسپین فتح کر لیا اور اپنی کشتیوں پر دوسرے کنارے تک پہنچے تو حکم دیا کہ چوبیس گھنٹوں کے لیے غذا رکھ لی جائے اور باقی جو کچھ بھی ہے اسے کشتیوں سمیت آگ لگا دی جائے اس کے بعد فوجیوں اور افسروں کو جمع کیا اور اس عظیم دریا کی طرف اشارہ کیا اور کہا ایہا الناس! دشمن تمہارے سامنے اور دریا تمہارے پیچھے ہے' اگر فرار کرنا چاہو گے تو سوائے غرق ہونے کے کوئی اور راستہ نہیں ملے گا' کوئی کشتی نہیں ہے جو تمہیں نجات دے سکے اس طرح غذا بھی! اگر سستی دکھاؤ گے تو فقط چوبیس گھنٹے باقی ہیں' اس کے بعد تم مر جاؤ گے اس لیے تمہاری نجات فقط دشمن کو تباہ و برباد کرنے میں ہی ہے' تمہاری غذا دشمن کے قبضے میں ہے' اس کے علاوہ کوئی راہ نہیں یعنی انہیں مجبور کر دیا اب یہ لوگ خون کے آخری قطرے تک جنگ نہ کریں تو پھر کیا کریں؟

لیکن امام حسین علیہ السلام نے طارق بن زیادہ کے عمل کے خلاف عمل کیا' یہ نہیں کہا کہ دشمن یہاں ہے اس طرف جاؤ گے تو تمہیں نابود کر دے گا۔ اس طرف جاؤ گے تو تباہ ہو جاؤ گے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بہر حال تم سب قتل ہو جاؤ گے۔ اب جبکہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے تو پھر آ جاؤ میرے ساتھ قتل ہونے کے لیے اس طرح کی شہادت با اہمیت نہیں ہوتی۔ ایک سیاست دان اس طرح کام کرتا ہے فرمایا نہ تو دریا تمہارے پشت پر ہے اور نہ ہی دشمن تمہاری پشت پر' نہ دوست تمہیں مجبور کر رہا ہے اور نہ ہی دشمن جو بھی انتخاب کرنا چاہو کر لو یہ ہے آزادی کی انتہا!

۲۶۳﴾ حادثہ کربلا کے دونوں رخ

و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک قال انی اعلم ما لاتعلمون

انسان کی زندگی' تاریکی اور روشنی' بدی' زیبائی شر و خیر کا مجموعہ ہے' فرشتوں نے فرزند آدم کا ابھی تک تاریک پہلو ہی دیکھا تھا جس کی طرف خدا نے اشارہ کیا کچھ روشن پہلو تھے جو اس تاریک پہلو پر ترجیح رکھتے ہیں۔

حادثہ کربلا کے دو رخ ہیں' دو ورق ہیں ایک سیاہ اور دوسرا سفید' سیاہ ورق مظالم کی داستان ہے بہت زیادہ تاریک اور وحشتناک' ہم بے رحمی اور قساوت قلبی کے بیں مظاہر جو اس حادثہ کربلا میں انجام دیئے گئے بیان کریں گے اس لحاظ سے یہ حصہ درندگی اور حیوانیت کے لحاظ سے تاریک ہے۔

سفید ورق کے لحاظ سے یہ ایک ملکوتی داستان ہے ایک انسانی حماسہ ہے اس میں آدمیت و عظمت و بزرگی اور فداکاری کے مظاہر ہیں۔

تاریک صفحہ کے لحاظ سے یہ ایک فاجعہ ہے اور دوسرے لحاظ سے ایک مقدس قیام ہے' پہلے لحاظ سے شمر' ابن زیاد' حرملہ اور عمر سعد ہیرو ہیں۔ دوسری طرف امام حسین علیہ السلام اس داستان کے ہیرو ہیں۔ اسی طرح ابوالفضل' علی اکبر' حبیب ابن مظاہر' زینب' ام کلثوم وام وھب اور اسی طرح پہلے لحاظ سے اس

داستان کی اہمیت نہیں کہ چودہ سو سال بعد بھی اس کی عظمت کی واقعات کی تجدید کی جائے۔ پیسے' آنسو اور وقت ان تاثرات اور احساسات پر خرچ ہوں' ہرگز نہیں اس طرح سے تو اس فاجعہ (ظلم و بربریت سے پر ہے) استفادہ نہیں کرنا چاہیے۔ (ہوسکتا ہے منفی پہلو میں بھی بشر کے لیے تربیت کا کوئی پہلو ہو' لقمان سے پوچھا گیا' ادب کہاں سے سیکھا؟ اس نے کہا بے ادبوں سے) اس داستان میں تربیت کے پہلو ایسے نہیں ہیں۔

ہم نے پہلے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ داستان اس لحاظ سے اہم ہے کہ وفات پیغمبرؐ کے پچاس سال بعد امام حسینؑ کا قتل ہونا وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں یہ بڑا قابل توجہ معمہ ہے' بلکہ ظلم اور بربریت کے لحاظ سے یہ واقعہ اتنا بڑا نہیں ہے کہ ظلم کے لحاظ سے ہر جگہ زیادہ ہی موجود ہے۔

قرون قدیم' قرون وسطیٰ' قرون جدید اور قرون معاصر میں بھی ابن زیاد تھا اور ہے' بیس سال پہلے ۱۹۴۰ میلادی کا دن تھا کہ ایک شہر پر بم گرا اور ساٹھ ہزار انسان بچے اور اور بڑے اس میں تلف ہو گئے' مشرق و مغرب میں بہت سے مظالم واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً نادر شاہ ایک ظالم حکمران کے طور پر مشہور ہے اسی طرح ابو مسلم' بابک خرم دین صلیبی جنگیں' اندلس کی جنگیں یہ سب ظلم و بربریت کے مظاہر ہیں۔

دوسری طرف یہ داستان جس کا ورق سفید ہے یہ سب اہمیت اسے حاصل ہے' اس لحاظ سے یہ بے نظیر اور کم نظیر ہے۔ اس لیے کہ اس دنیا میں امام حسینؑ سے افضل موجود تھے لیکن امام حسینؑ جیسا سانحہ کسی کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ امام حسینؑ نے رسمی طور پر اپنے اصحاب اور اہل بیت کو بہترین اصحاب اور اہل بیت قرار دیا۔

لہٰذا روشن اور نورانی پہلو کے لحاظ سے یہ داستان اس آیت کی مصداق ہے۔ انی اعلم ما لا تعلمون

دوسری طرف سے یہ داستان اس آیت کی مصداق ہے من یفسد فیھا و یسفک الدما

اس لحاظ سے کہ اس داستان کے رہبر حسینؑ و زینبؑ ہیں نہ اس لحاظ سے کہ اس داستان کے ہیرو عمر سعد اور شمر ہیں۔

۲۶۴ قیام امام حسینؑ تقدس کا پہلو رکھتا ہے

کونسی چیز سبب بنتی ہے کہ ایک قیام' مقدس' پاک اور لائق تعظیم بن جاتا ہے۔ کیا معیار یا میزان ہے کہ جو حرکت و سکوت اور سکون کو مقدس بنا دیتا ہے یعنی لوگ اسے بڑے احترام سے دیکھتے ہیں کہ یہ امر موافق

مادی اور ما فوق طبیعی بن جاتا ہے، عظیم اور محترم بن جاتا ہے۔ اس حد تک کہ کوئی قیام یا تحریک اس کا مقابلہ نہیں کر پاتی، حداکثر تشبیہ یا پیروی کی جا سکتی ہے۔

یہ خارق العادہ تقدس، یہ ایسی عظمت ہے چودہ سو سال کے بعد بھی اپنی آب وتاب باقی لیے ہوئے ہے اس پر ہم تین جہتوں سے روشنی ڈالیں گے۔

ا۔ ہدف (مقصد) کی قداست، برتری اور عظمت مبنی بر حقیقت ہو نہ ذاتی منفعت، لہٰذا یہاں پر منفعت کو حقیقت کی خاطر فدا اور قربان دینا خدا کے لیے لازمی ہے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ اگر کوئی آب و نان کی خاطر قیام کرے تا کہ جاہ ومقام حاصل کر سکے، دولت وثروت اور قدرت حاصل کر لے۔ حنظلہ بادغیسی کے قول کے مطابق مہتری کسب کرنے کی خاطر یا قوم پرستوں کے قول کے مطابق فقط ملی اور قومی تعصب کی بنیاد پر قیام کریں، تو ایسا قیام مقدس نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس نظر سے بھی یہ قیام پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو اپنے ذاتی ہدف کے لیے وسیلہ بنایا گیا ہے، چاہے موافق ہو یا خواہ شکست پذیر، ایسا قیام معاملہ کرنا یا تجارت ہے کہ کبھی سودمند ہے اور کبھی زیان آور، جہاں نہ سودمندی اہم ہے اور نہ ہی نقصان اس طرح کا مبارزہ شخصی مبارزہ کہلائے گا جو دوسرے شخص کو نقصان اور اپنے آپ کو فائدہ پہنچانے کے علاوہ کوئی اور ہدف نہیں رکھتا، اسی لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں، امامؑ نے اپنے پدر بزرگوار کی تبعیت میں یہ فرمایا:

اللھم انک تعلم انہ لم یکن ما کان منا منافسۃ فی سلطان

یہاں سے ظاہر ہوتا کہ ہمارا اصل درد اور آرزو کیا تھی۔ اگر قیام اور مبارزہ شخصی نہ ہو یا منافع کے لیے نہ ہو بلکہ عقیدہ، ظلم وفساد و بت پرستی اور انسانیت کی آزادی کے لیے ہو یا بالآخر انسانیت کی جہالت و گمراہی ظلم واستبداد سے آزادی کے لیے مبارزہ ہو۔

و بذل مھجتہ فیک لیستنقذ عبادک من الجھالۃ و حیرۃ الضلالۃ

بلکہ خدا کی رضا کے لیے اور حق وحقیقت ایک ایسا امر تھا کہ ان صلاتی، و نسکی و محیای ومماتی للہ رب العالمین بلکہ اس کی اساس ایثار وفداکاری تھی، اگر یہ قیام خدا کے لیے تھا اور اس میں کوئی منفعت نہ تھی بلکہ حقیقت کے لیے منافع کو بھی خطرے میں ڈال دیا، ایسا مبارزہ انسانی روح کی حقیقت پرستی کا مظہر ہے جو انسان کی خود پرستی کی ضد ہے کیونکہ انی اعلم مالا تعلمون کا مصداق ہے۔

طبعی طور پر ایسا قیام مقدس اور اعلیٰ عظمت پیدا کرے گا' ایسا مبارزہ اور اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کا مصداق ہے حدیث میں ہے کہ تقدس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تحریک کے قائد کا درد کس نوعیت کا ہے اور اس کی آرزو کس نوعیت کی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کا قیام اس حوالے سے تمام شرائط پر پورا اترا' ذاتی منفعت بھی محفوظ رہنے کا مکمل یقین مل چکا تھا' لیکن آپؑ نے یہ سب کچھ نظر انداز کر دیا اور اسلام اور مسلمانوں کی ظلم سے نجات کی خاطر مال و عزت سب کچھ خطرے میں ڈال دیا' اس لیے آپ پاکیزہ ہستی کی شہادت کا درجہ پا گئے بلکہ پاکیزہ شہداء کے سید الشہداء قرار پائے۔

دوسرا عامل جو ایک تحریک کو تقدس اور بلندی عطا کرتا ہے وہ اس علاقے کی شرائط ہیں' دن کے وقت بلب کا کیا فائدہ رات کو صاف آب وہوا اور ستاروں بھرا آسمان اتنی اہمیت نہیں رکھتا' کم اہمیت رکھتا ہے لیکن جب مطلق تاریکی ہو جب آنکھ آنکھ کو ہی نہ دیکھ سکتی ہو' اس وقت تو واقعاً اس (ستاروں بھرے) آسمان کی اہمیت ہے جیسے پیاسے کو بیابان میں پانی مل جائے یا بارش (جب خشک سالی کا دور دورہ ہو) اس وقت اہمیت اختیار کر لیتی ہے یعنی دوسرا عامل وہ قدرت ہے جس میں انسان پھنس جائے جیسے فرعون کے مقابلے میں' غرور کے مقابلے میں ''انا ربکم الاعلیٰ'' مغروروں کے مقابلے میں' خونخواروں کے مقابلے میں استبدادی طاقتوں کے مقابلے میں جن کی تلواروں سے خون ٹپکتا ہے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: افضل الاعمال (یا افضل الجهاد كلمة عدل عند امام جائر) جب آزادی کی تمام شرائط پوری ہوں اس وقت آزادی کا نعرہ لگانا تو ہنر مندی نہیں لیکن جب ظلم و استبداد پوری قدرت سے حاکم ہو سانس لینا بھی دشوار ہو' زبان گدی سے کھینچ لی جاتی ہو' بے دست و پا کر دیا جاتا ہو' سر نیزہ پر بلند کیے جاتے ہوں ہر طرف مایوسی حکمفرما ہو' امیر المومنین کی تعبیر کے مطابق

يظن الظان الدنيا معقولة على بنى امية

کڑی شرائط یا حالات میں آزادی کا نعرہ لگانا دلیری ہے۔

خطبہ نمبر ۹۱ میں فرمایا:

الا و ان اخوف الفتن عندى عليكم فتنة بنى امية' فانها فتنة عمياء

مظلمة، عمت خطتها، و خصت بلیتها و اصاب البلاء من ابصر فیها، و اخطأ البلاء من عمی عنها، و ایم اللہ لتجدن بنی امیة لکم ارباب سوء بعدی کالناب الضروس: تعذم بفیها، و تخبط بیدها، و تزبن برجلها، و تمنع درها، لا یزالون بکم حتیٰ لا یترکوا منکم الا نافعاً لهم اوغیر ضائربهم، ولا یزال بلاؤهم عنکم حتیٰ لایکون انتصار احدکم منهم الا کانتصار العبد من ربه

اس نظر سے قیام کرنا شہامت کا پہلو ہے جبکہ ستمگروں، فرعونوں اور نمرودیت کو حقیر سمجھنا ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور رسول اکرم کا مقابلہ میں قدرتمند لوگوں سے تھا، جیسے ہی شرائط نامساوی ہوتی گئیں سب نے ایک ہوکر ان کا مقابلہ کیا اور اس آیت کا "کم من فئة قليلة غلبت منه فئة كثيرة باذن الله" مصداق بن گئے اور اپنے قیام کو باہمیت بنا گئے۔

عجیب ہے کہ کچھ مصنفین جیسے (شہید جاوید) کے مصنف نے اس لیے کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام کو محاذ آرائی قرار دیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوفہ کے لوگ حقیقت میں قدرتمند اور قابل اعتماد تھے جبکہ امام حسینؑ کے قیام کی عظمت تو اس میں ہے کہ انہوں نے تن تنہا قیام کیا لیکن اس قیام میں اثر اس حد تک ہوا کہ پورے جہان کو ہلا کر رکھ دیا اور اس کا اثر ابھی تک باقی ہے۔

تیسرا عامل روشن بینی سے مربوط ہے جو کہ اجتماعی آگاہی سمت شناسی میں مہارت کی حد تک تھی۔ جیسے ایک ماہر ڈاکٹر بیماری یا مرض کی شناخت کر لیتا ہے اور علاج بھی کرتا ہے امام ملت کے خواب غفلت سے بھی آگاہ تھے اور بیدار کرنے کی کیفیت سے بھی، اسی لیے یہ بابصیرت اور فکری حوالے سے فوق العادہ تحریک ہے اس میں دوراندیشی معروف مثل کے مطابق کے جو چیز لوگ آئینہ میں بھی نہیں دیکھ سکے یہ دیکھ چکے تھے۔ یعنی خطرات سے پہلے ہی آگاہ کر دینا یا اس کا احساس کر لینا۔

مزید وضاحت اس طرح سے ہو سکتی ہے کہ بنوامیہ پس پردہ جو پروگرام رکھتے تھے امام حسینؑ نے اسے طشت ازبام کر دیا۔ حتیٰ یزید کی شرابخواری جو پس پردہ تھی اسے بھی مطلع کر دیا ابوسفیان نے حضرت عثمان کے گھر ایک خطرناک سیاسی چال چلی اس نے کہا: یا بنی امیة تلقفوها تلقف الكرة لتصيرن الى

اولادکم وراثۃ

(ظاہراً اس کی رائے یہ تھی کہ دین اور جعل حدیث سے اس خلافت کو موروثی بنایا جائے۔)

اما و الذی یحلف به ابو سفیان...

امام حسینؑ کا یہ جملہ: **و علی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامة براع مثل یزید**

شاید یہ جملہ ابوسفیان کی فکر کے عملی ہونے پر ناظر ہے۔ امام حسین علیہ السلام کو اپنے قیام کے اثرات پر اتنا یقین اور ایمان تھا کہ کئی مرتبہ فرمایا: کہ میرے بعد یہ سرنگوں ہو کر رہیں گے' یہ امام حسین علیہ السلام کی درک کرنے کی قوت کی ایک اور قوی دلیل ہے۔

۲۶۵۔ مقدس حسینی قیام

امام حسین علیہ السلام نے قیام کیوں کیا' اس کی مانند کہ پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں کیوں قیام کیا؟ اور قریش سے کیوں نہ مل گئے؟ یا علی مرتضیٰ نے کیوں اتنے رنج اٹھاتے اور حمایت کی بدر و حنین واحد واحزاب او لیلۃ المبیت کے واقعات پیغمبرؐ کے لیے برداشت کیے؟

یا ابراہیم علیہ السلام کیوں تنہا غرور کے مقابل جا کھڑے ہوئے؟ حضرت موسیٰ جب ان کے ساتھ فقط ان کے بھائی ہارون تھے کیوں فرعون کے دربار میں پہنچ گئے؟

ایسا کیوں؟ اس کا معنی یہ ہے اگر امام حسین علیہ السلام کا قیام محاذ آرائی تھی تو یزید کے مقابلے میں اما حسینؑ کی فوج ہونی چاہیے تھی' اگر اجتماعی قیام کرتے تو لوگوں کے دو بڑے دستے ہونے چاہئیں تھے بڑے لشکر' ایک لشکر کے سالار امام حسینؑ ہوتے' اس صورت میں امام حسین علیہ السلام کا قیام مقدس ہوتا۔ یہ کیوں ہوا؟ کا لفظ ہر مقدس اور تاریخی قیام میں موجود ہے۔ دو علامتوں سے انسانی قیام کو تشخیص جاسکتا ہے۔

ایک تو یہ کہ قیام کا ہدف یا مقصد کیا ہے؟ یعنی یہ قیام انسانیت کے اعلیٰ مقاصد کے لیے ہے' توحید لیے ہے' عدل و آزادی کے لیے ہے' ظلم و استبداد کے خاتمے کے لیے ہے نہ کہ کسب جاہ و مقام کے ثروت اور مال اندوزی کے لیے حتیٰ وطنی' قبائلی' نسلی تعصب سے بھی یہ دور ہو' ایسے قیام اس برق کی ما

ہوتے ہیں جو سخت ظلمت کی تاریکی میں جگمگائے' ایسا شعلہ ہے جو ظلم واستبداد اور استعمار اور زور گوئی کے مقابلے میں روشن ہوتا ہے ایسا ستارہ ہے جو شب کی تاریکی میں انسان کی سعادت کے لیے طلوع کرتا ہے۔

۲۶۶﴾ قیام کا تقابلی جائزہ

سید الشہداء کا لقب اس سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا م حضرت حمزہ شہید کے پاس تھا بعد میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مختص ہو گیا' امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے یہ سب کچھ بھلا دیا۔ امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی کیفیت ایسی تھی کہ تمام گزشتہ شہداء پر وہ سبقت لے گئے۔ خود امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تھا:

انی لا اعلم اصحاباً اوفیٰ و لا خیراً من اصحابی و لا اهل بیت اوصل ولا افضل من اهل بیتی

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب دوست اور دشمن دونوں کی طرف سے آزاد تھے۔ آپ نے خود فرمایا کہ انہیں میرے علاوہ اور کسی سے غرض نہیں خود آپ نے شخصی طور پر سب سے یہی فرمایا کہ شب کی تاریکی سے فائدہ اٹھائیں' سر بھی جھکا لیا تا کہ کوئی حیا کی وجہ سے نہ جا سکتا ہو وہ بھی چلا جائے۔ اصحاب امام حسین علیہ السلام طارق بن زیاد کے ساتھیوں کی طرح کسی بھی مشکل میں گرفتار نہیں تھے کہ اس نے کشتیوں اور خوراک کو جلا کر راکھ کر دیا۔ آپ نے کسی دوست سے التماس یا خواہش کا اظہار بھی نہیں کیا یہاں تک کہ امامؑ کی نگاہ ان میں تاثیر نہ کر سکے اپنا سر جھکا لیا۔

تحریک وحادثہ عاشورا
کی ماہیت کا تجزیہ وتحلیل

۲۶۷۔ قیام کے چار مراحل

تاریخی اعتبار سے جب ہم مکمل طور پر قیام امام حسین علیہ السلام جو حکومت کے خلاف شروع ہوا پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قیام نے چار مراحل طے کیے۔

۱۔ جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے مکہ ہجرت فرمائی اس وقت تک مکہ میں رہنے کا مصمم ارادہ تھا۔

۲۔ جب کوفہ جانے کا ارادہ کیا اور حر بن یزید ریاحی سے آمنا سامنا ہونے تک۔

۳۔ جب حر بن یزید ریاحی سے آمنا سامنا ہوا اس سے لیکر جنگ شروع ہونے تک۔

۴۔ جنگ کا مرحلہ

۲۶۸۔ نظام حسینی کی ماہیت

ایک مسئلہ امام حسین علیہ السلام کی تحریک کی ماہیت کے بارے میں ہے کہ وہ کیا تھی؟ کیونکہ تحریکی طبیعی طور پر ماہیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں جس طرح مختلف چیزیں جو طبیعی طور پر لی جاتی ہیں جیسے معدنیات سے لیکر گیاہ تک اور گیاہ سے لیکر حیوانات تک سب ایک مخصوص ماہیت اور وضعیت کے مالک ہیں اجتماعی تحریکیں اور قیام بھی اسی طرح ہیں۔

اگر ہم ایک چیز کو جاننا چاہیں تو اس کو علت فاعلی کے ذریعے یا علت غائی کے ذریعے جان سکتے ہیں

(اگرچہ آج علت غائی کو قبول نہیں کیا جاتا)

یا پھر اس کی مادی علت کو جاننا پڑے گا جن عناصر سے اس کے اجزاء مکمل ہوئے' یا علت صوری یعنی مجموعی طور پر کیا وضع اور شکل اور خصوصیت ہے اگر ہم کسی تحریک کو جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ماہیت کو سمجھنا پڑے گا' پہلے تو ان وجوہات اور مسائل کو دیکھیں گے کہ جس کی وجہ سے یہ تحریک اٹھی' جب تک ہم انہیں شناخت نہ کریں تو اس تحریک کی شناخت ممکن نہ ہوگی جو فاعلی علت کی شناخت ہوگی اس کے بعد علت غائی کو پہچانیں' یعنی اس تحریک کا بالآخر کیا مقصد تھا؟ تیسری چیز اس تحریک کے عناصر اور حالات کو دیکھیں کہ اس تحریک میں کیا کام اور کارروائی ہوئی؟ چوتھی چیز یہ کہ اس کارروائی کی کیا صورت بنی؟

۲۶۹۔ قیام امام حسینؑ کی گوناگوں ماہیت

امام حسینؑ کے انقلاب کا پہلا درجہ یہ ہے کہ یہ انقلاب آگاہی کی بنیاد پر تھا' خود بھی' اہلبیت بھی اور اصحاب بھی آگاہی کی بنیاد پر اس انقلاب میں شریک ہوئے' یہ قیام دھماکہ یا فوری ایکشن نہیں تھا۔

آگاہی کی بنیاد پر آنے والے انقلاب کی کئی جہتیں ہوسکتی ہیں اس حادثے میں کئی عوامل موثر رہے اسی لیے امام کی تحریک چند ماہیت پر منحصر ہے نہ کہ ایک ہی ماہیت پر' اجتماعی اور طبیعی حوالے سے وجود میں آنے والے واقعات میں یہی فرق ہے کہ اجتماعی حوالے سے پیدا ہونے والے واقعے کی کئی جہتیں ہوسکتی ہیں لیکن طبیعی حوالے سے پیدا ہونے والی چیز کی ماہیت ایک ہی ہوتی ہے اس کی ماہیت ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتی مثلاً ایک دھات ایک وقت میں ایک ماہیت کی مالک ہوسکتی ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک دھات آن واحد میں چاندی' سونا اور سلور بھی ہو لیکن اجتماعی حوالے سے پیدا ہونے والے کام آن واحد کئی ماہیتوں پر مشتمل ہوسکتے ہیں۔

۲۷۰۔ قیام حسینؑ کی گوناگون ماہیت

اجتماعی کوشش سے وجود میں آنے والے کام چند ماہیتوں پر مشتمل ہوسکتے ہیں اتفاق سے امام حسین علیہ السلام کا قیام بھی چند ماہیتوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں مختلف عوامل موثر رہے ہوسکتا ہے کہ ایک تحریک کی ماہیت عکس العمل ہو یعنی صرف عکس العمل ہو تو ہوسکتا ہے اس کی ماہیت فقط آغاز کرنا ہو اگر ایک

تحریک کی ماہیت عکس العمل ہی ہو تو ہو سکتا ہے۔ کسی واقعے کا منفی عکس العمل ہو سکتا ہے مثبت ہو۔

۲۷۱﴾ آگاہی یا اچانک؟

ایک اور مسئلہ جو امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے بارے میں زیادہ مورد بحث ہے کہ یہ قیام یا تحریک اچانک فیصلہ تھا؟ کیا اس عمل انجام دہی میں آگاہی کا کوئی دخل نہیں تھا؟ جس طرح پانی سے بھری دیگ کو حرارت دیں تو وہ بخارات میں تبدیل ہو جائے گا' لیکن اگر اسے پیک کر دیا جائے تو وہ اچانک دھماکے سے پھٹ جائے گی۔ ایسا بعض انسانوں کے ساتھ پیش آچکا ہے۔ (کسی بھی وقت کسی علت (وجہ) کے باعث انسان ہیجان میں آجاتا ہے) پہلے وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لفظ کہے لیکن ایک مرتبہ اسے دیکھتے ہیں کہ جو نہیں کہنا چاہتا تھا اور جو کچھ اس کے دل میں تھا کہہ بیٹھتا ہے اسے کہتے ہیں دھماکہ یا اچانک بہت سے قیام اسی طرح ہوتے ہیں۔

یہ ایک ایسا مرکزی نکتہ ہے کہ جہاں پر مکتب اسلام اور دوسرے مادی مکاتب میں واضح فرق موجود ہے' مادی مکاتب اپنے خاص ڈائلیکٹک اصول کے تحت یہ کہتے ہیں کہ تضادات میں شدت لے آئیں۔ بدامنی زیادہ کر دیں۔ شگاف جتنا ممکن ہو گہرا کریں۔ یہاں تک کہ اصلاحات کی بھی مخالفت کریں تا کہ معاشرہ اچانک انقلاب کے لیے تیار ہو جائے لیکن ایسا آگاہی کی بنیاد پر نہ ہو اسلام اس طرح کے انقلاب کا مخالف ہے ایک فیصد بھی اس کی تائید نہیں کرتا' اسلامی انقلاب تو صد در صد مصمم ارادہ' کمال آگاہی اور انتخاب کے ہمراہ ہے۔

۲۷۲﴾ یہ اسلامی انقلاب تھا دھماکہ نہیں تھا

کیا امام حسینؑ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ ایک انقلاب تھا یا اچانک رونما ہونے والا دھماکہ تھا؟ یہ کام آگاہی کی بنیاد پر تھا یا نہیں؟ یا پھر معاویہ کے دور یا اس سے قبل کے واقعات جو امام حسینؑ کے خاندان کے ساتھ پیش آئے ان کا اتنا اثر تھا کہ جب یزید کا دور آیا تب امام حسینؑ میں اتنا حوصلہ نہ رہا اور میدان جنگ میں نقل آئے کہ جو بھی ہونا ہے ہو جائے' "العیاذ باللہ" امام حسینؑ کی گفتار کے مطابق کہ اس تحریک کا آغاز نہ فقط معاویہ کی موت سے شروع ہوا بلکہ جو خطوط آپؑ نے معاویہ کو لکھے اور مختلف واقعات کے موقع

پر آپؑ کے خطبات بلکہ آپؑ نے منیٰ میں جو مشہور خطبہ دیا جو تحف العقول میں درج ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تحریک آ گاہی کی بنیاد پر تھی یہ انقلاب تھا نہ کہ دھما کہ یہ اسلامی انقلاب تھا۔

۲۷۳۔ دلائل

جملہ خصوصیات میں سے امام حسینؑ کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپؑ اپنے اصحاب میں سے ہر فرد کے سلسلے میں اپنے قیام کو اچانک فیصلے کی شکل اختیار کرنے سے بچاتے رہے' امام حسینؑ ہر موقع پر اپنے اصحاب کو کسی نہ کسی بہانے سے رخصت کرنا چاہتے ہیں؟ ان سے فرمایا: یہ جان لو کہ یہ کوئی ضیافت یا کھانے پینے کی محفل نہیں ہوگی' معاملہ بڑا خطرناک ہے' عاشورا کی رات بھی آپؑ ایک خاص انداز سے گفتگو کرتے ہیں۔ فرمایا:

میں اپنے اصحاب سے بہتر اصحاب اور اپنے اہل بیت سے بہتر اہل بیت نہیں پاتا میں آپ سب کا شکر گزار ہوں' میں آپ سب کا ممنون ہوں' ان لوگوں کو میرے علاوہ کسی اور سے کوئی سروکار نہیں ہے' تم جانا چاہو تو چلے جاؤ' وہ لوگ یہ جان لیں کہ تم اپنے آپ کو اس معرکے سے الگ کر رہے ہو تو وہ تم میں سے کسی کو کچھ نہیں کہیں گے' میری اہل بیت اس بیابان میں کسی سے کچھ نہیں کہے گی میری اہل بیت اس بیابان میں کسی سے واقف نہیں' اس علاقے سے بھی ناواقف ہیں تم میں سے ہر شخص میری اہل بیت میں سے ایک ایک فرد کو لے کر دور نکل جائے' میں خود اس جگہ اکیلا رہوں گا۔

کیوں؟ لوگوں کی تکلیف اور ناخوشی سے فائدہ اٹھانے کا خواہاں رہبر ایسی باتیں نہیں کرتا' وہ تو شرعی ذمہ داری کی بات کرتا ہے بیشک شرعی وظیفہ بھی تھا اور امام حسینؑ نے بیان کرنے میں بھی کوئی غفلت نہیں کی' لیکن وہ یہ چاہتے تھے کہ لوگ اس شرعی ذمہ داری کو نہایت آزادی اور مکمل آ گاہی کے ساتھ انجام دیں' وہ ان سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ دشمن نے تمہیں محصور نہیں کیا ہے' تم پر دشمن کی طرف سے کوئی جبر یا دباؤ بھی نہیں ہے' اگر تم رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھانا چاہو اور چلے جاؤ تو کوئی مزاحم نہ ہوگا' دوست بھی تم کو مجبور نہیں کر رہا' میں نے تم پر سے اپنی بیعت اٹھا لی اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تمہارے لیے بیعت کے مسئلے نے عہد اور جبر پیدا کر دیا ہے تو میں نے وہ بیعت بھی اٹھا لی یعنی تم اب اپنی راہ منتخب کرنے کے لیے بالکل

آزاد ہو تمہیں پوری واقفیت اور آزادی کے ساتھ اور دشمن یا دوست کی طرف سے ذرا سا بھی دباؤ کے احساس کیے بغیر میرا انتخاب کرنا چاہیے۔

۲۷۴ حادثہ کربلا پر ایک نظر

کربلا کا سانحہ ایک جرم اور ایک المیہ ہے' ایک مصیبت ہے' ایک مرثیہ ہے' ہم جب کربلا کے اس صفحے پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں بے گناہوں کا قتل دیکھتے ہیں' جوانوں کا قتل دیکھتے ہیں' دودھ پیتے بچے کا قتل دیکھتے ہیں' گھوڑوں کی ٹاپوں سے لاشوں کی پامالی دیکھتے ہیں' ایک ایک انسان کو پانی نہ پلاتا دیکھتے ہیں' قیدی کو بے پالان اونٹ پر سوار دیکھتے ہیں' اس نقطہ نظر سے اس حادثے کا ہیرو کون ہے؟ ظاہر ہے کہ جس وقت ہم اس حادثے کے جرم کے پہلو پر نگاہ ڈالتے ہیں تو جو شخص مظلوم نظر آتا ہے وہ ہیرو نہیں ہے بے بس مظلوم ہے' اس حادثے کا ہیرو اس نقطہ نظر سے یزید بن معاویہ ہے' عبیداللہ بن زیاد ہے' عمر ابن سعد ہے' شمر ابن ذی الجوشن ہے' خولی ہے' کچھ اور لوگ بھی ہیں' جب ہم تاریخ کے اس سیاہ صفحے کا مطالعہ کرتے ہیں تو صرف انسان کا جرم اور مرثیہ ہی دیکھتے ہیں اب اگر ہم شعر کہنا چاہیں تو کیا کہیں؟ مرثیہ کہیں کیونکہ مرثیہ کے سوا اور کوئی بھی بات نہیں ہے جو ہم کہہ سکیں' ہمیں یہ کہنا چاہیے۔

ز آن تشنگان بہ عیوق می رسد
فریاد العطش ز بیابان کربلا
ان پیاسوں کی آواز اب بھی آرہی ہے
العطش کی فریاد کربلا کے بیابان سے

تو کیا عاشورا کی تاریخ میں صرف یہی صفحہ ہے؟ کیا فقط مرثیہ ہے؟ فقط مصیبت ہے اور دوسری کوئی چیز نہیں؟ ہماری غلطی یہی ہے اس تاریخ کا ایک صفحہ اور بھی ہے اور اس صفحے کا ہیرو معاویہ کا بیٹا نہیں' زیاد کا بیٹا نہیں' سعد کا فرزند نہیں' شمر نہیں' اس میں امام حسینؑ ہیرو ہیں' اس صفحے میں کوئی جرم نہیں ہے' المیہ نہیں ہے بلکہ جرأت و رزم ہے فخر اور روشنی ہے' حقیقت اور انسانیت کا جلوہ ہے' حق پرستی کی چمک دمک ہے' اس صفحے کو جب ہم دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسانیت کو اپنے آپ پر ناز کرنے کا حق ہے لیکن جب ہم سیاہ صفحے پر نظر

ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انسانیت کا سر جھکا ہوا ہے اور اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق پاتی ہے۔

قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک ' سورہ بقرہ' آیت ۳۰

یقیناً جبرائیل امین ہی اس خدائی اعلان کے مقابلے میں جس میں خدا نے فرمایا تھا: **انی جاعل فی الارض خلیفة** سوال نہیں کرتے لیکن فرشتوں کی جماعت جو انسانیت کا صرف سیاہ صفحہ دیکھ رہی تھی وہ دوسرا صفحہ نہیں دیکھ رہی تھی خدا سے سوال کر دیا کہ کیا تو زمین پر ایسے لوگوں کو مقرر کرنا چاہتا ہے جو فساد برپا کریں اور خون بہائیں؟ اور خدا نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: **انی اعلم ما لاتعلمون** جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

ایک صفحہ ایسا ہے جس پر فرشتہ اعتراض کرتا ہے تو انسان سر جھکا لیتا ہے اور دوسرا صفحہ ایسا ہے جس پر بشریت ناز کرتی ہے۔ ہم کربلا کے سانحے کا اس سیاہ صفحے کے نقطہ نظر ہی سے کیوں مطالعہ کرتے ہیں؟ ہمیشہ کربلا کے جرائم ہی کیوں گنتے رہیں؟ ہم ہمیشہ امام حسین بن علیؑ کا مطالعہ اس پہلو سے کیوں کرتے رہیں جو قاتلوں کے جرائم سے متعلق ہے؟ ہم امام حسین بن علیؑ کے نام سے ان نعروں کو کیوں نسبت دیں اور کیوں لکھیں جو عاشور کے تاریک صفحے سے حاصل کیے گئے؟ ہم اس قصے کے روشن صفحے کا کم مطالعہ کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ اس داستان کی جرأت اور رزم آمیز پہلو اس کے جرائم کے پہلو سے سو گنا وزنی ہے اس کی چمک دمک اس کی تاریکی سے کہیں زیادہ ہے' ہمیں یہ ماننا چاہیے کہ امام حسین بن علیؑ کے ایک جانی دشمن ہم بھی ہیں جو اس تاریخ کا صرف ایک ہی صفحہ پڑھتے ہیں اور دوسرا صفحہ نہیں پڑھتے امام حسینؑ کے وہ لوگ بھی قاتل ہیں جنہوں نے اس تاریخ کے مقصد میں تحریف اور تبدیلی کر دی اور کر رہے ہیں۔

۲۷۵۔ تحریک کربلا کی عظمت

کربلا کی داستان بارہ سو سال قبل پیش آئی' یہ واقعہ جب رونما ہوا تو کسی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ حادثہ اس قدر وسعت اختیار کر جائے گا اس تاریخ کا متن بنیادی طور پر اس طرح سے تحریر ہے کہ اسے دکھایا جائے اس کی عکاسی کی جائے' بڑی ہی مظلومانہ شہادتیں اور بھی ہیں کیا کربلا کا واقعہ اچانک پیش آ گیا اور اس میں امام حسینؑ کی عمداً کوئی توجہ نہیں تھی؟ ایسا نہیں ہے اور میں باور نہیں کرتا کہ عمداً نہ ہوا ہو۔

۲۷۶۔ تحریکوں کی قسمیں

ہوسکتا ہے کسی تحریک کا ایک مطلب اور ایک ہی مقصد ہو کہ یہ آپس میں ملتے جلتے ہوں' یعنی ایک ہی وقت میں مختلف مقاصد واہداف ہوں چاہے ان سب کی بازگشت ایک اصلی مقصد کی طرف ہو ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی تحریک کے ایک ہی وقت میں کئی ایک پہلو اور سمتیں ہوں۔

۲۷۷۔ بیعت کا محرک

امام حسینؑ کی تحریک چند ایک مقاصد پر مشتمل ہے' جو چند پہلو اور چند شعبے رکھتی ہے' اس کی تفسیر و تعبیر میں جو اختلاف نظر دیکھنے کو ملتا ہے' یہ اپوزیشن یا مخالفین کی مداخلت سے ہوا ہے' جب ہم بعض عوامل اور عناصر کے لحاظ سے اس تحریک کا مطالعہ کرتے ہیں تو صرف جابر قدرت کے سامنے بغاوت اور نادرست تقاضوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ ہونا نظر آتا ہے اس لحاظ سے یہ تحریک ایک انکار اور عدم تسلیم ہے' یہ پہلو جسے سب جانتے ہیں کہ معاویہ کے مرنے اور یزید کے جانشین ہونے کے بعد انہوں نے یہ سازش تیار کی' یزید نے یہ لازمی جانا کہ اسلام کی چند بزرگ شخصیات کو جن میں سے اہم ترین امام حسین علیہ السلام کی شخصیت ہے جو سب سے زیادہ مزاحم ہے ان سے بیعت لی جائے تا کہ اس کے ذریعے سب لوگوں کو خاموش کیا جاسکے در حقیقت وہ امام حسین علیہ السلام سے یہ معاہدہ کرنا چاہتا تھا۔

۲۷۸۔ عظیم تحریک کی تین شرائط

الف: مقصد کا مقدس ہونا اور انفرادی نہ ہونا اہم ہے' انسانیت کی خاطر فداکاری کرنا اور انفرادی فوائد سے چشم پوشی اختیار کرنا ہے' یہی وہ ہے کہ انسانیت ایسے لوگوں کو اپنا سمجھتی ہے جو ان موجود رکاوٹوں کو نظر انداز کردیتے ہیں اور خود کو انسانیت کا علمبردار کہتے ہیں انسانیت ان کو امت پر اور ان کی مصلحتوں پر فدا ہوتا دیکھتی ہے۔

ب: اس میں قوی بصیرت کا ہمراہ ہونا نظر آتا ہے' جسے لوگ ظاہری طور پر نہیں دیکھ رہے ہوتے' وہ ہستی دبیز پردوں میں بھی اسے دیکھ چکی ہے' دوسری تعبیر کے مطابق وہ اپنے دور سے آگے ہوتے ہیں۔

ج: ایک ایسا نور ہوتا جو مکمل تاریکی میں جگمگا اٹھتا ہے۔

۲۷۹۔ تحریک کی اہمیت کے عوامل

بہت سے عوامل ایسے ہیں جو ایک تحریک کو اہم بنا دیتے ہیں۔ مختلف تحریکوں میں بہت فرق ہوتا ہے' اگر اس میں تعصب یا وطن پرستی کی روح ہو تو یہ ایک تحریک کو اہمیت سے ہمکنار کرتی ہے اور اگر اس میں معنوی وانسانی یا الٰہی پہلو ہو تو یہ ایک اور پر اہمیت عامل ہوتا ہے تینوں عوامل امام حسین علیہ السلام کی تحریک میں موجود تھے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کی تحریک کو اہمیت دی خاص طور پر تیسرے عوامل نے' بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اہم چیز جس کا کسی سے تعلق ہوتا ہے وہ ایک ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ اس اہم چیز کو اہم سمجھتا ہے' جس طرح یہ اہم چیز اسے صاحب اہمیت سمجھتی ہے اور وہ بھی اس کی شان کو بلند کر دیتا ہے' جس طرح ایک عالم دین جب علماء والا لباس پہنتا ہے حقیقت میں یہ لباس اس کے لیے باعث افتخار ہے اور اسے افتخار کرنا چاہیے کہ اسے یہ لباس پہنایا گیا ہے اور حقیقی علماء اسے قبول بھی کرتے ہیں لیکن ایک شخص ایسا بھی ہے جو عالم دین کی حیثیت سے اپنی شرعی ذمہ داری ادا کرتا ہے۔ علم وتقویٰ اور عمل کے ذریعے وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ اس لباس کے لیے باعث افتخار بن جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ علماء کا لباس وہ ہوتا ہے جو فلاں کے پاس ہے ایسا لباس ہے جو فلاں نے زیب تن کر رکھا ہے۔

۲۸۰۔ قیام حسینی کی نوعیت

کربلا کا حادثہ کس قسم کا ہے کس مقولے سے اس کا تعلق ہے؟ اجتماعی لحاظ سے کیا یہ ایک اچانک واقعہ تھا جو بغیر کسی مقصد کے رونما ہوا۔ جس طرح بہت سے واقعات ظلم' شدت اور سختیوں کے دوران پیش آتے رہتے ہیں اور کبھی وہ موجودہ حالات میں مددگار بھی ثابت ہوتے ہیں یا پھر ایک تمام حالات و واقعات کی نسبت مکمل آگاہی اور معلومات کی بنیاد پر یہ ایک نتیجہ خیز عمل تھا؟ دوسری صورت میں کیا ایسا قیام یا تحریک یا انقلاب مقدس ہو سکتا ہے؟ یا یہ ایسا کام تھا کہ جو امام کی طرف سے شروع ہوا اور حکومت وقت اسے سرکوب کرنا چاہتی تھی اور یا حکومت نے تجاوز کیا تھا اور امام نے خاموشی اور سکوت کے بجائے شرافت مندانہ طریقے سے اپنا دفاع کیا؟ ایک اور تعبیر کے مطابق کہ کیا معاشرے میں تقویٰ نام کی کوئی چیز رہ گئی تھی اور بلند تقویٰ کی مالک ہستی جان دینے کے درپے تھی' یا ایک وہ ایک احسان' عصیان اور قیام مقدس کا مظہر

تھے؟ یا وہ اپنی حفاظت چاہتے تھے یا حزب مخالف کو نہیں مانتے تھے؟

پہلے فرض کی بنیاد پر مجبوراً اجماعی اور اصلی مقصد رکھنا پڑتا ہے' دوسرے فرض کی بناء پر وہ فقط اپنی انسانی حیثیت وشرف کے خواہاں نہیں ہوتے' کیا اس بناء پر یہ انقلاب کی ایک قسم اور قیام ابتدائی تھا' کیا اس انقلاب کی بنیاد کوفہ کے لوگوں کی دعوت تھی کہ اگر وہ دعوت نہ دیتے تو یہ قیام نہ ہوتا (تو پھر جب پتہ چل گیا تھا کہ کوفہ کے لوگ ساتھ نہیں دے رہے تو خاموش ہونا چاہیے تھا) یا پھر اور سبب بھی تھا کہ فرض کریں کوفہ کے لوگ دعوت نہ بھی دیتے تو تب بھی وہ مخالف پر اعتراض کی حیثیت سے اپنی جان تک دینے کے در پے تھے۔

۲۸۱۔ کربلا کی نمائشگاہ

ہمارے زمانے میں یہ معمول ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک صنعتی نمائش لگاتے ہیں اور کبھی تو بین الاقوامی صنعتی نمائش کا اہتمام کرتے ہیں ظاہراً ساٹھ برسوں میں ایک مرتبہ پوری دنیا ایک صنعتی نمائش لگاتی ہے ایفل ٹاور ایک نمائش گاہ کی بارگاہ ہے جو ساٹھ سال پہلے بنایا گیا تھا تین چار سال پہلے برسلز (Burseles) میں بھی ایک نمائش لگی تھی جس میں مشرق ومغرب کے تمام ممالک نے شرکت کی تھی اور تمام دنیا سے لوگ وہاں جمع ہوتے تھے ان نمائشوں کا مقصد بشر کی فکری اور عملی محصولات (کارکردگی سے حاصل کردہ نتائج) کا مظاہرہ ہوتا ہے وہاں جا کر انسان بشر کی فکری عظمت وفعالیت اور ہنرمندی کے درجات کو سمجھ پاتا ہے وہاں پر ہر طرح کی چیزیں سوئی سے لیکر عظیم کارخانوں کے نمونے لا کر رکھے جاتے ہیں ہم کربلا کے سانحہ کو بھی ایک نمائش گاہ سے تشبیہ دے سکتے ہیں لیکن علم وصنعت کی نہیں بلکہ معنویت اور معرفت کی نمائش گاہ کو دیکھنے والا' انسان کی اخلاقی قدرت' اس کی روحی اور معنوی طاقت کی عظمت کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے اور یہ سمجھ سکتا ہے کہ بشر کس حد تک درگزر کرنے والا' فداکار' آزاد خداپرست' حق خواہ اور حق پرست ہو سکتا ہے اور کس قدر صبر ورضا' تسلیم وشجاعت' مروت وکرم اور بزرگواری کے معانی کے ظہور اور نمود کی قدرت رکھتا ہے۔

عام طور پر اہل ممبر جب چاہتے ہیں کہ کربلا کے قضیہ کو بڑا بنا کر پیش کریں تو مصیبتوں اور ظلم وستم کے پہلو کو بڑا کر کے پیش کرتے ہیں مصیبتوں کے پیدا کرنے حتیٰ انہیں گھڑنے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ اپنے

بیانات اور تشبیہات میں مصیبتوں کو مختلف زاویوں سے مجسم کر کے' اس واقعہ کو غم انگیز واقعہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں حالانکہ ہمیں پوچھنا چاہیے کہ کربلا کے واقعہ کی بزرگی کس وجہ سے ہے؟ کیا اس کی بزرگی غم انگیز واقعہ کی وجہ سے ہے؟ یہ بات تو قطعاً درست ہے کہ یہ ایک ایسا غم انگیز واقعہ ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی اسی لیے ابوریحان البیرونی نے کتاب (الاثار الباقیه) میں "نفس المھوم" سے اسی بات کو نقل کیا ہے اور اسی طرح دوسروں نے بھی یہ بات کہی ہے لیکن دنیا میں اس زیادہ غم انگیز واقعات بلکہ شاید عظیم تر واقعات ہوتے ہیں خود مدینہ کا واقعہ کربلا کے واقعہ سے کم تر تھا' کربلا کے واقعہ کی عظمت سید الشہداء اور آپؑ کے اصحاب باوفا کی وجہ سے ہے نہ کہ ابن سعد کے پیروکاروں کے لحاظ سے یہاں سعادت کی عظمت مراد ہے نہ کہ شقاوت کی عظمت' کربلا جہاں بشر کی شقاوت' بدی اور پلیدی کے اظہار کی ایک نمائش ہے' اس سے کہیں زیادہ روحانیت' معنویت' اعلیٰ اخلاق اور انسانیت کی نمائش گاہ ہے لیکن اہل ممبر اس پہلو کی طرف کم توجہ دیتے ہیں بالفاظ دیگر ہمیں واقعہ کو اس پہلو سے دیکھنا چاہیے کہ امام حسینؑ' ابوالفضل العباس اور حضرت زینب علیہا السلام اس داستان کے ہیرو ہیں اس لحاظ سے کہ اس داستان کے ہیرو شمر اور انسان ہیں نہ دیکھیں۔

۲۸۲ ﴿ یہ آخرت کے لیے نمائش گاہ تھی

اسلام کے جانبازوں کے لیے حادثہ کربلا ایک نمائش گاہ ہے یہ نمائش صورت سازی کے لیے نہیں تھی۔ مثلاً اداکار ہوں فرض کریں ان کی شکل وصورت درست کی جائے جبکہ اس میں حقیقت نہ ہو یہ آیت (ان الله اشترٰ من المؤمنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة) کربلا میں عملی جامہ پہنتی ہے۔

۲۸۳ ﴿ کربلا کے دو صفحے ہیں

حادثہ کربلا اور اس کی تاریخ کے دو صفحے ہیں' ایک صفحہ سفید اور نورانی ہے اور ایک صفحہ تاریک سیاہ اور ظلمت سے مزین ہے دونوں صفحے یا تو بے نظیر یا کم نظیر' سیاہ اور تاریک صفحہ اس لحاظ سے وہ تاریک اور سیاہ ہے کہ اس میں جو ظلم و بربریت ہوتی ہے وہ بے نظیر ہے یا کم نظیر۔

۲۸۴ ﴿ تاریخ کا نورانی صفحہ مرثیہ کے لیے

اگر ہم نے حسینی تاریخ کے صفحے کا مطالعہ کیا تو اس وقت ہم اس کے مرثیہ والے صفحے سے استفادہ کر سکتے ہیں ورنہ تو یہ بے فائدہ عمل ہوگا' یہ ہمارا خیال ہے کہ حسین بن علی اس دنیا میں ہمارا انتظار کر رہے

ہیں کہ لوگ ان کے لیے گریہ وزاری کریں یا نعوذ باللہ حضرت زہرا علیہا السلام تیرہ سو سال بعد وہ جوار رحمت الٰہی کی پناہ میں اسی چیز کی منتظر ہیں کہ چار آدمی ان کی تسلی خاطر کے لیے گریہ وزاری کریں۔

۲۸۵﴾ عاشورا سے کیا مراد ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ میں عاشورا سے جو لوگوں نے کیا مراد لیا ہے اس میں بہت فرق ہے مثلاً حضرت رضا علیہ السلام کے دور کے شاعر دعبل خزاعی نے کیا اخذ کیا ہے۔ امام سجاد علیہ السلام کے دور کے شاعر کمیت اسدی نے عاشورا سے کیا سمجھا' مثلاً محتشم کاشانی یا سامانی یا صفی علیشاہ نے جو اخذ کیا ان میں فرق ہے انہوں نے کچھ اور سمجھا ہے اور محتشم نے کچھ اور لکھا ہے سامانی نے کچھ اور اخذ کیا ہے اور علامہ اقبال لاہوری نے ایک اور طرح سے عاشورا کو لیا ہے یہ کیا ہے؟ میری رائے کے مطابق انہوں نے صحیح سمجھا ہے (البتہ غلط بھی اخذ کیا گیا ہے البتہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں) لیکن ناقص ہے' صحیح ہے لیکن کامل نہیں ہے' صحیح ہے یعنی غلط اور دروغ نہیں لیکن اس کا ایک پہلو ہے۔

۲۸۶﴾ عاشورا مختلف انداز سے

دعبل خزاعی نے امام حسین علیہ السلام کی تحریک سے اس دور کے تناسب سے پرخاشگری کا پہلو سامنے رکھا ہے محتشم کاشانی نے متاثر اور رقت و گریہ وزاری کا پہلو اجاگر کیا ہے' عمان سامانی یا صفی علی شاہ نے اس سے عرفانی پہلو اخذ کیا ہے' عشق الٰہی' محبت الٰہی' راہ حق میں پاکیزگی راہ حق میں قیام حسینی کے لیے پاکیزگی کا پہلو بنیادی ترین ہے' یہ سب جو عاشورا سے اخذ کیا گیا درست ہے لیکن یہ عاشورا کا ایک پہلو ہے' کسی نے تحریکی پہلو پر روشنی ڈالی ہے کسی نے اخلاقی لحاظ سے دیکھا ہے اور کسی نے نصیحت آمیز گفتگو کی ہے یہ سب درست ہے' لیکن جو بھی کسی نے اخذ کیا ہے وہ اس تحریک کا ایک پہلو ہے تمام پہلوؤں کو اخذ نہیں کیا گیا۔

۲۸۷﴾ سچے اسلام کا تجسم

قرآن مجید شعر نہیں ہے لیکن اسے قبول کرتا ہے اور وہ بھی مختلف انداز میں' آیات کی مناسبت سے اور آیات کے معانی کے اعتبار سے' جس طرح طٰہٰ حسین نے مرآۃ الاسلام (آئینہ اسلام مترجم مرحوم آیتی) میں بیان کیا ہے حادثہ کربلا شبیہ یعنی نمائش کو قبول کرتا ہے اور اس میں بے پناہ سوز و گداز ہے جبکہ یہ حادثہ حقیقت پر مبنی ہے اس طرح اسے بنا دیا گیا ہے کہ گویا یہ بنا ہی اس لیے ہے کہ اس کی نمائش کی جائے۔

مکتب امام حسینؑ کی خصوصیات

۲۸۸﴾ امت کے لیے راہ نجات

بیشک حسینی مکتب اس امت کے لیے راہ نجات ہے کیونکہ دین کو بیان کرنے کی وجہ امر معروف اور نہی از منکر ہے' یہ دونوں اپنے معانی کی وسعت کے لحاظ سے کہ معروف کی ترویج اور تشویق نیز منکرات سے مقابلہ نے لوگوں کو امام حسینؑ سے وابستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض نے کہا کہ (نبوی الحدوث و حسینی البقا) نبی نے نافذ کیا حسینؑ نے باقی رکھا۔

مصلح سازی کا مکتب

ہربرٹ سپنسر سے نقل ہوا ہے کہ ہمارے بزرگوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی تھی کہ جہاں انسانیت پروان چڑھتی ہے اُن محفلوں میں شرکت کرنی چاہیے' یعنی ایسے مکتب فکر جہاں پر لوگوں کی صلاحیتیں اجاگر ہوں' مکتب حسینی گناہ کار نہیں بناتا تھا صلاحیتیں اجاگر کرنے سے بھی بالاتر مکتب ہے کیونکہ یہ مکتب ایسے افراد تیار کرتا ہے جو مصلح ہیں یعنی خود دوسروں کی صلاحیتیں اجاگر کرنے والے ہیں۔

۲۸۹﴾ حسینی سٹیج

بیشک حسینی مکتب اس امت کے لیے نجات کا راستہ ہے کیونکہ یہ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا پلیٹ فارم ہے' جس طرح کہ سورہ شعراء میں ملتا ہے کہ پیغمبرؐ اس لیے آئے کیونکہ مفاسد زیادہ پھیل رہے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زندہ مکتب حسینی سے حسینؑ کا ظہور ہوتا ہے ایسا مکتب ہے کہ جو ہر وقت یعنی ہر سال محرم کے ایام میں ایک بہترین مصلح کی مانند ظہور کرتا ہے اور یہ پیغام ہماری سماعت تک پہنچاتا ہے۔

الاترون انالحق لا یعمل بہ' یا یہ کہ الموت اولی من رکوب العار

۲۹۰ شہادت کے تین مراحل ہیں

امام حسینؑ کی شہادت تین مرحلوں میں ہوئی: بدنی شہادت تو یزیدیوں کے ہاتھوں ہوگئی' بعد میں متوکل عباسی جیسے افراد کے دور میں دوسری شہادت ہوئی جب وہ شہرت' علامت اور نیک نامی سے خوف زدہ ہوگئے اور تیسری بار منبر پر آنے والے لوگوں نے شہید کیا اور یہ سب سے بڑی شہادت تھی جناب زینبؑ نے ایک جملہ یزید کے دربار میں فرمایا: (کد کیدک واسع سعیک) اس میں تینوں مرحلے شامل ہیں۔ حسینی مکتب ایسا نہیں ہے کہ وہ گناہ گار تیار کرے بلکہ یہ مکتب انبیاء کے مکتب کو آگے بڑھا رہا ہے جس کا ذکر سورہ شعراء میں ہوا ہے اور ہر سال اس کی تجدید ہوتی ہے تا کہ یہ مکتب زندہ رہے۔

۲۹۱ منطق و احساس کا مکتب

بیشک امام حسینؑ کا مکتب منطق و فلسفہ پر مبنی ہے۔ ایسا درس ہے جسے سیکھنا چاہیے اگر ہم اس مکتب کو ہمیشہ ایک فکری مکتب کی طرح بیان کرتے رہیں گے تو اس سے ملنے والی حرارت اور جوش ختم ہو جائے گا۔ بلکہ قدیم و پرانا ہو جائے گا' یہ ایک بہت بڑی اور عمیق فکر ہے' ایک عجیب اور فوق العادہ اور معصومانہ دور اندیشی ہے تا کہ یہ چاشنی کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ ہم عواطف کی اس چاشنی جو حسین بن علیؑ' یا امیر المومنین یا امام حسن یا بقیہ آئمہ اطہار علیہم السلام یا حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کے ذکر مصیبت میں پوشیدہ ہے اس کی حفاظت کریں۔

۲۹۲ مکتب کا خاتمہ نہ کہ مقبرے کا

متوکل عباسی نے حکم دیا کہ حسین بن علیؑ کی قبر پہ پانی چھوڑ دیا جائے تا کہ کوئی بھی زیارت کے لیے نہ جا سکے اور اگر کوئی جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیں' اگر کوئی ان کا نام لے تو یہ کریں فلاں فلاں' آپ کو یہ خیال آ رہا ہوگا کہ متوکل کسی نفسیاتی مرض کا شکار ہوگا' اس کا دل منطق سے خالی کینہ پروری سے بھرا پڑا تھا' ایسا نہیں ہے حسین ابن علیؑ کی عزاداری کی آئمہ اطہارؑ تاکید کرتے رہے' جس کے باعث کمیت اور دعبل بن علی جیسے افراد پیدا ہوئے اور متوکل عباسی کی منصوبہ بندی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

متوکل عباسی یہ خیال کرتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک ایک فوج کی مانند اثر رکھتا ہے' وہ یہ دیکھ چکا تھا کہ حسین کی میت زندہ حسین کی نسبت زیادہ اس کے راستے میں رکاوٹ ہے' کیونکہ آئمہ اطہارؑ کی وصیت اور دستور نے ایسا نہیں ہونے دیا کہ حسین بن علیؑ کا نام نہ رہے ایک فکر' ایک آئیڈیل ظلم کے مقابلے پر ایک عقیدہ نے حسین بن علیؑ کو زندہ رکھا۔

متوکل نے منصوبہ تو بڑا بنایا تاکہ اس فکر' اس آئیڈیا یا اس عقیدے کو ختم کر دے' بڑا عقل مند تھا اور مقدس مآب بھی تھا' حسین بن علیؑ کے بارے میں کوئی انفرادی یا روحانی دشمن بھی نہیں رکھتا تھا' لیکن وہ دیکھتا تھا کہ حسینؑ ان مرثیوں کے باعث ایک مکتب کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اب متوکل' متوکل نہیں رہ سکتا۔

۲۹۳۔ حسینؑ ایک مکتب ہے

حسینؑ کو ایک دن قتل کر دیا گیا اور ان کے سر اقدس کو بدن سے جدا کر دیا گیا لیکن حسینؑ کسی جسم کا نام نہیں' حسینؑ میری طرح یا آپ کی مانند نہیں' حسین تو ایک مکتب ہے جو ان کی موت سے اور زندہ ہو گیا' بنو امیہ کے منصوبہ سازوں کا یہ خیال تھا کہ حسینؑ کو قتل کرنے سے مسئلہ ختم ہو جائے گا' لیکن بعد میں انہوں نے دیکھ لیا کہ حسینؑ کی میت ان کے لیے زندہ حسینؑ سے زیادہ بڑی رکاوٹ ہے۔

مکتب کا بانی

امام حسینؑ ایک مکتب کے بانی ہیں لیکن یہ مکتب ایک عملی مکتب ہے وہی مکتب اسلام ہے جو مکتب اسلام نے بیان کیا ہے حسینؑ نے اس پر عمل کیا۔

۲۹۴۔ حسینیؑ مکتب آئیڈیل ہے

جنہوں نے اس بات کی تاکید کر رکھی ہے کہ حسین بن علیؑ کی عزاداری زندہ رہے۔ اس لیے کہ امام حسینؑ کا ایک مقصد تھا' حسینؑ بن علیؑ ایک مکتب کے بانی ہیں اور وہ چاہتے تھے کہ ان کا مکتب زندہ رہے' پوری دنیا میں ایسا مکتب آپ کو نظر نہیں آئے گا جو حسینؑ بن علیؑ کے مکتب کی مانند ہو' اگر آپ ایسا مکتب تلاش کر لیں تو پھر آپ یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہم کیوں ہر سال اس مکتب کی تجدید کرتے ہیں؟

تحریک عاشورا کے درس

۲۹۵﴾ حسینؑ انسانیت کے معلم ہیں

امام حسینؑ نے لوگوں کو غیرت کا درس دیا، تحمل اور بربادی کا درس دیا، لوگوں کو مشکلات اور سختیوں میں تحمل و برداشت کرنے کا درس دیا، مسلمانوں کے لیے اس میں عظیم درس ہے یہ جو کہتے ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ نے آخر ایسا کیا کیا ہے کہ دین اسلام زندہ ہو گیا، اس کا جواب یہی ہے کہ حسین بن علیؑ نے تازہ روح پھونک دی۔ خون میں جوش برپا کر دیا، غیرت مند بنا دیا، لوگوں کو عشق اور آئیڈیل دیدیا، دوسروں سے بے نیازی کی حس بیدار کر دی مشکلات میں تحمل اور حوصلہ مندی کا درس دیا ڈر اور خوف ختم کر کے رکھ دیا وہ جتنے ڈرتے تھے انہیں اتنا ہی شجاع اور دلاور بنا دیا۔

۲۹۶﴾ عزت آمیز زندگی کا درس

ہم دیکھتے ہیں کہ روز عاشورا امام حسین علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ان کے آخری کلمات میں بھی کرامت و بزرگواری اسلامی اخلاق و تربیت محور کے طور پر نظر آتے ہیں۔ ابن زیاد کی طرف سے بھیجے ہوئے قاصد کو یہ جواب دیا: **لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل و لا افر فرار العبید**، میں ایک پست فطرت انسان کی مانند اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گا ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود اس حالت میں بھی جنگ جاری رکھی۔

جبکہ سب اصحاب شہید ہو چکے ہیں، تمام رشتے دار اور قریبی شہید ہو چکے ہیں، اپنے بڑے فرزند کی شہادت بھی سامنے ہے اپنے بھائی کے قلم شدہ بازو بھی سامنے ہیں اور بند آنکھوں سے یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اب

سارے لوگ حرم اہل بیت پر ٹوٹ پڑیں گے اس حالت میں بھی جنگی شعار بلند ہوتے ہیں۔ایک سیادت حکومت اور آقا کے شعار اس معنی میں نہیں کہ میں ایک صدر مملکت بننا پسند کرتا ہوں بلکہ میں ایسا سربراہ ہوں کہ جس کی سربراہی اسے یہ اجازت نہیں دیتی کہ ایک پست فطرت کے مقابل تسلیم ہو جاؤں۔

۲۹۷﴾ ظلم کا مقابلہ کرنے کا درس

امام حسین علیہ السلام نے بڑی صراحت سے یہ فرمایا کہ اسلام ایسا دین ہے کہ حتیٰ یہ نہیں کہا کہ کس امام کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ ظلم وستم اور فساد اور گناہ کے مقابلے میں لاتعلق اور غیر جانبدار رہے۔

۲۹۸﴾ آئیڈیل بننے کی حس بیدار کردی

یہ جو میں تاکید کرتا ہوں کہ حسینی تحریک اور حادثہ کربلا و عاشورا سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔اس لیے کہ اس میں عظیم درس ہے یہ قیام ہمیں بتاتا ہے' میں مرثیے اور نوحے کا مخالف نہیں' لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ان نوحوں اور مرثیوں کو ایسا ہونا چاہیے کہ یہ ہمارے اندر حسینی آئیڈیل کو متحرک اور زندہ رکھے۔

۲۹۹﴾ عدالت و آزادی کا درس

ہیرو یا آئیڈیل کی جدائی پر گریہ وزاری کریں تا کہ آپ میں بھی یہ احساسات بیدار ہو جائیں تا کہ ان آزاد مردوں کی ارواح کے سائے میں آپ کی روح میں بھی یہ حس بیدار ہو جائے اور آپ میں بھی حق و حقیقت کی نسبت غیرت پیدا ہو جائے۔آپ بھی عدالت کے چاہنے والے بن جائیں' آپ بھی ظلم وستم کا مقابلہ کرسکیں آپ بھی آزادی طلب بن جائیں۔آزادی کے احترام کے قائل ہو جائیں' آپ کو بھی پتہ چل جائے کہ عزت نفس کیا ہوتی ہے؟ انسانیت اور شرافت کیا ہے؟ کرامت کیا چیز ہے؟

۳۰۰﴾ آزادی روح کا درس

حسینؑ فرزند پیغمبرؐ ہیں۔وہ جب اپنے ایمان کی تعلیمات کا پیغمبرؐ کے ذریعے اظہار کرتے ہیں تو اس میں پیغمبرؐ جلوہ گر ہوتے ہیں۔وہ چیز جس کا اظہار سب کرتے ہیں لیکن ان کے عمل میں ایسا نظر نہیں آتا وہ حسینی وجود میں دیکھنے کو ملتا ہے آخر کیوں انسانی روح میں اس قدر شکست پذیری نظر آتی ہے؟ سبحان اللہ!

انسان کہاں تک جا سکتا ہے کہ اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے جوان آنکھوں کے سامنے تہ تیغ ہوتے ہیں۔ پیاسے بھی ہیں اپنے خاندان کے بارے میں بھی جانتے ہیں کہ انہیں اسیر کرلیا جائے گا۔ جو کچھ پاس تھا لیکن ایک چیز باقی تھی وہ ان کی روح ہے اوران کی روح کبھی شکست قبول نہیں کرے گی۔

۳۰۱ عاشورا درس کا دن ہے

عاشورا کا دن ہے' حسینؑ بن علی علیہ السلام کی معراج کا دن ہے۔ ایسا دن ہے کہ جس دن ہم حسینی روح' حسینی غیرت' حسینی مقاومت' شجاعت و دلیری اور حسینی روشن بینی سے درس لے سکتے ہیں تا کہ ہم بھی انسانیت سے کچھ لیکر آدم بن سکیں' بیدار ہو سکیں۔

۳۰۲ حسینؑ کا ہر سال ظہور ہوتا ہے

امام حسینؑ علیہ السلام کی تحریک عالم اسلام کے لیے ایک پروگرام ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے تجدید حیات کا دن ہے یہ ظہور کی ایک ایسی قسم ہے کہ جس میں سید الشہداء خطیبوں' ذاکروں کے ذریعے ظہور کرتے ہیں یا صالحین اور انقلابیوں میں ظہور کرتے ہیں۔

۳۰۳ اقامۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس

یہ سٹیج اور ممبر پر جو کچھ موجود ہے یہ سب واقعہ کربلا اور آئمہ اطہارؑ کی وصیت کہ سید الشہداء کی عزاداری قائم رکھی جائے کی وجہ سے ہے سید الشہداء کی عزاداری کی برکت کے باعث یہ سب کچھ ہے۔ بعض غافل' سمجھدار اور متدین افراد یہ کہتے ہیں کہ اب سید الشہداء علیہ السلام کہ مجالس تو برپا ہوتی رہتی ہیں لوگ امام حسینؑ کے نام پر آنے لگے ہیں تو پھر ہم ایک اور اصول سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں؟ کیوں نہ اسی ضمن میں ایک اور اصول کا اجراء کریں؟ اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے لہٰذا حسینؑ بن علیؑ کے دو سٹیج بن گئے ایک سٹیج سے مرثیہ خوانی کا جس پر احساسات کے ذریعے مظلوم کا ساتھ دینے اور ظالم کے خلاف ہونے کی حس بیدار ہوتی ہے جس سے مظلوم کو فائدہ ہوا البتہ اگر اس کی روش درست ہو اس کے بڑے عظیم اثرات جو ہیں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں۔

دوسرا سٹیج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس ملک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے جو

ارشاد و ہدایت دی جاتی ہے وہ سب امام حسینؑ کے مقدس نام کے باعث ہے کتنا اچھا کام ہے اور کیسی اچھی سنت ہے جس پر عمل ہو رہا ہے۔ کتنا ہی اچھا کیا ہے کہ امام حسینؑ کے لیے ضمنی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سٹیج بنا کر اصول دین اور فروع دین کا وظیفہ انجام دیا جانے لگا ہے اور لوگوں کے احساسات سے حقیقی فائدہ اٹھایا اور خوب فائدہ اٹھایا۔

جس قدر لوگ امام حسینؑ کے نام پر جمع ہوتے ہیں کسی اور کے نام پر اتنے افراد جمع نہیں ہوتے یہ اچھا کیا ہے کہ اس سنت سے فائدہ اٹھایا جانے لگا ہے۔

۳۰۴۔ انسان برائیوں سے نفرت کرتا ہے

بشر میں یہ کیا چیز ہے؟ بشر میں یہ کیسی حس ہے؟ یہ انسانیت کی اصل اور اس کی نمائندہ چیز ہے۔ کلی طور پر آخر وہ کونسی وجہ ہے کہ نیک لوگوں سے محبت اور برے لوگوں سے نفرت کی جاتی ہے چاہے ان کا تعلق گزشتہ دور سے ہی کیوں نہ ہو؟ جب یزید و شمر کا نام ہمارے سامنے لیا جاتا ہے اور انہوں نے جو جرم کیے اور دوسری طرف شہیدان کربلا کا ذکر ہوتا ہے اور جو فداکاری کے جوہر انہوں نے دکھائے تو ہمارے اندر پہلے گروہ کے لیے نفرت اور دوسرے گروہ کے لیے عجیب حس ہے جو احترام کی قائل ہے' یہ کیا ہے؟ کیا یہ درجات کا مسئلہ ہے ہم خود کو شہیدان کربلا کے گروہ میں پاتے ہیں اور یزید و شمر سے ہم اس طرح نفرت کرتے ہیں جس طرح ہم اپنے دشمن سے کرتے ہیں اور احترام کرنے کی حس کو شہیدان کربلا سے منسوب کرتے ہیں۔

۳۰۵۔ معرفت امام کا نتیجہ

جب آپ امام کی شناخت کرلیں گے اور امام کی معرفت حاصل کرلیں گے اس وقت جو تمہارا دل چاہے نیک عمل انجام دیں کیونکہ امام کی شناخت کے بعد آپ یہ جان چکے ہیں کہ نیک عمل کیسے انجام دیں' قبولیتِ عمل کی شرط آپ نے پالی ہے' اب آپ امام شناس ہو گئے ہیں جبکہ آپ علیؑ شناس ہو گئے ہیں جبکہ آپ حسینؑ شناس ہو گئے ہیں جو بھی عمل خیر ادا کر سکتے ہیں کریں' میں نے کب کہا ہے کہ جب امام کی شناخت کرلو پھر ہر فسق و فجور انجام دے سکتے ہو' جس کا تمہارا دل چاہے۔

ہمیشہ زندہ رہنے والی تحریک کا راز

۳۰۶۔ حسینی تحریک کی جاودانگی کا راز

جب انسان امام حسینؑ کو ان صفات اور خصائل کے ساتھ جان لیتا ہے' تو وہ حق کو دیکھ لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ نام تا ابد زندہ رہے کیونکہ حسینؑ اپنے مالک نہیں تھے' خود کو انسان پر قربان کر دیا' انسانی اجتماع پر قربان کر دیا' انسانی مقدسات پر فدا ہو گئے' اسی لیے انسان انہیں اپنا سمجھتے ہیں' جب دوسرا انسان دیکھتا ہے کہ یہ انسان کسی شخص چیز کا وجود نہیں جو بھی ہے شرافت اور انسانیت ہے تو وہ انہیں اپنے ساتھ متحد اور ایک دیکھتا ہے۔

۳۰۷۔ مؤمنین کے دلوں میں حسینؑ کا نورانی نام ثبت ہو چکا ہے

بہت سے سلاطین یہ چاہتے تھے کہ ان کے نام اور ان کی باتیں اور ان کے پیغام (اگرچہ کہ اس میں انسانوں کے لیے کوئی پیغام نہیں تھا اور وہ فقط ان کی خودخواہی کا اظہار تھا) باقی رہ جائیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے دھات پر اپنی باتیں کندہ کروائیں' مثلاً میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں' میں بادشاہ کی نسل سے ہوں لیکن یہ کندہ کی ہوئی باتیں اور نہ نوشتہ جات کبھی بھی لوگوں کے دلوں اور سینوں پر ثبت نہ ہوئے اور نہ اس جگہ پر نقش رہ سکے' اس کے برعکس جو کہ پیام کی مانند تھے امام حسین علیہ السلام نے دیئے تھے اگرچہ کسی دھات تختی یا پتھر پر کندہ نہیں کیے گئے تھے' چونکہ خون سے لکھے گئے تھے اور ہوائی لہروں کے صفحات پر ثبت ہوئے تھے اس لیے لوگوں کے سینوں اور دلوں پر ثبت ہو گئے اور انبیاء کی وحی کی طرح نورانی صورت میں دلوں میں ہمیشہ باقی رہ گئے۔

ان للحسین محبة مکنونة فی قلوب المؤمنین' امام حسین علیہ السلام کے لیے مؤمنین کے

دلوں میں ایک محبت پنہاں ہے۔

امام حسینؑ کا پیام روح کے عالی ترین مقامات اور مراکز پر ثبت ہوا' یہاں تک کہ دل میں اس کے احساسات کی ایک جگہ بن گیا اور ان کا نام لیتے ہی آنسو جاری ہو جاتے ہیں خدا جانتا ہے کہ اس ایک ہزار تین سو برسوں میں کتنے آنسو بہے ہیں' یہ حقیقت میں ایسا ہی ہے اس لیے کہ وہ پیام حقیقت رساں تھے اس لیے ہے کہ ان کے پیام دل آشنا اور فطرت آشنا تھے اس لیے ہے کہ ان کی باتیں ہماری باتوں کی مانند نہیں تھیں اور اس لیے ہے کہ اس کام میں خدا کا فرمان اور اس کے بندے کار فرما تھے۔

۳۰۸﴾ یاور و مددگار طلب کرنے کی وجہ

امام حسین علیہ السلام نے اپنا پیغام نہ پتھر پر لکھا نہ کھودا' انہوں نے جو کچھ کہا وہ ہوا کی لہروں اور لوگوں کے کانوں میں گونجا لیکن دلوں پر لکھ دیا گیا اور اس طرح لکھ دیا گیا کہ اب دلوں سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ حضرت خود بھی اس حقیقت سے واقف تھے مستقبل کو بالکل درست طور پر دیکھ رہے تھے کہ اس کے بعد امام حسینؑ قتل نہیں ہو سکتے وہ کبھی مارے نہیں جا سکتے آپ دیکھیے یہ کیا؟ کیا یہ محض ایک اتفاق ہو سکتا ہے؟ نہیں امام حسین علیہ السلام عاشور کے دن آخری گھڑیوں اور لمحوں میں فریاد کر رہے تھے یعنی مدد طلب کر رہے تھے اب بھی کوئی مددگار چاہتے تھے ایسے مددگار جو آئیں اور قتل ہوں ایسے مددگار نہیں جو آئیں اور انہیں بچائیں امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب' بھائیوں اور بیٹوں کے مارے جانے کے بعد بے شک وشبہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ زندہ رہیں لیکن یہ ضرور چاہتے تھے کہ دوست و مددگار اب بھی آئیں اور قتل ہوں۔

اس وجہ سے امامؑ عالی مقام نے ھل من ناصر ینصرنی کی صدا بلند کی' جب آپؑ کی صدا خیموں تک پہنچی تو خواتین میں کہرام مچ گیا رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں' امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباس اور اہل بیت کے ایک اور فرد کو خیموں میں بھیجا اور فرمایا جاؤ اور ان مستورات کو کہہ دو کہ خاموش ہو جائیں وہ آئے اور انہوں نے خواتین کو خاموش کروا دیا۔

۳۰۹﴾ مؤمنین کا حسینؑ سے تعلق ہے

آج ہم کیوں حسینؑ پر فدا ہوتے ہیں؟ کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ حسین منی و انا من الحسین اور ہم سب اسے اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ یعنی حسینؑ کو خود سے اور خود کو حسینؑ سے جدا نہیں

سمجھتے' ہم حسینؑ کو اس انداز میں نہیں دیکھتے کہ یہ ان کا انفرادی مسئلہ تھا' ہم انہیں ایک کلی روح کے طور پر جانتے ہیں کہ جو قبل از وقت ہماری فکر میں تھا' اس لیے وہ ہم میں سے اور ہم اس میں سے ہیں' وہ انسانیت سے ہیں اور انسانیت ان سے ہے وہ ہماری روح اور تقدیر کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں ہم ان سے اور وہ ہم سے ہیں۔

۳۱۰﴾ حسینؑ کے نام اور ان کی یاد کو زندہ رکھنا

عاشور کے حادثہ میں' ہمیں جو چیز حسین بن علیؑ میں نظر آتی ہے اس کی مثال نہیں ملتی' اس مصیبت کے دن توحید' ایمان' خداشناسی' ایمان کامل' تسلیم و رضا' صبر' مردانگی' اطمینان نفس' ثبات واستقامت' عزت اور کرامت نفس' آزادی کی چاہت اور آزادی طلب کرنا اس لیے کہ یہ بات انسانی فکر میں ہے' انسان کو یہ بات یاد رہے کہ اگر دنیا میں کوئی اور ایسا نمونہ مل سکے تو پھر کہنا کہ ہم حسین بن علیؑ کا نام کیوں زندہ کریں؟ (بدل نہیں' یہ بے نظیر ہے)

آپ کی تحریک اور نام کو زندہ رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری روح حسین بن علیؑ کی روح کے زیر سایہ رہے۔

۳۱۱﴾ عاشورا اسلام کا مجسمہ ہے

جب ہم اسلام کی جامعیت کو دیکھتے ہیں تو اس وقت' ہمیں تحریک حسینی کو مدنظر رکھنا چاہیے کربلا میں امام حسینؑ نے کلیات اسلام پر عمل کر کے دکھایا' اسے مجسم کیا' لیکن ایک زندہ مجسم ایک حقیقی جاندار' نہ کہ بے روح جسم' انسان جب کربلا کے واقعات پر غور کرتا ہے تو اسے ایسے امور نظر آتے ہیں جن سے وہ حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور کہتا ہے یہ واقعات اتفاقیہ نہیں ہو سکتے' آئمہ اطہارؑ کی اس واقعہ کربلا کو زندہ رکھنے کی وصیت اور تاکید کا راز یہ ہے کہ یہ واقعہ اسلام کا مجسم عمل ہے اس لیے اس مجسم اسلام کو فراموش نہیں ہونا چاہیے۔

۳۱۲﴾ تا قیامت زندہ و جاوید رہنے والی تحریک

جو اصحاب مدینہ سے حضرتؑ کے ساتھ آئے تھے ان کی تعداد بہت کم تھی' شاید وہ تعداد میں بیس بھی نہیں تھے' کیونکہ چند لوگ راستے میں جدا ہو کر چلے گئے' پھر اس میں سے بیشتر کربلا کے بہتر (۷۲) افراد

میں شامل ہو گئے اور بہت سے عمر سعد کے لشکر سے جدا ہو کر امام حسینؑ کے ساتھ آ ملے' ان میں سے بعض ایسے تھے کہ جب خیموں کے قریب سے گزرتے اور مناجات و دعا کی پر سوز آواز سنتے تلاوت قرآن کی صدا سنتے' ذکر خدا' ذکر رکوع' ذکر سجود' سورہ حمد اور دوسری سورتیں سنتے تو جذب ہو جاتے اور اس کا ان پر اثر ہو جاتا' یعنی امام حسینؑ نے ہر اس وسیلے سے استفادہ کیا جس کا اثر ہو سکتا تھا یہاں تک کہ وہ تمام وسائل جن کا امام حسین علیہ السلام کربلا کے صحرا میں استفادہ کیا امام حسینؑ نے اس طرح اس صورتحال کو ترتیب دیا کہ گویا یہ ایک تاریخی نمائش ہوتا کہ وہ تا قیامت ایک ہلانے والے تاریخی واقعے کی مانند زندہ رہے۔

۳۱۳۔ امام حسینؑ کی طاقتور تحریک

ایک بلیغ تحریک وہ ہوتی ہے جو کوئی ایسا پیغام رکھتی ہو کہ وہ دلوں پر افکار پر اور احساسات پر اثر رکھے اور بہترین انداز میں اپنا پیغام پہنچائے' جب ہم اس پہلو پر نظر ڈالتے ہیں' تو ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک حسینی سے زیادہ بلیغ تر اور رساتر پیغام رسانی پوری دنیا میں کسی اور تحریک میں نظر نہیں آتی جو مکان کے لحاظ سے تو پوری دنیا میں پھیل گئی ہے دوسری طرف زمان کے لحاظ سے چودہ سو صدیاں بیت گئیں اب بھی اس واقعے میں ایسی قدرت ہے جو کم نہیں بلکہ روز بروز اضافہ ہو رہا ہے یہ تحریک فوق العادہ قوی ہے۔

بلیغ تحریک کسی پیام کو دلوں خیالوں اور جذبوں تک ابلاغ کرنا چاہتی ہے تو ابلاغ کر دیتی ہے اور بخوبی ابلاغ کر دیتی ہے' اس پہلو پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں کہ تحریک حسینی سے زیادہ بلیغ' زیادہ رساں (پہنچنے والی) اور زیادہ رسانندہ (پہنچانے والی) دنیا میں اور کوئی تحریک نظر نہیں آتی' یہ ایسی تحریک ہے کہ اگر آپ اسے ایک طرف سے دیکھیں تو یہ مکانی اعتبار سے پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور دوسری طرف سے یعنی زمانی اعتبار سے چودہ صدیوں کے بعد بھی اس کی پیغام رسانی کی قوت اور اثر انداز ہونے کی قوت کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی ہے۔ یہ تحریک غیر معمولی طور پر توانا ہے۔

۳۱۴۔ حسینیؑ نور جو خاموش نہیں ہوگا

ہمارے شاعروں نے شہادت کا ذمہ دار آسمان کو ٹھہرایا ہے' کمیت اس قسم کا شاعر نہیں تھا وہ ایک قصیدہ کہتا تھا تو دنیا لرز جاتی تھی' لیکن امام حسینؑ کی تاریخ کے ساتھ' حسینؑ کے نام کے ساتھ اور حسینؑ کے مرثیے

کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا نہیں کیا؟ ان کے لیے امام حسینؑ کی قبر بھی ایک مصیبت بن چکی ہے لوگوں نے ارادہ کیا کہ آپؑ کی قبر برباد کردی جائے قبر ڈھادی گئی اس کے تمام نشانات مٹاڈالے' زمین ہموار کردی گئی' قبر کی جگہ اس طرح پانی بھر دیا گیا کہ کسی کو پتا نہ چل جائے کہ امام حسینؑ کی قبر کس مقام پر واقع ہے' لیکن کیا ایسا ہوگیا؟ لوگ وہاں اور زیادہ پہنچنا شروع ہو گئے۔

مصیبت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے کا فلسفہ

۳۱۵۔ مصیبت امام حسینؑ پر گریہ کرنے کا فلسفہ

سید الشہداء امام حسینؑ سے مربوط مسائل میں سے ایک مسئلہ آپ پر گریہ وزاری کرنے کا مسئلہ ہے خود رونے اور ہنسنے پر چند زاویوں سے بحث و گفتگو ہونی چاہیے۔

۱۔ سب سے پہلے اس زاویہ سے کہ یہ انسانی خصوصیات میں سے ہے۔

۲۔ جسمانی اور روحانی علت کے لحاظ سے۔

۳۔ اثرات اور عوارض کے لحاظ سے۔

۴۔ اخلاقی لحاظ سے اس پر بحث و گفتگو اور علمائے اخلاق و آداب کے اس بارے میں ثابت شدہ عقیدہ کا بیان۔

۵۔ رونے اور ہنسنے کے اجتماعی اثرات۔

۶۔ رونے اور ہنسنے کی اقسام آیا رونے کی تمام اقسام بری ہیں اور ہنسنے کی تمام اقسام اچھی ہے یا ایسا نہیں؟

یہ سب رونے اور ہنسنے کے وہ مختلف زاویے ہیں جن پر بحث و گفتگو کرنے کی ضرورت ہے' لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ امام حسینؑ پر گریہ کرنا لذت بخش ہے جو انسانی دل کو پاکیزگی اور روشنی بخشتا ہے یہاں پر امام حسینؑ کے مکتب اور ٹریجڈی (Tragedy) اور کامیڈی (Comedy) کے درمیان ایک موازنہ ہونا چاہیے' کامیڈی اور ٹریجڈی کی طرف اور اُن اشعار کی طرف جو ہمارے شاعروں نے گریہ اور مدح کے باب میں لکھے ہیں ان سب کی طرف اشارہ ہونا چاہیے جیسے کہ یہ شعر:

گریہ بر ہر دردی درمان دواست

چشم گریان چشمہ فیض خداست

یعنی ہر درد کا علاج رونا ہے اور روتی آنکھیں خداوند عالم کے فیض و رحمت کا چشمہ ہیں۔

رونا اور ہنسنا انسان کی شدید ترین احساسی کیفیت کا مظہر ہوتا ہے جب لوگوں کو رلانے اور ہنسانے کی قدرت کسی کو حاصل ہو جاتی ہے تو درحقیقت وہ ان کے دلوں کا مالک ہو جاتا ہے اور پھر ان سے ان کے میل و محبت سے کھیلتا ہے انسانی قلب کا کام عقل کے کاموں سے ہٹ کر ہے ابھی تک لوگوں کے دلوں کو عقل کے کنٹرول میں لائے بغیر اور بغیر کسی ہدف کے امام حسینؑ پر رلا کر کھیل کھیلا گیا ہے بلکہ تنہا یہی ہدف رکھنا بھی کافی نہیں نظم و ضبط کا ہونا بھی ضروری ہے۔

۳۱۶ یہ ہے درد انسانیت

اس ضمن میں بوعلی سینا نے ''اشارات'' کے آخر میں بطور مثال ''بدن کی ورزش کا ذکر کیا ہے' وہ کہتا ہے جب انسان اپنے بدن کو کھجاتا ہے تو اسے درد تو ہوتا ہے۔'' لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے ایک لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور بدن کو کھجلانا اسے اچھا لگتا ہے۔ یہ درد ہے لیکن یہ درد تلخ نہیں ہے۔ یہ درست ہے وہ دل جلاتا ہے اور آنسو بھی نکل آتے ہیں لیکن یہ غم اور درد محبوب اور مطلوب ہے' آپ جانتے ہیں کہ انسان ہمیشہ رنج و غم سے دور بھاگتا ہے لیکن اگر اسے کوئی یہ کہے کہ فلاں جگہ حضرت سید الشہداء کی مجلس بپا ہے' آؤ میرے ساتھ چلو کہ وہاں کچھ آنسو بہائیں' تب وہ پوری رضامندی کے ساتھ ایسی مجالس میں شریک ہوتا ہے اور آنسو بہاتا ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کا دل نہ دکھے وہ آنسو نہیں بہاتا۔ چونکہ مجلس سید الشہداء میں ان کے مصائب پر اس کا دل دکھتا ہے اس لیے وہ آنسو بہاتا ہے تو انسان پاکیزگی کا احساس کرتا ہے اور اس درد کے مقابلے میں کوئی اور چیز نہیں آسکتی یہی درد انسانیت ہے۔

۳۱۷ گریہ وزاری کرنے کا مقصد

آئمہ اطہارؑ نے کیوں کہا (بلکہ پیغمبرؐ سے بھی روایت ہے) کہ یہ تحریک زندہ رہے۔ لوگ اسے بھول نہ جائیں۔ لوگ امام حسینؑ کے لیے روتے رہیں۔ اس حکم سے ان کا کیا مقصد تھا؟ ہم نے اس اصلی مقصد کو

مسخ کرڈالا ہم نے کہہ دیا کہ یہ بات صرف حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی تسلی کی خاطر کی گئی ہے۔ اگرچہ وہ بہشت میں اپنے فرزند ارجمند کے ساتھ ہیں اور اس بات کے لیے بیتاب رہتی ہیں کہ ہم جیسے کم ظرف لوگ کچھ روتے رہیں تا کہ ان کے دل کو تسلی ہوتی رہے۔ کیا خاتون جنت کی توہین اس سے بھی بڑھ کر ہوسکتی ہے؟ کچھ دوسروں نے یہ کہہ دیا کہ امام حسینؑ کربلا میں ظالموں کے ہاتھوں بے قصور قتل ہوئے۔ یہ بڑی اندوہناک بات ہے۔ میں بھی مانتا ہوں کہ حسینؑ بے قصور مارے گئے۔ لیکن بس اس قدر کافی ہے؟ صرف یہی؟ ایک شخص چند ظالموں کے ہاتھوں بے تقصیر مارا گیا؟

دنیا میں روزانہ ہزاروں بے قصور آدمی قصورواروں کے ہاتھوں قتل ہو جاتے ہیں کسی دن ہزاروں آدمی دنیا میں ضائع ہو جاتے ہیں اور یہ بات المناک بھی ہے لیکن کیا اس ضائع اور قتل ہونے کی کوئی ایسی قدر و قیمت ہے جو سالہا سال اور دس بیس تیس صدیاں گزرتی رہیں؟

۳۱۸۔ خون حسینؑ کے قطرے قطرے کی اہمیت ہے

اور ہم بیٹھے بیٹھے غم مناتے رہیں کہ افسوس حسین بن علیؑ قتل ہو گئے' ان کا خون ضائع ہو گیا' حسین بن علیؑ بے قصور مارے گئے' ظالموں کے ہاتھوں مارے گئے لیکن یہ کسی نے کہہ دیا کہ حسینؑ بن علیؑ ضائع ہو گئے؟ حسینؑ بن علیؑ کا خون رائیگاں گیا؟ اگر دنیا میں تم کوئی ایسا آدمی پاؤ گے جس نے اپنے خون کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں جانے دیا تو وہ حسینؑ بن علیؑ ہیں۔ اگر دنیا میں تمہیں کوئی ایسا آدمی ملے گا جس نے اپنی شخصیت کا ایک پہلو بھی رائیگاں نہیں ہونے دیا وہ حسینؑ بن علیؑ ہیں۔ انہوں نے اپنے خون کے ایک ایک قطرے کی اس قدر قیمت لگائی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔

اگر دنیا کی اس دولت کا جو ان کی خاطر صرف ہوتی ہے ہم قیامت تک حساب لگائیں تو ان کے خون کے ہر قطرے کی خاطر اربوں کھربوں روپے خرچ بنے گا۔ جس شخص کے قتل ہونے کا یہ نتیجہ نکلا ہو کہ اس کا نام ظالموں کے محلوں کی بنیادیں ہمیشہ کے لیے متزلزل کر دے' کیا وہ شخص ضائع ہو گیا؟ کیا اس کا خون رائیگاں بہہ گیا؟ کیا ہم اس بات پر افسوس کریں کہ حسینؑ بن علیؑ ضائع ہو گئے؟ اے ناداں! تو ضائع ہو گیا۔ میں اور تو دونوں بے مصرف ہیں۔ ہماری عمریں بے مصرف ہیں۔ اپنا غم منا' اپنے پر افسوس کر ذرہ

حسینؑ بن علیؑ کی توہین کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ ضائع ہو گئے حسینؑ بن علیؑ وہ شخص ہیں کہ ان لک درجة عند الله لن تنالها الا بالشهادة کیا حسینؑ بن علیؑ جو شہادت کی آرزو کرتے تھے اپنے ضائع ہونے کی آرزو کرتے تھے؟

۳۱۹﴾ بااہمیت آنسو

وہ آنسو جو اُن کے لیے بہاتے ہیں اگر ہماری روح کی مطابقت کے باعث بہتے ہیں تو گویا وہ ایک چھوٹی سی پرواز ہے جو ہماری روح' حسینی روح کے ساتھ کرتی ہے۔ اگر ان کی ہمت' غیرت' حریت' ایمان' پرہیزگاری اور توحید کا حقیر سا جزو بھی ہم میں جھلک اُٹھے اور پھر ایسا آنسو ہماری آنکھ سے بہنے لگے تو وہ آنسو بیش قیمت ہوگا۔ اگر کہیں کہ مکھی کے پر کے برابر ایسے آنسو کا بھی بدل پوری دنیا کے برابر ہوگا تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے البتہ وہ آنسو نہ ہو جو حسینؑ کا مقصد ضائع جانے کے لیے بہایا جائے بلکہ وہ آنسو جو حسینؑ کی عظمت کے لیے ہو' حسینؑ کی شخصیت کے لیے ہو' وہ آنسو جو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مطابقت اور ان کی پیروی کرنے کی خاطر بہایا جائے اگرچہ مکھی کے پر کے برابر بھی ہو تو بدلے میں ایک دنیا کے برابر ہوگا۔

۳۲۰﴾ امام حسینؑ سے سچی محبت

یہ ہماری سوچ ہے کہ امام حسینؑ پر جھوٹ موٹ کے آنسو بہا لینا کافی ہے لیکن امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا یہ سب جھوٹ ہے' اگر علیؑ کی محبت تمہیں عمل کی طرف لے آئے' تو جان لو کہ تمہاری یہ محبت سچی ہے اگر حسینؑ پر گریہ وزاری تجھے عمل کی طرف لے جائے تو پھر تم نے حسینؑ پر گریہ وزاری کی ہے اور تمہارا یہ رونا سچ ہے وگرنہ ایک شیطانی فریب ہے۔

۳۲۱﴾ ایک ہیرو کی مصیبت پر رویا جائے

یہ رثاء اور مصیبت بھولنے نہ پائے' یہ ذکر اور یاد آوری کہیں پر فراموش نہ ہو جائے' ہمیشہ لوگوں کے آنسو بہتے رہیں' لیکن ایک ہیرو کے لیے' پس سب سے پہلے آپ کے لیے ضروری ہے کہ ہیرو کی پہچان ہو جائے اور پھر اس کی مصیبت پر روئیں' وگرنہ ایک ایسا شخص جس کا خون ضائع ہو چکا ہو اور جس کا کوئی

وارث نہ ہو اس پر کیا رونا' اس کے لیے ایک ملت کا رونا کوئی معنی نہیں رکھتا' ایک ہیرو کی جدائی پر روئیں تاکہ آپ میں بھی اس جیسے احساسات بیدار رہوں۔

۳۲۲۔ مقدس آنسو

عیسائیوں کے عقائد کا ایک اصول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سولی پر چڑھنا ہے تاکہ یہ توڑ بن جائے' حضرت عیسیٰ کا لقب انقادی (توڑ) ہے عیسائیت کی رو سے عیسائی عقیدے کا ایک جزو ہے کہ عیسیٰ اس لیے سولی پر چڑھ گئے تاکہ وہ قوم کے گناہوں کا کفارہ بن سکیں یعنی عیسائی اپنے گناہوں کا کفارہ حضرت عیسیٰ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں' ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ یہ بات تو عیسائی دنیا کی ہے' اسلامی روح کے ساتھ اس کا کوئی تعلق یا مطابقت نہیں' خدا کی قسم یہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام پر تہمت اور بہتان ہے۔

واللہ اگر کوئی رمضان کے مہینے میں روزہ دار ہو اور حسینؑ بن علیؑ سے یہ بات منسوب کرے اور کہے کہ حسینؑ ایسے ہی کام کے لیے تھے اور (یہ بات) ان سے نقل کرے تو اس کا روزہ باطل ہے۔ یہ حسینؑ پر جھوٹ ہے' حسینؑ نے گناہ سے لڑنے کے لیے قیام کیا تھا' اس کے برعکس ہم نے کہہ دیا کہ انہوں نے اس لیے قیام کیا کہ گنہگاروں کی حفاظت کریں' ہم نے کہہ دیا کہ حسینؑ نے ضمانت دیدی' گویا ایک بیمہ کمپنی کی بنیاد رکھ دی' بیمہ کیسا؟ گناہ کا بیمہ' آپ نے گویا فرمایا کہ میں نے تمہارے گناہوں کا بیمہ کر دیا۔ اس کے بدلے میں کیا لوں گا؟ آنسو! تم میرے لیے آنسو بہاؤ میں اس کے عوض تمہارے گناہوں کی تلافی کر دوں گا۔ چاہے کوئی بھی ہو' ابن زیاد ہو عمر سعد ہو۔ دنیا میں ایک ابن زیاد کم تھا دنیا میں ایک عمر سعد کم تھا۔ کیا دنیا میں سنان بن انس کم تھا' دنیا میں ایک خولی کم تھا' کیا امام حسینؑ نے چاہتے تھے کہ دنیا میں خولی زیادہ ہو جائیں' دنیا میں عمر سعد زیادہ ہو جائیں۔ کیا آپؑ نے یہ فرمایا تھا اے لوگو! تم سے جتنا برا بنا جا سکے بن جاؤ میں تمہارا ضامن ہوں؟

۳۲۳۔ با اہمیت آنسو

لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ راست اور درست ذکر سنیں تاکہ اچھی اور صحیح باتوں سے ان کی فکری سطح بلند ہو اور وہ یہ جان لیں کہ اگر ان کی روح ایک لفظ کو بھی صحیح درک کر لیتی ہے یعنی حسینؑ بن علیؑ کی روح کے

ساتھ ہم آہنگ ہوگئی تو اس کے نتیجے میں بہنے والا آنسو ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو تو اس کا حقیقت میں بہت بڑا درجہ ہوگا لیکن جو آنسو رجوع قلب کے بغیر بہہ جائے تو وہ سمندر بھی ہو تب بھی بے وقعت ہوگا۔

۳۲۴﴾ امام سجادؑ کے بامقصد آنسو

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ امام زین العابدین اپنے والد بزرگوار کے بعد جتنا عرصہ زندہ رہے انہوں نے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ انہوں نے ایسا کیا کہ یہ واقعات ذرا بھول جائیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ آپؑ ہر موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ وہ اپنے والد بزرگوار کے قیام کے اثرات زندہ رکھ سکیں۔ آپ جو گریہ وزاری کرتے تھے وہ کس لیے تھا؟ کیا ان کی حالت ایسی تھی جیسے ایک آدمی کا دل جلتا ہے تو وہ بے مقصد رونے لگتا ہے؟ یا اس حادثے کو زندہ رکھنے کے لیے تاکہ کہیں لوگ امام حسینؑ کو یاد رکھیں اور یہ بھی یاد رہے کہ کس نے انہیں قتل کیا؟ اس لیے آپؑ کبھی بہت زیادہ گریہ وزاری کرتے تھے ایک مرتبہ آپؑ کے خادم نے عرض کیا آقا کیا ابھی ایسا وقت نہیں آچکا کہ آپؑ اب رونا ترک کردیں۔ (اس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ امامؑ اپنے عزیزوں کے لیے روتے ہیں۔)

فرمایا: تم کیا کہہ رہے ہو؟ یعقوبؑ کے پاس ایک ہی یوسف تھا' قرآن مجید نے ان کے جذبات کی اس طرح تشریح کی: وابیضت عیناہ من الحزن (سورہ یوسف آیت نمبر ۸۴ ان کی آنکھیں فراق یوسف کے غم میں سفید ہوگئیں) میں نے اپنی آنکھوں سے گرتے دیکھے ہیں۔

۳۲۵﴾ بامعرفت آنسو

جو چیزیں عمل کی اہمیت کو کیفیت کے لحاظ سے بلند کردیتی ہیں۔ ان میں سے ایک معرفت ہے۔

آخر کیوں زیارات کے باب میں یہ کہا گیا ہے کہ: من زار الحسین علیه السلام عارفا بحقه' جو بھی امامؑ کی زیرت کرے اس شرط کے ساتھ کہ انہیں جانتا ہو کہ وہ کون ہیں کیا ہیں؟ اس لیے کہ شناخت بنیاد ہے۔

یہ جو چند اشخاص شبے کا اظہار کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کے لیے بہایا گیا ایک قطرہ آخر اتنی اہمیت کیسے حاصل کرسکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص امام حسینؑ کے لیے اتنا روئے کہ اگر اس کی زندگی کے تمام آنسو جمع کیے جائیں تو ایک تالاب کی شکل بن جائے اور اس کی کوئی اہمیت بھی نہ ہو' لیکن ایسا ممکن ہے کہ اگر ایک انسان مکھی کے پر برابر آنسو بہائے جو اس تالاب سے بھی زیادہ بااہمیت ہو۔

حادثہ کربلا میں خواتین کے کردار کی تاثیر

حصہ اول

تاریخ میں خواتین کا کردار

۳۲۶۔ عورت تین طرح کے کردار ادا کر سکتی ہے

خواتین کے تین کردار ہیں عورت تاریخ سازی میں تین قسم کے کردار رکھتی ہے یا رکھ سکتی ہے۔ پہلا یہ ہے عورت ایک گرانبہا چیز ہے اور نتیجۃً محض ناقص اور کردار کے لائق نہیں ہے۔ چونکہ گرانبہا شے ہے' اس لیے کردار کے بغیر ہے یہ وہی منطق ہے جس کے سبب عورت کو بس گھر کے کونے میں بٹھانے اور مرد کی خدمت کرانے' بچے جننے اور دودھ پلانے ہی کے لائق سمجھا جاتا ہے برخلاف اس کے کہ وہ بچے کی باطنی استعداد کو ترقی اور بالیدگی دے اس کی تعلیم و تربیت پر واقعی توجہ دے اور اس کی شخصیت تیار کرے۔ اس منطق کے مطابق عورت کے جس قدر ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہوں وہ اتنی ہی بہتر اور زیادہ گرانبہا ہے' جتنی زیادہ بے خبر ہو اتنی ہی زیادہ گرانبہا ہے' جتنی زیادہ بے ارادہ ہو بہتر' جتنی زیادہ ناآگاہ ہو بہتر' جتنی زیادہ اسیر اور اور بغیر ارادے کے ہو بہتر اور جتنی زیادہ بے ہنر اور اثر پذیر ہو اتنی بہتر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسانی شخصیت کو تین اصول تشکیل دیتے ہیں۔ آگاہی' آزادی اور تخلیق ان تینوں چیزوں کا عورت میں جس قدر فقدان ہو وہ اس قدر بہتر' اس صورت میں عورت مرد کے لیے ایک کھلونا ہوتی ہے' البتہ جامعہ کے تمام مردوں کا نہیں۔

تاریخ سازی میں عورت کا دوسرا کردار یہ ہے کہ ہم کلی طور پر مرد اور عورت کے درمیان تفاوت اور فرق کو ختم کردیں۔ ان تمام حدود و قیود کو ختم کردیں جن سے عورت محترم ہوتی ہے اور عورت کو کلی طور پر مورد استفادہ یونٹ قرار دیدیں۔ یعنی مرد اور عورت کے درمیان فاصلہ اور حریم کو کلی طور پر ختم کردیں۔ اس نظریہ کے تحت عورت ایک شخصیت تو ہے اور تاریخ ساز بھی ہے لیکن اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اس کا کردار اور زیادہ تاریخ کو فاسد کرنے کی طرف ہوتا ہے' دوسرے الفاظ میں عورت نظریہ کے مطابق کچھ حد تک عزیز محبوب اور قدر و قیمت کی حامل تھی لیکن ضعف و کمزور گراںبہا چیز تھی لیکن اس دوسرے نظریے کے مطابق وہ ایک شخصیت تو ہے لیکن بے قدر و قیمت شخصیت ہے۔

تیسرا کردار وہ ہے کہ جس کی اسلام حمایت کرتا ہے یعنی عورت ایک گراںبہا شخصیت ہے اور اس کی قدر و قیمت دو چیزوں سے وابستہ ہے۔

ایک خاص انسانی استعداد سے یعنی یہ کہ وہ علم و ارادہ قدرت تحقیق اور تخلیق سے بہرہ مند ہو دوسرے یہ کہ وہ فسق و فجور سے دور اور ہر مرد کی مورد مفاد واقع نہ ہو۔ بس مکتب اسلام عورت کی حرمت کی نگہداری کے ساتھ ساتھ اس میں استعدار پیدا کرنے اور اس کے کمالات میں نمو اور بالیدگی لانے کا حامی ہے۔ اسلام میں عورت کا حریم ہونا نہ تو محبوس ہوتا ہے (یعنی بالکل الگ تھلگ ہو کر گھر میں محبوس رہے) اور نہ ہی اختلاط سے (یعنی مردوں کے درمیان گھل مل کر رہے)۔

۳۲۷﴾ تاریخ میں عورت کا غیر مستقیم کردار

کربلا کا حادثہ بھی ایک "انسانی" تاریخ ہے یعنی تاریخ زوج ہے نہ تاریخ مذکر ہے نہ فقط مونث ہمارے عقیدے کے مطابق عورت جب تک محض عشق بازی کا اور مردوں کی ہوس نظر کا وسیلہ رہتی ہے اور اپنی آرائش و زیبائش کے ذریعے مردوں (اور وہ بھی عام مردوں) کی محفل سجانے اور اسے گرم رکھنے میں مصروف رہتی ہے اور وہ کبھی بھی تاریخ میں مستقل اور مذکر کردار ادا نہیں کر سکتی، تاہم، ہم تاریخ میں عورت کے غیر مستقیم بنیادی تاثیر کے منکر نہیں۔ کہتے ہیں کہ عورت مرد کی تربیت کرتی اور مرد کو بناتی ہے۔

۳۲۸﴾ پیام رساں کے لیے شرائط

پیغام کی کامیابی کے لیے چند شرائط ہوتی ہیں پیغام کو مبنی حقیقت پر ہونا چاہیے دوسری شرط پیغام پہنچانے کا

صحیح طریقہ اور اسلوب اختیار کرنا چاہیے تیسری شرط یہ ہے کہ قدرتی اور انسانی دونوں وسائل اور امکانات سے شریعت کے مطابق جائز طریقے سے فائدہ اٹھایا جائے اور افراط تفریط سے پرہیز کیا جائے۔ افراط کے معنی ہیں ان وسیلوں سے کام لینا جو شریعت کی رو سے ناجائز ہیں جن کا لازمی نتیجہ الٹا نکلتا ہے۔ تفریط کے معنی ہیں کاہلی یا سستی کرنا (شرعاً جائز وسیلوں سے کام لینے میں) کیوں کہ یہ بھی تبلیغی قوت میں کمی پیدا کرتا ہے۔ چوتھی بات جو باقی رہ گئی تھی وہ پیغام پہنچانے والے شخص کی لیاقت اور ذات ہے۔ اسی طرح تحریک حسینی کے تبلیغی عنصر کے مسئلے میں جو تبلیغ کی گفتگو سے جڑا ہوا تھا اہل بیت کی قید کے زمانے میں کربلا سے کوفہ تک، کوفہ سے شام تک اور کوفہ اور شام میں اور پھر ان کی آزادی کے زمانے میں جب وہ قیدی نہیں رہے تھے اور شام سے مدینہ بھیجے گئے تھے ان کے تبلیغی اثرات کے کچھ حصے باقی رہ گئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ہم اس کے بارے میں گفتگو کریں۔ یہ باقی رہ جانے والے دونوں حصے لازمی طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

۳۲۹﴾ تاریخ بنانے میں عورت کا کردار

عورت کا تاریخ میں کیا کردار ہے یہ بات موضوع بحث ہے کہ آیا تاریخ بنانے میں عورت کا کوئی کردار ہے بھی یا نہیں یا آیا وہ تاریخ میں کوئی کردار ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟ آیا اسے کردار ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اسی طرح اس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کیا ہے؟

۳۳۰﴾ مذکر مونث کی تاریخ

کربلا کی تاریخ مذکر و مونث حادثہ کی تاریخ ہے۔ اس حادثہ میں مرد اور عورت دونوں کے کردار ہیں، دونوں کا حصہ ہے، لیکن مرد اپنے دائرے میں ہے اور عورت اپنے دائرے میں ہے اسلام کا یہی تو معجزہ ہے وہ چاہتا ہے کہ آج کی دنیا اسے قبول کرلے۔

۳۳۱﴾ روز عاشورا عورت کا کردار

ہمیں کربلا کے حادثہ میں ایک عجیب چیز یہ ملتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں۔ اس حادثہ میں مرد کا کردار بھی ہے اور عورت کا بھی' بوڑھے کا بھی ہے اور جوان کا بھی' گورے کا بھی ہے اور کالے کا بھی' عرب کا بھی ہے اور غیر عرب کا بھی' مختلف طبقوں اور جماعتوں کا کردار ہے جیسے بنیادی طور پر قضاء و قدر نے یہ طے کردیا ہے کہ اس

حادثہ میں مختلف طبقات اپنے اپنے کردار کریں تا کہ اسلام کی کلی طور پر اور اچھے انداز میں نشاندہی ہو جائے یہ جو میں عرض کرر ہا ہوں کہ اس میں عورت کا حصہ ہے یہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا پر ہی موقوف نہیں ہے اس بارے میں ہمارے پاس اتنے ہی واقعات ہیں۔ کربلا میں ایک شہید کی زوجہ بھی ہے اور وہ جناب عبد اللہ عمیر کلبی کی زوجہ ہیں۔ دو خواتین اور بھی ہیں جو باقاعدہ میدان جنگ میں پہنچی ہیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے انہیں روکا اور حکم دیا کے واپس جاؤ اور وہ پلٹ گئیں ایسی مائیں ہیں جنہوں نے اپنے بیٹوں کی شہادت دیکھی اور اسے خدا کی خاطر سمجھ لیا۔ اسی طرح ہم کربلا میں موالی نام کے پندرہ آدمی دیکھتے ہیں ان میں سے خاص طور پر ایک جن کا نام موالی لیا گیا ہے موالی شوذب مولی عابس بن عبید ہیں مرحوم حاجی نوری اور مرحوم حاج شیخ عباس قمی جیسے بڑے بڑے علماء نے اس بات کی تاکید کی ہے اس میں شک باقی نہیں رہنا چاہیے کہ مولا عباس سے یہ مراد نہیں ہے کہ عابس غلام یا آزاد کیے ہوئے تھے بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان کے ہم پیمان تھے اور کہتے ہیں کہ وہ قدر و منزلت اور سماجی شخصیت میں عابس سے بہتر تھے۔

کربلا' حضرت زینبؑ کی شخصیت کی تجلیگاہ

۳۳۲۔ حضرت زینبؑ کا صبر

جو جوان کربلا میں شہید ہوئے اور ان کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں ان میں سے عون بن عبداللہ بن جعفر جو زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے فرزند ہیں' یعنی حضرت زینبؑ اپنے بڑے بیٹے کی شہادت کی چشم دید گواہ ہیں۔ حضرت زینبؑ کے شوہر عبداللہ بن جعفر سے کربلا میں دو فرزند موجود تھے' ان میں سے ایک حضرت زینبؑ کے فرزند تھے اور دوسرے بیٹے ایک اور بیوی سے تھے' دونوں شہید ہوئے' اس طرح جناب حضرت زینبؑ کے فرزند بھی کربلا میں شہید ہوئے' ایک اور حیران کن بات جو ہمیں اس عظیم شخصیت کی تربیت میں نظر آتی ہے اور کسی مقتل میں اس کا ذکر نہیں ہوا کہ جناب حضرت زینبؑ نے قبل از شہادت یا بعد از شہادت اپنے بیٹے کا نام نہیں لیا' انہوں نے سوچا کہ یہ بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے یعنی اے حسین بن علی علیہ السلام میرا فرزند اس قابل نہیں کہ آپؑ پر فدا ہو' مثال کے طور پر جب حضرت علی اکبرؑ کی شہادت ہوئی تو جناب زینبؑ خیمہ سے باہر آ گئیں اور فریاد بلند کی۔

یا اخیہ و ابن اخیہ آپ کی فریاد کو فضا نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ لیکن اپنے فرزند کی شہادت پر انہوں نے ایسا نہیں کہا۔

۳۳۳۔ حضرت زینبؑ قافلہ سالار

امام حسینؑ اپنی اہل بیتؑ کے ہمراہ عازم سفر ہیں تاکہ وہ بھی اس عظیم تاریخ میں اپنی ذمہ داری (رسالت) ادا کر سکیں۔ اس لیے کہ وہ بھی اس عظیم تاریخ کے بنانے میں اپنا مستقیم کردار ادا کر سکیں جناب

حضرت زینبؑ کی قافلہ سالاری کے ذریعے اپنے مدار سے خارج ہوئے بغیر۔

۳۳۴ حضرت زینبؑ کا کردار

عاشورا کی سہ پہر سے جناب زینبؑ نظر آنے لگتی ہیں۔اس کے بعد سے ان کی ذمہ داری شروع ہو گئی وہ قافلہ کی سردار ہیں۔

کیونکہ اس وقت مرد صرف امام زین العابدین علیہ السلام ہیں جو سخت بیمار ہیں اور ایک تیماردار کے محتاج ہیں' یہاں تک کہ دشمنوں نے ابن زیاد کے عمومی حکم کے مطابق امام حسینؑ کی اولاد میں کوئی مرد باقی نہ رہنے دیا جائے چند بار یہ جملہ کہا کہ امام زین العابدینؑ کو بھی قتل کر ڈالا جائے لیکن پھر خود ہی کہنے لگے: (یہ خود ہی مرنے والا ہے۔) چنانچہ یہ بھی خدا کی ایک حکمت و مصلحت تھی کہ امام زین العابدینؑ اس طریقے سے زندہ بچ گئے اور حسین بن علیؑ کی پاک نسل باقی رہ گئی جناب زینبؑ کا ایک کام امام زین العابدینؑ کی تیمارداری کرنا تھی۔

۳۳۵ حضرت زینبؑ طاغوت کی اسارت میں

امام زین العابدینؑ نے فرمایا: ہم بارہ افراد تھے اور ہم سب بارہ افراد کو ایک ہی زنجیر سے باندھا دیا گیا تھا۔زنجیر کا ایک سرا میرے بازو میں اور دوسرے سرے سے جناب زینبؑ کو باندھا گیا تھا۔

۳۳۶ حضرت زینبؑ کا دردناک مرثیہ

گیارہ محرم کو عصر کے وقت قیدی لائے گئے اور انہیں ایسی سواریوں (اونٹوں یا خچروں یا دونوں) پر بٹھایا گیا جن کی کاٹھیاں لکڑی کی تھیں اور یہ پابندی لگا دی گئی کہ قیدی کاٹھیوں پر کوئی کپڑا نہ ڈالیں تاکہ انہیں تکلیف پہنچائی جا سکے' پھر اہل بیت نے ایک خواہش ظاہر کی جو منظور کر لی گئی وہ خواہش یہ تھی: قلن بحق الله الا ما مررتم بنا علی مصرع الحسینؑ انہوں نے کہا تمہیں خدا کی قسم ہے ہمیں اس جگہ سے لے چلو' ہمیں حسینؑ کی قتل گاہ سے ہو گزارو کیونکہ ہم اپنے عزیزوں کو آخری بار الوداع کہنا چاہتے ہیں' قیدیوں میں صرف امام زین العابدین علیہ السلام تھے جن کے پاؤں بیماری کی وجہ سے سواری کے پیٹ کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے دوسرے قیدی سواریوں پر بندھے بیٹھے تھے جب یہ لوگ مقتل گاہ پہنچے تو انہوں نے بے

اختیاراً اپنے آپ کو سواریوں سے نیچے گرا لیا' حضرت زینب سلام اللہ علیھا سید الشہداء کے جسم مقدس کے قریب پہنچیں انہیں ایسی حالت میں پایا کہ اس سے قبل نہیں دیکھا تھا' وہ حضرت کا بے سر اور بے لباس بدن دیکھتی ہیں اس کو مخاطب کر کے کہتی ہیں: بابی المھموم حتی قضی' بابی العطشان حتی مضی' ایسا دل سوز بین کرنے لگیں کہ فابکت واللہ کل عدو وصدیق' کہ سارے دوست و دشمن رو دیئے۔

۳۳۷۔ پہلی مجلس

امام حسینؑ کے غم میں پہلی بار جناب زینبؑ نے مجلس قائم کی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے فرائض سے بھی غافل نہیں ہیں۔ امام زین العابدین کی تیمارداری انہی کے ذمے ہے' آپ نے امام زین العابدینؑ کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ بابا کا یہ حال دیکھ کر حضرتؑ اس قدر بے چین ہو گئے کہ گویا آپؑ کی جان نکلنے والی ہے فوراً بھائی کی لاش کو چھوڑ کر امام زین العابدینؑ کے پاس پہنچتی ہیں۔ یابن اخی! اے میرے بھتیجے! تمہاری کیسی حالت ہو گئی کہ جیسے تمہارے جسم سے روح پرواز کرنے والی ہے؟ پھوپھی جان! اپنے عزیز و اقرباء کی لاشیں دیکھ کر یہ کیسے ممکن ہے مجھے تکلیف نہ ہو جناب حضرت زینبؑ اس وقت امام زین العابدینؑ کو تسلی دینے لگتی ہیں۔

۳۳۸۔ عاشورا سے جناب زینبؑ آگاہ تھیں

جناب امّ ایمن نہایت با عظمت اور با وقار خاتون ہیں جو کہ ظاہراً جناب خدیجہ کبریٰ کی کنیز تھیں' بعد میں آزاد ہو گئیں ہیں لیکن پیغمبرؐ کے گھر میں ہی رہنے لگی تھیں پیغمبرؐ ان کی بہت عزت کرتے تھے، یہ ایسی ہستی ہیں جو پیغمبرؐ کی حدیث بیان کرتی ہیں، یہ ضعیفہ برسوں پیغمبر کے گھر میں رہیں، انہوں نے جناب زینبؑ کے سامنے پیغمبر کی ایک حدیث بیان کی تھی، کیوں کہ اس حدیث کا تعلق اس خاندان کے آئندہ واقعات سے تھا اس لیے جناب زینبؑ حضرت علیؑ کی عمر کے آخری حصے میں اطمینان کرنے کے لیے آپ کے پاس آئیں کہ جو ام ایمن نے کہا ہے وہ سو فی صد درست ہے۔ بابا جان! میں نے ام ایمن سے یہ حدیث سنی ہے، میں یہ حدیث ایک بار آپؑ سے سننا چاہتی ہوں تاکہ تصدیق ہو جائے کہ یہ صحیح ہے؟ آپؑ نے پوری حدیث بیان کی آپؑ کے والد یعنی حضرت علی علیہ السلام نے تائید کی اور فرمایا ام ایمن کا کہنا سچ

ہے یہ بات صحیح ہے۔

۳۳۹ حضرت زینبؑ نے حدیث بیان کی!

جناب زینبؑ اس وقت یہی حدیث امام زین العابدینؑ کے سامنے بیان فرماتی ہیں، اس حدیث میں یہ ہے کہ اس واقع میں ایک نقطہ پوشیدہ ہے تم ان حالات میں یہ نہ سمجھ لینا کہ امام حسینؑ مارے گئے ختم ہو گئے اے میرے بھتیجے! ہمارے جد کی یہ حدیث ہے کہ امام حسینؑ اسی جگہ بے کفن دفن ہوں گے جہاں پر تم اس وقت ان کا جسم دیکھ رہے ہو اور اسی جگہ امامؑ کی قبر کا طواف ہوا کرے گا۔

بر سر تربت ماچون گزری همت خواه

کہ زیارتگہ رندان جهان خواهد بود

آنے والے دور میں یہ جگہ محبت کرنے والوں کا کعبہ بن جائے گی امام زین العابدینؑ کے سامنے جناب زینب سلام اللہ علیہ روایت کرتی ہیں، کہ یہی گیارہ تاریخ تھی کہ ظہر کے بعد عمر سعد اپنے سپاہیوں کی لاشیں دفنانے کے لیے وہیں رہ گیا لیکن حضرت امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی لاشیں اسی طرح پڑی رہ گئیں، اس کے قیدیوں کو سیدھا کربلا سے نجف کے لیے جو تقریباً بارہ فرسخ ہے روانہ کر دیا گیا، ترتیب یوں رکھی گئی کہ بارہ تاریخ کے دن قیدیوں کو ڈھول تماشہ اور شہنائیوں کی گونج میں اور فتح کی شان و شوکت کے ساتھ کوفہ لے جائیں گے اور اپنے خیال کے مطابق پیغمبرؐ کے خاندان پر آخری ضرب لگائیں گے۔

۳۴۰ کربلا میں جناب زینبؑ کا رشد

کربلا کے حادثے نے زینبؑ کی شخصیت اجاگر کر دی مسلمان خواتین میں ایک خاتون ایسی ہے جو اسلام کا سرمایہ افتخار ہے وہ زینب کبریٰ سلام علیہا ہیں۔ تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ کربلا کے منفرد مصائب اور خونی حادثے نے جناب زینبؑ کو فولادی قوت عطا کر دی، جو زینبؑ مدینے سے چلی تھی جب یہی زینب شام سے مدینہ واپس آتی تو وہ پہلے والی زینبؑ نہ تھی، جو زینب شام سے واپس آئی وہ رشد یافتہ اور خالص ترین زینب تھی، حتی کہ جو حالات اسیر ہونے کے دوران پیش آئے یا جب میدان کربلا میں آپؑ کے برادر ابھی زندہ تھے اور جناب زینبؑ پر کوئی ذمہ داری نہیں آئی تھی اس زینبؑ میں بھی فرق تھا۔

۳۴۱﴾ علیؑ کے لہجے میں زینبؑ کا خطبہ!

ان کو (اسیروں کو) روانہ کر دیا گیا اور اس حالت میں لے چلے کہ جناب زینبؑ غالباً نویں محرم سے بالکل نہیں سوئی تھیں، سب سے پہلے سر لے جائے گئے، نجانے کتنا دن چڑھ آیا تھا (سورج نکلنے کے قریب قریب دو تین ساعتیں گزر چکی تھیں) جب قیدی کوفہ میں داخل ہوئے، حکم دیا گیا کہ سروں کو ان کے استقبال کے لئے لے جائیں تاکہ ساتھ آئیں، اس وقت ایسی عجیب حالت تھی کہ بیان نہیں کی جاسکتی، کوفہ کے دروازے پر (علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی یہاں ظاہر ہوتی ہے) یہ باشخصیت خاتون ایسا خطبہ دیتی ہے کہ راویوں نے لکھا ہے کہ زینبؑ نے انتہائی مناسب موقع پر ایک اشارہ کیا وقد اومات، تاریخ کی عبارت یہ ہے: وقد أو مأت الی الناس ان اسکتوا فارتدت الانفاس و سکنت الاجراس' یعنی جس شور وغل کے باعث آواز سنی نہیں جاسکتی تھی یکدم خاموشی چھا گئی کہ جیسے سینوں میں سانسیں رک گئیں سواریاں رک گئیں (جب لوگ کھڑے ہو گئے تو سواریاں بھی رک گئیں) جناب زینبؑ نے تقریر کی حضرت علیؑ بیس سال پہلے کوفہ میں خلیفہ تھے اور آپ نے اپنی خلافت کے تقریباً پانچ سال تک کافی تقریریں کیں تھیں، لوگوں میں حضرت علیؑ کا فن خطابت ضرب المثل تھا، راوی کہتا ہے ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت زینبؑ حضرت علیؑ کے لہجے میں بول رہی ہوں۔ جیسے حضرت علیؑ زندہ ہو گئے ہوں اور ان کے الفاظ جناب زینبؑ کی زبان سے ادا ہو رہے ہوں، جیسے ہی جناب زینبؑ نے تقریر کی جو زیادہ طولانی نہیں تھی (دس بارہ سطروں سے زیادہ نہیں تھی) ختم ہوئی تو راوی کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ سب کے سب دانتوں تلے انگلیاں دبائے ہوئے تھے، عورت کی جو شکل اسلام چاہتا ہے وہ یہ ہے' حیا' عفت پاکیزگی اور تقدس میں ڈوبی ہوئی ایک شخصیت اس دلیل کی بنیاد پر کربلا کی تاریخ نہ مونث ہے نہ مذکر اس کے بنانے میں مرد کا کردار بھی موثر ہے اور عورت کا بھی لیکن اپنے دائرے کے اندر رہتے ہوئے یہ تاریخ دونوں کے ہاتھوں سے بنی ہے۔

۳۴۲﴾ حضرت زینبؑ کا معروف خطبہ!

کوفہ کے لوگ یہ جانتے تھے کہ حسین بن علیؑ حق پر ہیں' گویا یہ ان کا اعتراف بھی تھا' لیکن حق کے

دفاع میں ان سے کوتاہی ہوگئی' ثابت قدم نہ رہ سکے استقامت نہ دکھا سکے' حقیقت میں حق کی حمایت نہ کرنا ان کی عملی جہالت ہے۔

حضرت زینبؑ نے اپنے معروف خطبہ میں کوفیوں کی اس کوتاہی اور حق کی حمایت نہ کرنے پر سرزنش کی ہے۔

یا اهل الکوفه! یا اهل الختل و الغدر و الخذل! اتبکون؟ الا فلا رقات العبرة و لا هد ات الزفرة انما مثلکم کمثل التی نقضت غزلها من بعد قوّةٍ انکاثاً

اے کوفیو! اے دھوکے بازو! اور بے وفاؤ! اے فریب کارو! اب کیوں رو رہے ہو؟ پس تمہارے یہ آنسو خشک نہ ہونے پائیں اور تمہاری یہ نالہ وفریاد ختم نہ ہو' تمہاری مثال اس خاتون کی طرح ہے جو کپاس سے دھاگہ بناتی تھی اور اسے پھر کپاس کی صورت میں لے آئی جسے اس نے بنا ہوتا تھا پھر کھول دیتی تھی۔

۳۴۳۔ خطبے کے مختلف پہلو

جناب زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ چند حصوں پر مشتمل ہے۔

الف: ملامت اور سرزنش

یا اهل الکوفه! یا اهل الختل و الغدر و الخذل! الا فلدرقات العبرة و لاهدات الزفره' انما مثلکم... هلفیکم الا الصلف العجب...؟

ب: ان کی غلطیوں سے آگاہ کردیا۔

پس روتے رہو کیونکہ تم اسی قابل ہو تم ذلت کی تاریکیوں میں گم ہو چکے ہو یہ بدنامی کا داغ تمہارے دامن پر ہمیشہ رہے گا اور تم اس داغ کو کبھی بھی نہیں دھوسکو گے اور اس دھبے کو دھو بھی کیسے سکتے ہو کہ تم نوجوانان جنت کے سردار اور فرزند رسولؐ اللہ کو قتل کیا ہے جو جنگ میں تمہارے لیے پناہ گاہ اور صلح کے

زمانے میں تمہارے آرام وسکون کا باعث تھا جو تمہارے زخموں کا طبیب تھا جو مشکلات کے وقت تمہاری پناہ گاہ تھا جو تمہارے لیے حق بیان کرنے والا تھا اور تمہارے لیے منارہ نور تھا اسے تم نے ڈھا دیا۔

ج: ضمیر کو جھنجھوڑا کہ تم نے پیغمبرؐ کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

ویلکم اتدرون ایّ کبد لرسول اللّٰہ فریتم و ایّ عھدنکثتم و ایّ کریمۃ لہ ابرزتم و ایّ حرمۃ لہ ھتکتم و ایّ دم لہ سفکتم

وائے ہو تم لوگوں پر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے رسولؐ اللہ کے جگر گوشے کا خون کیا ہے؟ اور کونسا عہد توڑ دیا ہے؟ ان کی بیٹیوں کو بے پردہ کر کے کس کی بے حرمتی کی ہے؟ اور کس کس کا خون بہایا ہے؟

لقد جئتم شیئًا اذا تکاد السموات یتفطروا منہ.... سچ تو یہ ہے کہ تم نے بہت برا کام کیا ہے نزدیک ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑے۔

د: الٰہی انتقام

فلا یستخفنکم المھل فانہ عزوجلّ لا یحفزہ البدار و لا یخشی علیہ فوت الثار کلا ان ربک لنا ولھم لبالمر صاد

اس مہلت سے تمہیں مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خدا کسی کام میں عجلت کرنے سے منزہ ہے بے گناہ خون کو پامال کرنے سے ڈرو انتقام لینے والی ذات اس کی ہے اور وہ ہم سب کو دیکھ رہا ہے۔

۳۴۴۔ جناب زینبؑ نے دشمن کے سٹیج سے بات کی

ہر مرحلے کو بالآخر ایک فلسفے کے لیے پریشانی اور حمایت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تبلیغاتی جنگ وہاں شروع ہوتی ہے جہاں فلسفے آپس میں ٹکراتے ہیں پیغمبر کی اہل بیت کی موجودگی کے آثار میں سے ایک اثر یہ تھا کہ وہ دشمن پر حاوی تھے کہیں پر ایسا نہیں ہوا کہ دشمنوں کو غلبہ حاصل ہوا ہو۔

دوسرا کام یہ کیا کہ انہوں نے خود دشمن کے وسیلے سے استفادہ کیا جبکہ اس سے پہلے لوگوں میں اتنی جرأت نہیں تھی جناب حضرت زینبؑ نے دشمن کے سٹیج سے فائدہ اٹھایا دشمن کے سٹیج سے فائدہ اٹھانا اصل میں جنگ کو دشمن کے گھر تک کھینچ لانا ہے۔

۳۴۵﴾ زینبؑ میں حسینی روح کی عزت کا جلوہ گر تھی

جناب حضرت زینبؑ کو ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا' ایسی باعظمت خاتون تھیں چند لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے' و حفت بها مائوها' یعنی کنیزوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا' کنیز سے یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں جو اصحاب اس حادثے میں شریک ہوئے ان کے خاندان کی جتنی خواتین ہمراہ تھیں سب جناب حضرت زینبؑ کی سیادت اور بزرگواری کی قائل تھیں۔ وہ خود کو جناب زینبؑ کی کنیز جانتی تھیں' انہوں نے جناب زینبؑ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا' اس طرح جناب زینبؑ درمیان میں تھیں کہ ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوئیں لیکن سلام نہیں کیا اور کوئی اعتناء نہ کیا۔ ابن زیاد نے جب یہ محسوس کیا کہ جناب حضرت زینبؑ اب بھی مقابلے پر ہیں سخت ناراض ہوا' جناب زینبؑ کے سلام نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا اروادہ اب بھی زندہ ہے' اب بھی ہم تمہیں کچھ نہیں جانتے۔ ابھی تک روح حسینی جناب زینبؑ میں موجود ہے جو یہ کہہ رہی ہے: **هيهات من الذلة**' ذلت ہم سے دور ہے۔ ابھی تک یہ کہہ رہی ہے: **لا اعطيكم بيدى اعطاء الذليل و لا افر فرار العبيد يا لا اقر اقرار العبيد**

۳۴۶﴾ اے ابن زیاد تم فاسق و فاجر ہو

ابن زیاد اس بے اعتنائی سے سخت غصے میں آ گیا وہ یہ جانتا تھا کہ یہ خاتون کون ہے؟ اسے تمام معلومات مل چکی تھیں جب اسے پتہ چلا کہ یہ خاتون سب سے زیادہ محترم ہے اور اس کے اسی خاص احترام کی وجہ سے خواتین نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے بہر حال کہنے لگا: **من هذه المتكبرة؟** یا **من هذه المتنكرة؟** (دو طرح سے ذکر ہوا ہے) یہ متکبر اور پر نخوت خاتون کون ہے؟ یا یہ ناشناس خاتون کون ہے؟ کسی نے جواب نہ دیا دوبارہ سوال کیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ ان میں سے ہی کوئی جواب دے اس لیے دوسری اور تیسری بار سوال کیا۔

آخر کار ایک خاتون نے جواب دیا: **هذه زينبؑ بنت على بن ابى طالبؑ**' یہ زینبؑ علیؑ کی بیٹی ہے۔ یہ پست فطرت لعین جس میں شرافت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ (جو اتنی مصیبتیں جھیل چکا ہو تو اس صورتحال میں ایک شرافت مند انسان کو اس کی شرافت اجازت نہیں دیتی کہ دوسروں کے زخموں پر نمک پاشی کرے

دوسری جانب ایک خاتون ہے کوئی بھی جنگی قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ خواتین پر اعتراض کرے یا انہیں زبان سے تکلیف پہنچائے انہیں اسیر کرے بلکہ احترام کیا جاتا ہے۔)

وہ کہنے لگا: الحمد لله الذی فضحکم و اکذب احدوثتکم

میں شکر خدا کرتا ہوں کہ جس نے تمہیں رسوا کیا اور تمہارے اس جھوٹے عمل کو آشکار کیا' جناب حضرت زینبؑ نے بڑی جرأت اور شہامت سے جواب دیا: الحمد لله الذی اکرمنا بالشهادة' ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے افتخار شہادت سے نوازا' خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ یہ تاج افتخار میرے بھائی کے سر پر رکھا' خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں خاندان نبوت و طہارت سے قرار دیا۔

پھر آخر پہ کہا: انما يفتضح الفاسق و يكذب الفاجر و هو غيرنا' رسوائی تو فاسق کی قسمت ہوتی ہے' ہم فاسق و فاجر نہیں' ہمارا غیر ہے' یعنی تم رسوا ہو تم ہی جھوٹے ہو۔

۳۴۷﴾ جناب زینبؑ کا جواب

ابن زیاد اپنے دربار میں حضرت زینبؑ سے یوں مخاطب ہوا:

الحمد لله الذی قتلكم و فضحكم و اكذب احدوثتكم اور از جملہ اکذب احدوثتکم' سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ حکومت جس کے ہاتھ میں ہے وہی حق پر ہے اور تم حق پر نہیں تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مغلوب کیا' یہ منطق ایسے لوگوں کی ہے کہ جو اپنی موجودہ حالت کو بہترین حالت قرار دیکر بطور دلیل اور تائید خدا سمجھتے ہیں کہ اگر وہ برا ہوتا تو خدا اسے ختم کر دیتا کیونکہ وہ ہے اس لیے ہی درست ہے یا اسے ہی ہونا چاہیے جس طرح جہالت کے ایام میں لوگ کہتے تھے: انطعم من لو يشاء الله اطعمه' کیا اسے کھانا کھلائیں کہ اگر خدا چاہتا تو خود اسے دے دیتا۔ یا پھر یہ آیت: تؤتى الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء' جس کو وہ چاہے حکومت دے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے وہ چاہے ذلیل و رسوا کرے' کی اسی طرح تعبیر و تفسیر کرتے ہیں یہ ایک بڑا مغالطہ ہے' لیکن جناب زینبؑ نے جواب دیا:

الحمد لله الذی اكرمنا بنبية محمد و طهرنا من الرجس تطهيرا' انما يفتضح الفاسق

و یکذب الفاجر و هو غیرنا و الحمد لله' تعریف اس خدا کی جس نے ہمیں اپنے پیغمبر محمدؐ کے ذریعے عزت بخشی اور ہر قسم کی نجاست و پلیدی سے پاکیزہ رکھا' سوائے فاسق کے اور کوئی رسوا نہیں' فاجر جھوٹ بولتا ہے اور الحمدللہ وہ ہم نہیں ہیں۔ ہمارا غیر ہے' ابن زیاد نے کہا: کیف رائت صنع الله باخیک' قالت کتب الله علیهم القتل فبرزوا الی مضاجعهم' و سیجمع الله بینک و بینهم' فانظر لمن یکون الفلج' هبلتک امک یا ابن مرجانه... فغضب ابن زیاد و استشاط... تم نے دیکھا کہ تمہارے بھائی کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شہادت مقرر کر رکھی تھی اور ان کو جمع کرے گا' پس خود سوچ کہ کون کامیاب ہے؟ تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے اے مرجانہ کے بیٹے۔۔۔ پس ابن زیاد کو آگ لگ گئی اور غصے میں آ گیا۔

ایک شخص جو خوراج میں سے تھا اور مولا امیر المؤمنین کا دشمن تھا اور ان کے ساتھ بھی نہیں تھا' ابن زیاد کے دربار میں موجود تھا' جب ابن زیاد نے غصے میں آگ بگولہ ہو کر یہ کہا کہ جلاد کو بلاؤ تو اس شخص میں عربی غیرت جاگ اٹھی' یہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے امیر! تجھے کچھ ہوش ہے کہ تو ایک ایسی خاتون سے مخاطب ہے جس نے کتنی مصیبتیں جھیلی ہیں اور کتنے صدمے اٹھائے ہیں' اس خاتون سے مخاطب ہے جس کے بھائی مارے گئے ہیں جو اپنے عزیزوں اور پیاروں کو کھو بیٹھی ہے۔

وعرض علیه علی بن الحسینؑ یعنی اس کے سامنے امام زین العابدینؑ کو پیش کیا گیا۔ وہ فرعون کی طرح چیخا: من انت (جبر پسندی کی منطق دیکھیے) تو کون ہے؟ آپؑ نے جواب دیا: انا علی بن الحسینؑ میں علی بن حسین ہوں' الیس قد قتل الله علی بن الحسینؑ؟ کیا خدا نے علی بن الحسین کو کربلا میں نہیں مارا؟ (اب پھر ہر بات خدا پر ڈالی جا رہی ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ لوگ حق پر ہیں) آپؑ نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک کی روح قبض کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن اس کو لوگوں نے مار ڈالا۔ وہ پھر بولا: علی و علی کا کیا مطلب ہے؟ کیا تمہارے باپ نے اپنے سب لڑکوں کا نام علی ہی رکھا تھا؟ تمہارا نام بھی علی رکھا' کوئی دوسرا نام نہیں تھا جو رکھتے؟ آپؑ نے جواب دیا: میرے باپ کو اپنے والد سے بہت محبت تھی۔ انہیں یہ اچھا لگا کہ اپنے بیٹوں کا نام اپنے بابا کے نام پر رکھیں یعنی یہ تم ہی ہو جو اپنے باپ زیاد کے نام سے شرماتے ہو۔

۳۴۸﴾ امام سجادؑ سے جناب زینبؑ کی محبت

ابن زیاد یہ امید کرتا تھا کہ امام زین العابدین علیہ السلام بالکل نہیں بولیں گے' اس کے خیال کے مطابق کسی قیدی کو کچھ نہیں بولنا چاہیے' جس وقت وہ آپ سے کہتا ہے کہ یہ خدا کا کام تھا تو اس کے نزدیک آپؑ کو کہنا چاہیے تھا کہ ہاں! خدا کا کام تھا' یہی مقدر ہو چکا تھا' یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ایسا نہ ہو وغیرہ وغیرہ لیکن جب اس نے دیکھا کہ امام زین العابدینؑ ایک قیدی اس طرح باتیں کرتا ہے تو کہنے لگا: و لک جرلة بحوابی' تم میں اب بھی جواب دینے کی ہمت باقی ہے؟ تم اب بھی سانس لیتے ہو؟ تم اب بھی میرے مقابلے میں گفتگو کرتے ہو؟ اس نے جلاد کو گردن زدنی کا حکم دیا' لکھا ہے کہ جب اس جلاد کو گردن زدنی کا حکم دیا تو اسی وقت حضرت زینب سلام علیہا اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کو لپٹا کر بولیں! خدا کی قسم تم اس کو اس وقت تک نہیں مار سکتے جب تک زینبؑ کو نہیں مار دیتے لکھا ہے کہ ابن زیاد کچھ دیر تک دونوں کو دیکھتا رہا اور پھر کہنے لگا، خدا کی قسم میں یہ دیکھتا ہوں کہ اگر میں اس وقت اس جوان کو مارنا چاہوں تو پہلے مجھے اس خاتون کو مارنا پڑے گا چنانچہ اس نے درگزر سے کام لیا۔

اہلبیتؑ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے جبر پسندی کی اس منطق کے خلاف کہ دنیا میں جبر ہے اور جبر ہی انصاف ہے جہاد کیا یعنی اس دنیا میں انسان کا ایسا کوئی فریضہ نہیں کہ وہ تبدیلی یا انقلاب لائے، جو کچھ ہے وہی ہے جو ہونا چاہیے اور جو نہیں ہے وہی ہے جو نہیں ہونا چاہیے اور یوں انسان کا کوئی کردار نہیں ہے۔

۳۴۹﴾ جناب زینبؑ کی منطق کے سامنے یزید کی خاموشی!

کہتے ہیں کہ شام میں قیدی صفر کی دوسری تاریخ کو پہنچے ہیں۔ اس حساب سے جناب زینبؑ کی قید کو بائیس دن گزر چکے ہیں۔ انہوں نے بائیس دن کی مسلسل تکلیف اٹھائی ہے۔ اس حالت میں ان کو یزید ابن معاویہ کے دربار میں لے جاتے ہیں۔ یزید کا کاخ اخضر یعنی سبز محل جو معاویہ نے شام میں بنوایا تھا اتنا شاندار تھا کہ ہر شخص اس دربار اور اس کے ٹھاٹ باٹھ، رعب و دبدبے کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتا تھا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ لوگ سات بڑے بڑے حال کمروں سے گزر کر اس آخری حال کمرے تک پہنچے

تھے۔ جہاں پر یزید ایک سجے ہوئے اور جڑے ہوئے تخت پر بیٹھا تھا اور تمام امراء ورؤسا اور غیر ملکیوں کے بڑے بڑے ایلچی بھی سونے یا چاندی کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان قیدیوں کو ایسے حالات اور ماحول میں وہاں لے جایا جاتا ہے، قیدی اور دکھوں کی ماری جناب زینبؑ کی روح میں اس وقت ایسا طوفان اٹھا تھا کہ انہوں نے لوگوں میں ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ یزید جو فصاحت و بلاغت میں مشہور تھا اس کی سٹی گم ہوگئی اور زیر لب ابن زبعری کے اشعار گنگنا رہا اور اس موقع پر جو اسے نصیب ہوا اس پر فخر کر رہا تھا جناب زینبؑ کی آواز بلند ہوتی ہے:

اظننت یا یزید حیث اخذت علینا اقطار الارض و افاق السماء فاصبحنا نساق کما تساق الاساری ان بنا علی اللہ ھواناً و بک علیہ کرامتہ

یا یزید کیا تو سمجھتا ہے کہ تو نے زمین کی وسعتیں اور آسمان کی چاروں سمتیں ہم پر تنگ کر دی ہیں اور یہ تیرے لیے خدا کی طرف سے ایک عطیہ اور ہمارے لیے ذلت و خواری ہے۔

بحار الانوار جلد ۴۵' صفحہ ۱۳۳' مقتل الحسین مقرم صفحہ ۴۶۲' اللہوف صفحہ ۷۶۔

اے یزید! تم غرور و تکبر میں مست ہو چکے ہو شمخت بانفک' تو سوچتا ہے کہ آج تو نے ہمیں قید کر لیا ہے اور تو نے ہم پر زمین کی تمام وسعتیں تنگ کر دی ہیں۔ ہم تیرے نوکروں کے قبضے میں ہیں تو گویا تیرے لیے یہ خدا کی طرف سے ایک نعمت اور بخشش ہے؟ خدا کی قسم! تو اس وقت میری نظر میں انتہائی چھوٹا' حقیر اور پست ہے میرے نزدیک تم کس شخصیت کے مالک نہیں ہو آپ لوگ دیکھ لیجئے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ایمانی اور روحانی شخصیت کے علاوہ اپنی ہر چیز لٹا دی' اس وقت آپ یہ امید نہ رکھیں جناب زینبؑ کی شخصیت کی مانند کوئی اور شخصیت ایسا تحرک اور جوش پیدا کر دے گی اور شام میں زلزلہ بپا کر دے گی؟ جس طرح ایک انقلاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

یزید مجبور ہو گیا کہ وہ اس ملک شام میں اپنا رویہ بدل ڈالے اور قیدیوں کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دے پھر اس عمل اور سانحے سے لاتعلقی کا اظہار کرے اور کہے کہ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا' اس نے خود یہ حرکت کی ہے' یہ حرکت کس نے کی؟ زینبؑ نے یہ کام اپنے آخری

جملوں میں اس طرح بیان فرمایا: یا یزید کد کیدک واسع سعیک ناصب جھدک فو اللہ لا تمحوا کرنا ولا تمیت و حینا

جناب زینبؑ نے اس شخص کو اپنا مخاطب قرار دیتے ہوئے فرمایا: جسے لوگ ہزار قسم کے خوف اور دہشت کے ساتھ یا امیر المومنین کہتے ہیں کہ اے یزید! میں تجھ سے کہتی ہوں کہ تو جو چال چلنا چاہے چل اور کرنا چاہتا ہے کر لے لیکن یہ یقین رکھ کہ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ ہمارا نام دنیا سے مٹا دے تو ہمارا نام مٹنے والا نہیں جو مٹنے اور فنا ہونے والا ہے وہ تو ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس دربار میں ایسا خطبہ دیا کہ یزید خاموش ہو گیا اور اس لعین اور شقی القلب کا سارا وجود غصے سے بھر گیا اور جناب حضرت زینبؑ کی زبان بند کرانے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے تاکہ وہ بے چین ہو جائیں نہایت بزدلی سے کام لیا اور اپنی بید کی چھڑی سے امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک اور ہونٹوں پر ضربیں لگانا شروع کر دیں۔

۳۵۰﴾ یزید پر حضرت زینبؑ کا خوف ورعب طاری ہو گیا

یزید غرور و تکبر میں ڈوبا ہوا تھا' اس ظاہری فتح نے اسے مست کر رکھا تھا اور تدریجاً یہ خیال اس کے ذہن میں پیدا ہو چکا تاکہ امام حسینؑ کی یہ ظاہری شکست اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ (اگر وہ اپنے عقیدے کے مطابق خدا کے وجود کا قائل ہو تب) حضرت زینبؑ نے فرمایا: تو ہمیں جس حالت میں دیکھ رہے ہو اس نے تمہیں غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ خیال کرنے لگے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے خاص لطف و مہربانی ہوئی ہے اور خدا کی طرف سے ہمیں ذلت و خواری ملی ہے؟ مگر تم قرآن کی یہ آیت فراموش کر چکے ہو اے یزید! و لا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لا نفسھم انما نملی لھم لیزدادو اثماً

کفار یہ خیال نہ کریں کہ اگر ہم نے انہیں مہلت دیدی ہے تو یہ ان کے لیے خیر و نعمت ہے' یہ ایسی ذلت و مصیبت ہے جو نعمت میں پوشیدہ ہے۔ ایسی نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو یہ حق نہیں رکھتے کہ ان کو گناہوں کی زیادتی کے باعث روکا جائے بلکہ انہیں مہلت دی جاتی ہے کہ وہ جتنے گناہ کر سکتے ہیں کر لیں

تا کہ انہیں عذاب زیادہ ملے اور تمہارا تعلق اس گروہ سے ہے: ولھم عذاب مھین' اور ان کے لیے ایسا عذاب ہے کہ جو نہیں سخت ذلیل ورسوا کرے گا' ایسا عذاب جو ذلیل وخوار کرنے والا ہوگا۔

۳۵۱ ﴿ حضرت زینبؑ کی عظمت کا عروج

تحریک حسینیؑ میں جس ہستی نے سب سے زیادہ درس لیا جس نے روح حسینیؑ کے سائے میں اس تحریک کو آگے بڑھایا وہ جناب زینبؑ آپؑ کی بڑی بہن ہیں یقیناً یہ ایک بڑا عجیب موضوع ہے' حضرت زینبؑ کی وہ عظمت جو انہوں نے حضرت زہراؑ کی آغوش سے پائی اور وہ تربیت جو علی علیہ السلام نے دی اس سے پہلے کی تھی۔ کربلا سے پہلی والی زینبؑ میں اور بعد والی زینبؑ میں فرق تھا یعنی کربلا کے بعد والی زینبؑ کی عظمت بہت بلند ہو چکی تھی۔

۳۵۲ ﴿ اہل دل کا کعبہ

امام حسینؑ کی قبر کی خاک اہل دل کے لیے کعبہ ہے' جناب زینبؑ نے یزید سے یہی کہا تھا تم سے غلطی ہوئی ہے: کد کیدک واسع سعیک ناصب جھدک فو اللہ لا تمحوا ذکرنا ولا تمیت وحینا

تم نے جو بھی منصوبہ بنایا ہے اس پر عمل کرلو لیکن اطمینان رکھو کہ تم میرے بھائی کو نہ قتل کر سکتے ہو اور نہ مار سکتے ہو' میرے بھائی کی زندگی اور طرح کی ہے وہ مرا نہیں بلکہ اور زندہ ہو گیا ہے۔

اس دور کے مرثیہ گو شاعر ہمارے دور کے مرثیہ گو کی مانند نہیں تھے جیسے: کمیت' مرثیہ گو تھے' دعبل خزاعی مرثیہ گو تھا' یہی دعبل خزاعی تھا' جو اس طرح مرثیہ کہتا تھا کہ اموی اور عباسی خلفاء کے تخت متزلزل نظر آتے تھے۔

وہ مرثیہ گو محتشم (شاعر) کی مانند نہ تھے ہمارے شعراء تو حسین بن علیؑ کی شہادت کا الزام زمین و آسمان کو قرار دیتے ہیں (کمیت) اس طرح کے شاعر نہ تھے وہ ایک قصیدہ کہتا تھا اور دنیا کو ہلا کر رکھ دیتا تھا۔

☆☆☆☆

اس کتاب کے مکمل کرنے میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا:

۱.....حماسہ حسینی، جلد ۱-۲-۳
۲.....سیرۃ نبوی
۳.....سیرۃ آئمہ اطہار
۴.....حق و باطل
۵.....عدل الٰہی
۶.....گفتار ہای معنوی
۷.....آشنائی با قرآن
۸.....فلسفۂ اخلاق
۹.....شہید
۱۰.....وہ گفتار
۱۱.....انسان کامل
۱۲.....عدل الٰہی

ملنے کا پتہ

- مکتبۃ الرضاء میاں مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور
- افتخار بک ڈپو اسلام پورہ۔ لاہور
- العصر بک سنٹر حیدر روڈ اسلام پورہ۔ لاہور
- اسلامک سی ڈی اینڈ بک سنٹر، زینت ایونیوز دپارک محرم ہال، پرانی نمائش۔ کراچی
- المہدی اسلامک سنٹر، جی نائن ٹو، جامع و امام بارگاہ امام صادقؑ۔ اسلام آباد
- محمدی بک ایجنسی، جی نائن ٹو امام بارگاہ امام الصادقؑ۔ اسلام آباد
- اسلامک بک سنٹر، سی۔۳۶۲، گلی۔۱۲، جی سکس ٹو۔ اسلام آباد

استاد مطہریؒ فروری ۱۹۱۹ء میں ایران کے صوبہ خراسان کے فریمان نامی قصبے میں پیدا ہوئے۔ جو مشہد مقدس سے ۷۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا اور ان کے والد حاجی شیخ محمد حسین مطہری ایک ممتاز عالم دین اور بلند کردار بزرگ تھے۔ استاد مطہریؒ نے دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی۔

بارہ سال کی عمر میں مرتضیٰ مطہریؒ حوزہ علمیہ مشہد میں داخل ہوئے اور وہاں پانچ سال تک تعلیم میں مشغول رہے۔ بعد ازاں دو دینی تعلیم کے عظیم مرکز قم میں چلے گئے جہاں پندرہ سال تک مشہور عالم فلسفی علامہ محمد حسین طباطبائی اور مجاہد کبیر آیت اللہ روح اللہ خمینی جیسی کئی جید علما کے زیر تربیت رہے اور اسلامی عقائد اور فقہ کی تعلیم مکمل کی۔ پھر وہ قم سے تہران منتقل ہو گئے۔

تعلیم کے دوران استاد مطہریؒ نے محسوس کیا کہ کمیونسٹ اسلام کے خلاف ایک خفیہ منصوبے پر عمل پیرا ہیں اور وہ اپنے ناپاک ملحدانہ نظریات اسلامی فلسفے میں شامل کر کے اور آیات قرآنی کی مادی تعبیر کر کے اس مقدس دین کو مسخ کرنے اور اس کی روح کو برباد کرنے میں مصروف ہیں۔ اس عظیم فتنے کا سدباب کرنے کے لئے انہوں نے مارکسی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا تاکہ اس نظریے کا پورا علم حاصل کر کے اس پر صحیح تنقید کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے کچھ حصے از بر کر لئے۔

بلاشبہ مارکسزم وہ واحد چیز نہ تھی جس کی جانب استاد مطہریؒ نے اپنی توجہ مبذول کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی تحریروں میں تفسیر قرآن، فلسفہ، اخلاقیات، عمرانیات، تاریخ اور کئی ایک موضوعات پر قلم اٹھایا۔ ان کی تمام تصانیف کا حقیقی مقصد اسلام پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دینا اور دوسرے مکاتب فکر کی خامیاں اور اسلام کی عظمت واضح کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے مخالف نظریات رکھنے والوں کو بحث و مباحثے کی دعوت دی۔ تاہم استاد مطہریؒ کا عقیدہ تھا کہ مارکسزم اور اسی جیسے دوسرے نظریات کو باطل ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان پر علمی انداز میں تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کا حقیقی چہرہ بھی پیش کیا جائے۔

ملحدانہ مکاتب فکر کے پیروکاروں کے لئے استاد مطہریؒ کی سرگرمیاں ناقابل برداشت تھیں، چنانچہ انہوں نے آپ کو دہشت گردی کے ذریعے منظر عام سے ہٹا دینے کا فیصلہ کیا یالآخر وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب بھی ہوئے اور استاد مطہریؒ یکم مئی ۱۹۷۹ء کو شہید کر دیئے گئے۔

استاد مرتضیٰ مطہریؒ کی شہادت ایک عظیم سانحہ تھی جس پر موت العالِم موت العالَم کا مقولہ صادق آتا ہے۔ امام خمینیؒ نے جب یہ دردناک خبر سنی تو شدت جذبات سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ "میں اپنے عزیز فرزند سے محروم ہو گیا ہوں۔ میں اس شخص کی موت کا سوگ منا رہا ہوں جو میری زندگی کا حاصل تھا۔"

ہزاروں فرزندان توحید نے شہید کے جلوس جنازہ میں شرکت کی۔ انہیں حرم معصومہ قم کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

استاد مطہریؒ ایران کے دینی اور ادبی حلقوں کی ایک ممتاز شخصیت تھے۔ وہ ایک عرصے تک تہران یونیورسٹی میں شعبہ الہیات اور معارف اسلامی کے سربراہ رہے۔ شہادت کے وقت وہ اسلامی جمہوری ایران کی دستور ساز کونسل کے صدر کے عہدے پر فائز تھے اور اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بہت سی معرکتہ الآراء کتابیں لکھی ہیں جو فارسی، عربی، ترکی، اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

ادارہ البیان، لاہور پاکستان
فون: 042 8402311 موبائل: 0300 4982565